A.MAHAZ APR-JUN 25
Tuesday, April 08, 2025
5:15 PM

بیاد پروفیسر سید منظر حسن دسنوی مرحوم
اور سید شکیل دسنوی مرحوم
شعر و ادب کی صالح قدروں اور عصری رجحانات کا ترجمان
سہ ماہی کٹک
ادبی محاذ

ہمارے سرپرست
علامہ حضرت سید اولاد رسول قدسی مصباحی (امریکہ)
جناب خادم رسول عینی (کرنول)
جناب تنویر پھول (امریکہ)
جناب نظام بھولیاوی (بہار)

مدیر اعلیٰ: سعید رحمانی
موبائل۔ 07978439220 (صرف SMS کے لیے)

مدیر	معاون	مدیران
سید نفیس دسنوی	سیّد نور الٰہی ناطق	عبدالمتین جامی
Mob:9437067585	Mob:9237427933	Mob-9938905926

منیجنگ ایڈیٹر
سمیع الحق شاکر موبائل 9861148800
کمپیوٹر کمپوزنگ:۔ یونس عاصم موبائل۔ 9090156995

مجلس مشاورت
ڈاکٹر اسلم حنیف، ظفر اقبال ظفر، شارق عدیل، غلام ربانی فدا، اشفاق نجمی، حیرت فرخ آبادی، شیخ منور حبیبی، شیخ قریش، ڈاکٹر معصوم شرقی، ڈاکٹر قمر الزماں، یوسف جمال، مولانا مطیع اللہ نازش، ارشد جمیل، محمد عبدالوحید (پروف ریڈر اور صلاح کار)
قانونی مشیر: محمد فیض الدین خاں (ایڈوکیٹ ہائی کورٹ)

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ
سعید رحمانی۔ دیوان بازار۔ پوسٹ۔ بخشی بازار، کٹک۔ 753001 (اڈیشا)
09437067585 (ضروری جانکاری کے لیے)
E-mail: adbimahaz@gmail.com
E-mail: Sayeedrahmani@gmail..com
Website:
http//www.sayeedrahmani.blogspot.com

قیمت فی شمارہ: 35 روپے   زرِ سالانہ: 130 روپے
رجسٹری ڈاک سے زرِ سالانہ۔ ۳۰۰ روپے
خصوصی زرِ سالانہ: ۲۰۰ روپے   بیرونِ ممالک: ۲۵ امریکی ڈالر
(چیک یا ڈرافٹ پر نام کی جگہ صرف MohammedSayeed لکھیں۔ پتہ نہ لکھیں۔ چیک کے ذریعہ زرِ سالانہ ۱۵۰ روپے ارسال کریں۔ بیرونِ ملک کے لئے ۳۰ امریکی ڈالر)
Name Of Account Holder:Mohammed Sayeed
IndianOverseasBank-A/CNo.172201000001688

پبلیشر و پرنٹر شیخ قریش نے ینگ پریس قاضی بازار سے چھپوا کر دفتر ادبی محاذ دیوان بازار کٹک۔ 753001 سے شائع کیا۔

یادوں کے جھروکے سے
سید شکیل دسنوی مرحوم



کھو کر پونجی سانس کی خوب کیا بیوپار
سید جی کچھ پاپ ہی لے کر چلے اُدھار
دن دو دن یا چار دن سب کا یہاں پڑاؤ
اس بستی میں خواب کے خیمے لاکھ لگاؤ
جب سے پہنا جسم کا خاکی ایک لباس
ہم تو اپنے آپ کی بھول گئے بو باس
ہم نے کاٹا عمر کا کیسا یہ بن باس
یہ رامائن کون لکھے کہاں ہیں تلسی داس
دنیا میں کس کام کے یہ دھنوان بخیل
چھاؤں دے کیسے تاڑ کا اونچا پیڑ شکیل

پیش کش
ڈاکٹر سید نبیل حسن۔ کٹک

Unfiled Notes Page 1

ہمارے خصوصی معاونین

اپنی پنشن کی رقم سے "اخبار اڑیسہ" کا لگایا ہوا پودا اب اللہ کے فضل و کرم سے برگ و بار لاکر سہ ماہی "ادبی محاذ" کی صورت میں ارتقائی سفر طے کرنے لگا ہے۔ میری تنہا ذاتی کوششوں سے شروع کیا ہوا یہ سفر اب 'لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا' کے مصداق ایک ادارے کی شکل اختیار کر گیا ہے جس میں مقامی احباب کے دامے درمے سخنے تعاون کے ساتھ ہی کل ہند اور عالمی سطح پر بھی محبان اردو نے اپنی طرف سے ایک ہزار سے پانچ ہزار تک کے عطیات دیے ہیں اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ ان میں سے بعض نے وقفے وقفے سے رقم بھیجتے رہنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ تمام محبان اردو سے گزارش ہے کہ "ادبی محاذ" کی خریداری قبول فرمائیں اور اس کی بقا کا ضامن بنیں۔

خصوصی معاونین کے اسمائے گرامی

الحاج محمد ایوب خاں	بھونیشور
الحاج سیّد عطائی الدین	بھدرک
الحاج سیّد ڈاکٹر مشتاق علی	کٹک
الحاج مولوی سیّد نذیر الدین صدیقی (ایڈوکیٹ)	کٹک
جناب محمد شاہنواز	بھونیشور
جناب عبدالمجید فیضی	سمبل پور
جناب ایم اے احد	بھونیشور
جناب محمد اسلم غازی	ممبئی
ڈاکٹر محمد قمر الدین خاں	کٹک
جناب ایس این شیخ	ممبئی
مولوی محمد مطیع اللہ نازش	کٹک
جناب شیخ منور احمد حبیبی	دھام نگر (اڑیسہ)
جناب محبّ الرحمٰن وفا	یوڈا امبار اشٹر
جناب وکیل نجیب	ناگپور
جناب سیّد محمود رضی الدین	راجستھان
جناب اقبال سلیم۔	بنگلور
جناب ایم حمید الدین ناز	بیدر
پالوجی ڈاکٹر جاوید حسین	ممبئی

مس انجم ممتاز سلطانہ	بیدر
جناب رفیق شاہین	علی گڑھ
جناب سمیع الحق شاکر	کٹک
ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمی	رانچی
ڈاکٹر جمال الدین احمد	بھونیشور
ڈاکٹر کرشن بھاوک	پٹیالہ
سید فرید منظر حسن	کٹک
ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی	نیپال
ڈاکٹر قمر الزماں	دھنباد
مولانا پھول محمد نعمت رضوی	مظفر پور (بہار)
جناب ارشد قمر	ڈالٹن گنج
ڈاکٹر ملکہ خورشید	لکھنؤ
حاجی اختر حسین	تیل پہاڑ۔ جھاڑسوگڈا
جناب جمال قدوسی	سدھارتھ نگر (یوپی)
جناب شمس الحق حسن (ایڈوکیٹ)	دیوپور (کٹک)
ابوالکمال ظفر احمد (ایڈوکیٹ)	بالیسر
جناب ارشد جمیل	کٹک
جناب شیخ بشیر احمد	کشمیر

جناب نظام پھلواروی	مظفر پور (بہار)
جناب رمیش پرساد کنول	پٹنہ
جناب اسحاق عابد	چینئی
ڈاکٹر مختار شمیم	بھوپال
ابرار غنی	رائسین (ایم پی)
بانو مہر سلطانہ بنت حمید الدین	بیدر (کرناٹک)
جناب جاوید ندیم	ممبئی
جناب فیروز احمد سیفی	نیویارک (امریکہ)
پروفیسر سید محمد استخار الدین	بجنور (یوپی)
الحاج سید عطائی الدین	بھونیشور
جناب سید اولاد رسول قدسی	امریکہ
جناب سید خادم رسول عینی	بھساول
سبطین پروانہ	کٹیہار (بہار)
محسن عظیم انصاری	لکھنؤ (یوپی)

گزارش

محترمی! السلام علیکم

پرنٹنگ چارج کے ساتھ ساتھ ڈاک خرچ میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ چنانچہ رسالے کی قیمت میں مجبوراً اضافہ کرنا پڑا ہے۔ آئندہ قیمت فی شمارہ 35/روپے اور زرِ سالانہ 130 روپے کردی گئی ہے۔

امید ہے ہماری مجبوری کا خیال رکھتے ہوئے آپ یہ معمولی سا اضافہ گوارہ کرتے ہوئے اپنا تعاون جاری رکھیں گے۔

ادارہ

Unfiled Notes Page 2

اس شمارے میں

Unfiled Notes Page 3

حمد و نعت

عبدالمجید فیضی سمبلپوری
12/106,Nayapara,Samblpur,Odisha,

حمد باری تعالیٰ

رحمتِ ربِ العلیٰ ہے جو بہ جو   اس کا فیضانِ کرم ہے کو بہ کو
اس کی قدرت کے کرشمے جابجا   اسکے جلووں کے کے نظارےسو بہ سو
مستتر ہے وہ نگاہوں سے مگر   ہے رگِ جاں سے قریں تر دو بہ دو
ماہ و خاور کہکشاں در کہکشاں   اس کی طلعت سے منور ہو بہ ہو
جلوہ ساماں ہیں زمین و آسماں   آئینہ در آئینے رو بہ رو
ربِ ارنی کا تقاضائے کلیم   لن ترانی ہے جواب دو بہ دو
ہم طریق و ہم خصال و ہم صفات   اہلِ ایماں سارے باہم خو بہ خو

منظرِ شام و سحر ہے دل نشیں
کیجئے فیضی نظارہ دو بہ دو

محمد طفیل احمد حافظ
At Sonapali,WardNo-33,
HouseNo-382.P.O:Dhankauda
Dist:sambalpur768006(Odisha)

نعتِ پاک

مدحتِ سیدِ انام کرتے ہیں روز و شب غلام   کروبیانِ عرش بھی کرتے ہیں نذر انہیں سلام
پیشِ نظر رہے مدام سرورِ دیں کا احترام   ان پہ درود اور سلام لمحہ بہ لمحہ صبح و شام
ان کے لیے ہیں برکتیں ان پہ خدا کی رحمتیں   جن کے لبوں پہ ہے درود جن کے لبوں پہ ہے سلام
فخرِ جہاں ہے ان کی ذات ان سے وجودِ کائنات   ان کے ہی دم قدم سے ہے بزمِ جہاں کا انتظام
سدرہ سے آگے جبرئیل ہرگز نہ ہو سکے دخیل   جانبِ عرش تھے رحیل تنہا حضور ذی مقام
مژدہ ترے ورود کا ہر اک رسول نے دیا   جملہ صحف گواہیاں دیتے رہے بالالتزام
دنیا میں ان کی سروری عُقبیٰ میں ان کی برتری   دونوں جہاں میں ہے مچی ان کے کرم کی دھوم دھام
رنج و الم سے ہے گھری آج ہماری زندگی   آقا نگاہِ لطف سے کیجئے ہم کو شادکام

حافظ خستہ حال کی لیجئے کچھ خبر نبی
کیجئے چشمِ التفات بگڑے ہیں اس کے سارے کام

عبدالمجید فیضی سمبلپوری
12/106,Nayapara,Samblpur,Odisha,

نعتِ پاک

خونابِ چشمِ درفشاں لعل و گہر کی آبرو   یادِ رسولِ دوجہاں درد و جگر کی آبرو
ان کا جمالِ ناز ہے ذوقِ نظر کی آبرو   ان کا خیالِ جاں فزا جذب و اثر کی آبرو
صبحِ ازل کی روشنی شامِ ابد کی چاندنی   حسنِ ملیحِ شاہِ دیں شام و سحر کی آبرو
گردِ سفر ہے کہکشاں عرشِ بریں کے میہماں   نقشِ قدم ہیں آپ کے شمس و قمر کی آبرو
مکہ کی فتح بے مثال بے کشت و خوں بااقتتال   اذنِ امان و عفوِ عام فتح و ظفر کی آبرو
ہو میرے حالِ زار پر لطفِ یتیم کی نظر   آپ ہیکے فیض سے خیر و خبر کی آبرو
ان پر درود ہو مدام ان پر سلام صبح و شام   ان کا جمالِ لازوال ہے خشک و تر کی آبرو

ان کی شبیہِ ناز کا فیضی خیالِ جاں فزا
فرحتِ جاں سرورِ دل لطف و نظر کی آبرو

تنویر پھولؔ (امریکہ)

نعتِ پاک

سوزِ دل نے دل میں پیدا ایسا جلوہ کردیا   عکسِ یار اور جذبۂ الفت کو یکجا کردیا
وہ ہوا محوِ تکلم گل کی بارش ہوگئی   کیا ہے وہ سحر البیاں قطرہ کو دریا کردیا
جب ہوا محوِ خرامِ ناز وہ رشکِ بہار   اس کے قدموں نے بیاباں کو حدیقہ کردیا
جامِ جم کی اب ضرورت کچھ نہیں اس قلب کو   ذکرِ حق نے دل کا آئینہ مجلیٰ کردیا
جو مخالف تھے انہیں بھی فیض پہنچاتا رہا   اس شجر نے کاٹنے والوں پہ سایا کردیا
دل میں جو پنہاں تھا ظاہر ہوگیا اس شوخ پر   کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کردیا

گلشنِ ہستی میں یہ نغمہ سرائی پھولؔ کی
یوں کھلا غنچہ کہ اس نے زخم تازہ کردیا

Unfiled Notes Page 4

تنویر اختر رومانی
59,ChunaShahColony
P.O:Mango.Jamshedpur-831012
Mob-7004384853

نعتِ پاک

بنائے دو جہاں اور ابتدا و انتہا تم ہو — قسم اللہ کی لاریب وہ نورِ خدا تم ہو
کلیم اللہ سے تو لن ترانی کہہ دیا رب نے — وہ جس کی شانِ والا میں کہا لفظِ دنیٰ تم ہو
ثنا میں جس کی کنکر بول اٹھے بند مٹھی میں — شجر جس کی شہادت دیں وہ ختم الانبیا تم ہو
عیاں والشمس کے جلوے ہوئے ہیں جس کے عارض سے — وہ جس کی یا نبی والیل ہے زلفِ دوتا تم ہو
چلے آؤ کہ اب تو فاصلہ بس دو کماں کا ہے — بلایا جس کو رب نے یوں وہ محبوبِ خدا تم ہو
وہ جس کے امتی بننے کی خواہش کی ہے نبیوں نے — شہنشاہِ امم بے شک وہ فخرِ انبیا تم ہو
بچایا جس نے کفر و شرک کی لعنت سے ہم سب کو — وہ جس نے درسِ رب کی شانِ وحدت کا دیا تم ہو

فروزاں ہے وہ جس کے پرتوِ تنویر سے جنت
وہ جس کا نام ہر اک برگِ طوبیٰ پر لکھا تم ہو

اکبر چنوری
H.No-1-14-753/1,
NearKausarMasjid.
KaghazBagar-504296(Telegana)

نعتِ پاک

لو نام مصطفےٰ کا نہایت ادب کے ساتھ — تحریر عرش پر ہے محمد بھی رب کے ساتھ
توہین جو کرے گا رسولِ امام کی — اللہ پیش آئے گا غیظ و غضب کے ساتھ
اپنا ہو یا پرایا ہو دشمن کہ دوست ہو — رحمت کا ہے معاملہ ان کا تو سب کے ساتھ
آقا کی سنتوں کو جو اپنائے گا یہاں — پہنچے گا خلد میں بھی وہ شاہِ عرب کے ساتھ
جو بھی درود پڑھتا ہے رب کی عطا سے وہ — پہچانتے ہیں اس کو حسب اور نسب کے ساتھ

دنیا و آخرت میں بھلائی وہ پائے گا
جو زندگی گزارے گا آقا کے ڈھب کے ساتھ

احمد ندیم مورسنڈوی
At/P,O:Morsanda.Via:Korha
Dist:Katihar-854108(Bihar)

نعتِ پاک

میرے لبوں پہ نامِ نبی صبح و شام ہے — سرتاجِ اولیا وہی خیر الانام ہیں
محتاج اور دکھیوں پہ کرتے ہیں وہ کرم — سب کے لیے زمانے میں رحمت بھی عام ہے
کلمہ انہیں کا رہتا ہے میری زبان پر — میری کتابِ دل میں لکھا ان کا نام ہے
ہر لفظ لفظ میں ہے بصیرت کی روشنی — جو ہے کلامِ حق وہی ان کا کلام ہے

جو ان کے نام لیوا ہیں دنیا میں اے ندیم
مخصوص ان کے واسطے کوثر کا جام ہے

مختار راہی
At:Nala Road.Hasanpur
Rourkela-769001(odisha)
Mob-9861030141

نعتِ پاک

بصد خلوص بصد احترام کہہ دینا — صبا حضور سے میرا سلام کہہ دینا
قرارِ دل کو نہ آنکھوں میں نیند رہتی ہے — تڑپتا رہتا ہوں میں صبح و شام کہہ دینا
دعائیں کیجئے غم سے نجات مل جائے — مصیبتوں میں گھرے ہیں غلام کہہ دینا
پکارے جائیں جو ان کے غلام محشر میں — خدارا اس میں ہو میرا بھی نام کہہ دینا
غمِ فراق میں جینا محال ہے آقا — مدینے جانے کا ہو انتظام کہہ دینا

انہیں کی مدح و ثنا کرتے کرتے دم نکلے
اسی میں عمر ہو میری تمام کہہ دینا

Unfiled Notes Page 5



علامہ حضرت سید اولادِ رسول قدسی مصباحی (امریکہ)
سرپرست ادبی محاذ

نعتِ پاک

ان کو سیاح لامکاں کہئے — بے بدل شاہ کن فکاں کہئے
ان کے فیض و کرم کو ہر لمحہ — دو جہاں میں رواں دواں کہئے
بدر و انجم سے بھی کہیں بڑھ کر — گردِ طیبہ کو ضو فشاں کہئے
سوئے عشق نبی جو لے جائے — قرب حق کا اسے نشاں کہئے
دیکھ کر ان کے در کی تابانی — بیچ ہے خلد کا سماں کہئے
دورِ حاضر میں جو ہے حق پہ بنا — فضل کا اس کو آسماں کہئے
فرش تا عرش ذرے ذرے میں — نورِ سرکار ہے عیاں کہئے

قدسی القاب کی ضرورت کیا
ہم کو صرف ان کا مدح خواں کہئے

نعتِ پاک

ایسے ذیشاں ہیں صاحبِ قرآں — روحِ قرآں ہیں صاحبِ قرآں
فرش تا عرش سب ہیں چشم براہ — رب کے مہماں ہیں صاحبِ قرآں
ہے محبت ہی ان کی نورِ نجات — اصلِ ایماں ہیں صاحبِ قرآں
ہر مسافر کے ہیں وہی منزل — دل کے ارماں ہیں صاحبِ قرآں
ان کی رحمت کے سائے میں ہے جہاں — غم کے درماں ہیں صاحبِ قرآں
وہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا کہیں — خلق کی جاں ہیں صاحبِ قرآں
ان سے توحید ہوگئی واضح — رب کا عرفاں ہیں صاحبِ قرآں
کیسے کردے کوئی ہمیں پامال — جب نگہباں ہیں صاحبِ قرآں

ہے یہ قدسی خصوصیت ان کی
نورِ رحماں ہیں صاحبِ قرآں

غزل

نمدیدہ اک جلا ہوا جو چراغ تھا — ڈوبے ہوئے گھروں کا وہی ایک داغ تھا
گردن مروڑ دی ہے شفق نے غرور کی — انوار سے فلک پہ سحر کا دماغ تھا
امواج جھک رہی تھیں عقیدت سے روبرو — پھولوں کا تاج پہنے جو ساحل پہ باغ تھا
حملہ کیا تھا برہنہ خنجر سے باد نے — افسردہ شاخِ زخم پہ اک سرخ زاغ تھا
سورج کا تیر لگ گیا دھرتی پہ بہہ گیا — دستِ قمر پہ روشنیوں کا ایاغ تھا
بادل نے کھینچ دی تھیں جو اشکوں کی چادریں — پوشیدہ آسماں پہ ستاروں کا داغ تھا

بڑھتا میں کیسے قدسی قدم پر تھے آبلے
پرچھائیوں کا سامنے گرچہ سراغ تھا

غزل

جامہ کیف و طرب رات کے بستر میں تھا — رقص تاروں کا مگر ڈوبتے منظر میں تھا
چاندنی کے متلاشی تھے سمندر میں مگر — جلوۂ عکسِ قمر کوہ کے پتھر میں تھا
جسمِ مقتول پہ غم خوار لہو کیا پاتے — موجِ زن خون تو قاتل ہی کے خنجر میں تھا
کیسے کرتا میں حوالے ترے اے بادِ بہار — غم کا طوفاں مرے ارماں کے کبوتر میں تھا
چہرۂ گلشنِ دل کش تھا کبیدہ خاطر — اوس کا قطرۂ تابندہ گلِ تر میں تھا
اس کی یادوں کا تھا صحرا میں کھڑا تھا مبہوت — درد وحشت بڑی شدت سے مرے سر میں تھا

آتشِ دہر بجھاتا کوئی آکر کیسے
قدسی مسرور ہر اک آدمی گھر میں تھا

Unfiled Notes Page 6



جناب سید خادمِ رسول عینی
سرپرست ادبی محاذ
مستقل پتہ: خانقاہِ قدوسیہ۔ قدوسی نگر۔ مرزاپور۔ بھدرک (اڈیشا)
Present Address:
Address:FlatNo-103.VishnuApartment.BirlaGate
KURNOOL-518001(A.P)
Mob-9527865833

حمدِ باری تعالیٰ

جامِ وحدت مجھے پلا یارب　جلوۂ جانِ جاں دکھا یارب
ختم ہو جائے ہر بلا یارب　ان کے دربار میں بلا یارب
میں غمِ ذات کو بھلا ہی دوں　کردے میرا تو یوں بھلا یارب
جس سے بجھ جائے آتشِ نفرت　بھیج طیبہ سے وہ ہوا یارب
چرخ نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا　سامنے تیرے جو جھکا یارب
رات تیری نشانیوں میں ایک　اور تجھ سے ہی دن بنا یارب
تیری رحمت غضب پہ غالب ہے　رحم کا کر معاملہ یارب

حشر میں اس کا حشر خوب رہ
ہے یہ عینی کی التجا یارب

نعتِ پاک

دل تار کو یوں صفائی ملی　ہمیں ان کے در تک رسائی ملی
ثنائے شہِ دو جہاں کے لیے　قلم کو مرے روشنائی ملی
فرشتے بھی کرتے ہیں مدحِ نبیؐ　فلک پر بھی محفل سجائی ملی
سلام ان پہ پڑھتے ہیں سارے حروف　درودوں میں مشغول اکائی ملی
حبیبِ خدا سے ملقب ہیں جو　نثار ان پہ ساری خدائی ملی
یہ فیضان ہے شاہِ کونین کا　کلی شعموں سے تنہائی ملی

میں کرتا ہوں عینی نبیؐ کی ثنا
شب و روز کی یہ کمائی ملی

غزل

اس کی حکومتیں رہیں اقلیم کے بغیر　سب جھک رہے تھے سامنے تندیم کے بغیر
معیارِ علم دیکھیے دورِ جدید کا　ملتی ہیں ڈگریاں کسے تعلیم کے بغیر
اب نظم وضبط ان کو کہاں راس آئے گا　ہوتے ہیں کام ملک میں اسکیم کے بغیر
اے ناسمجھ! زمانہ بدل جائے گا اگر　روشن رہے گا دیں مرا ترمیم کے بغیر
شیطاں تھا شرمسار اس انساں کے فعل پر　بے حس تھا وہ گناہ پہ تندیم کے بغیر

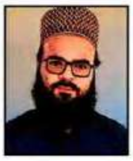
عینی اسے تو دیکھ محبت کی آنکھ سے
اس میں انوکھا حس ہے تعیم کے بغیر

غزل

خشکی میں رہنے والا مجھے تر بتر لگا　خود بحر اس کے سامنے رشکِ نظر لگا
زندہ دلی کے نام سے زندہ تھا وہ مگر　اس کا ہر ایک حال مجھے خستہ تر لگا
مشہور تر تھا کذب بیانی میں وہ بشر　لیکن مجھے وہ آج بڑا معتبر لگا
واویلا اس کے حسنِ وفا کا تھا ہر جگہ　کیا جانے مجھ کو کیوں وہ سراپا ضرر لگا

عینی مجھے تھی فکر زمانے کے ظلم کی
پر خوف ناک آج مجھے اپنا گھر لگا

Unfiled Notes Page 7



حافظ نظام الدین رضوی
سرپرست ادبی محاذ
At Ramdas Majhauli
P.O+PS:Bochahan
Dist:Muzaffarpur-843103(Bihar)
Mob-8229049186

مناجات

ہے نہیں مصطفٰے جدا یارب   وہ تو محبوب ہے ترا یارب
رکھ تو ممتاز مجھ کو دنیا میں   کردے محبوب کا گدا یارب
کر رہے ہیں عدو مرا پیچھا   ان سے مجھ کو بچا سدا یارب
جس کو پی کر قدم مرا سنبھلے   جامِ حق وہ مجھے پلا یارب
میں سکندر بنوں مقدر کا   مجھ پہ ایسی بھی ہو عطا یارب
رائگاں اس کی ہر عبادت ہے   جس سے ہوجائے تو خفا یارب
میری اولاد کو بنا دیندار   راہِ حق پر انھیں چلا یارب
چاند سورج میں نور ہے تیرا   ہو نہ روشن ترے بنا یارب
میرے ماں باپ کی حیات بڑھا   میرے حق میں کریں دعا یارب

خوش فہم ہے ترا نظامؔ بہت
درد کو کہتا ہے دوا یارب

نعتِ پاک

حشر تک یہ نسبت کا سلسلہ نہ ٹوٹے گا   میرا اپنے آقا سے رابطہ نہ ٹوٹے گا
مصطفٰے کے روضے پر حاضری کی نیت سے   قدسیوں کی آمد کا سلسلہ نہ ٹوٹے گا
آپ نے کیا روشن جو چراغ دنیا میں   حشر تک اجالوں کا سلسلہ نہ ٹوٹے گا
گردنِ منافق کو کاٹ کر عمر بولے   کر دیا نبی نے جو فیصلہ نہ ٹوٹے گا
آپ کے وسیلے سے ہم مراد پاتے ہیں   آپ کے وسیلوں کا سلسلہ نہ ٹوٹے گا
جس قدر کرے ہم پر ظلم قوتِ باطل   آپ کے غلاموں کا حوصلہ نہ ٹوٹے گا

صنفِ نعت گوئی سے ہے نظامؔ کو نسبت
نعتِ مصطفٰے کا یہ مشغلہ نہ ٹوٹے گا

غزل

دن مصیبت کا اس طرح ڈھلتا رہا   آسماں روز سورج بدلتا رہا
رب نے موسیٰ کو ایسا دیا تھا عصا   جادوئی سانپ کو وہ نگلتا رہا
صاف شفاف ہے جب ترا دل جناب   پھر قدم تیرا کیسے پھسلتا رہا
وصل کا اک بھی لمحہ نہ مجھ کو ملا   آتشِ ہجر میں یوں میں جلتا رہا
وہ بھی مجھ سے جدا ہو کے مایوس تھا   میں بھی افسوس کا ہاتھ ملتا رہا
پھر بھی منزل محبت کی مل نہ سکی   میں تو امید لے کر ہی چلتا رہا
جس کو اپنا سمجھتا تھا نکلا وہ غیر   میرے بارے میں وہ زہر اگلتا رہا

پھیر لیں اس نے نظروں کو مجھ سے نظامؔ
میری آنکھوں سے آنسو نکلتا رہا

غزل

چاہت ہے پھول کی مجھے الفت ہے باغ سے   بلبل سے ہے غرض نہ تو مطلب ہے زاغ سے
میری دعا بھی ہے خدا سے کہ خدایا   محفوظ رکھنا مجھ کو تو شاطر دماغ سے
سادہ لباس دیکھ کے دھوکہ نہ کھایئے   محفوظ کوئی بھی نہیں عصیاں کے داغ سے
کیا کیا وہ بات کرتا ہے میرے خلاف میں   سب کچھ مجھے خبر ہے مکمل سراغ سے

سنتا تھا اے نظامؔ مگر آج سچ ہوا
"اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"

Unfiled Notes Page 8

جنابِ تنویر پھول۔ نیویارک (امریکہ)
سرپرست ادبی محاذ
Mob-+1(518)221-7060



حمدِ باری تعالیٰ

وہ ہے جبّار اور قوی بے شک سامنے اس کے سب کی قوت ہیچ
عظمتِ ذوالجلال کے آگے ساری مخلوق کی عبادت ہیچ
نام اس کا ودود و رحماں ہے اپنے بندوں پہ اس کی ہے شفقت
مائیں ستر بھی کم ہیں الفت میں سامنے اس کے ہر محبت ہیچ
جو عزازیل تھا بنا شیطاں اس کو بہکایا نفس نے اس کے
نفسِ امارہ ہے بڑا دشمن اس کے آگے ہے ہر شرارت ہیچ
وہ غفور الرحیم ہے بے شک بخش دیتا ہے سب خطاؤں کو
اس نے لا تقنطو ہے فرمایا اس کے آگے گنہ کا پربت ہیچ
لوگ ایسے بھی اس جہاں میں ہیں جن کے دل میں ہے جذبۂ ایثار
دوسروں کی مدد جو کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں اپنی حاجت ہیچ
رب سے بندوں کا ایسا رشتہ ہے جس میں حائل نہیں کوئی پردہ
وہ ہے شہ رگ سے بھی قریں بے شک جس کے آگے ہر ایک قربت ہیچ
بو لہب گرچہ تھا چچا شہ کا آئی اس کی برائی قرآں میں
پھولؔ اللہ نے ہے فرمایا بد عمل کی ہر ایک نسبت ہیچ

نعتِ پاک

باغ کے سارے گل مسکرانے لگے
نغمہ صلی علیٰ کا سنانے لگے
جو سنا مژدۂ آمدِ مصطفےٰ
طائرانِ چمن چہچہانے لگے
ہوگیا سرد فارس کا آتش کدہ
اور شیاطین سب منہ چھپانے لگے
عبد معبود کا رابطہ ہوگیا
دیکھ جبریل بھی آنے جانے لگے
جامِ کوثر کا جب تذکرہ سن لیا
"میکشوں کے قدم ڈگمگانے لگے"
روضۂ پاک پر جوں ہی حاضر ہوئے
ان کو سب زخمِ دل ہم دکھانے لگے
کرسکا تو نہ مدحت کا حق کچھ ادا
پھولؔ ہیں گرچہ تجھ کو زمانے لگے

غزل

جسے دل نے سمجھا کہ تسکینِ جاں تھا — اسی کو مرا ساتھ بارِ گراں تھا
ہوئی ہم کو محسوس خالق کی قربت — جہاں بھی گئے ہم وہاں آسماں تھا
گلہ اس میں طوفان و بارش کا کیا ہے — ترا شاخِ نازک پہ ہی آشیاں تھا
نظر اس کی محدود وُسعت سے عاری — وہ دیوانہ محصورِ کوئے بتاں تھا
وہ مخمور نظریں وہ پرکیف منظر — "بغل میں صنم تھا خدا مہرباں تھا"
خدا نے دیا عزم و ہمت کا جذبہ — ہمیں ہر قدم پر ملا امتحاں تھا

یہ ہے پھولؔ دستِ خزاں کا تشدد
بیاباں جو ہے وہ کبھی گلستاں تھا

غزل

الٰہی مجھ کو عطا کر وہ طاقتِ پرواز — کروں جہان کو حیراں بہ شوکتِ پرواز
خدا سے ملنے گئے شب میں صاحبِ معراج — ملی براق کو رب سے تھی سرعتِ پرواز
رونقوں میں ہے یہ مور پہلے اڑتا تھا — سزا میں چھن گئی اس سے قوتِ پرواز
ملا ہے جذبہ اسے دور دور اڑنے کا — پرِ عقاب میں موجود وسعتِ پرواز
لیے نگاہ میں عزمِ جواں اڑا اونچا — بلند ہو کے وہ پائے سکینتِ پرواز

خدا کا شکر ہے اس نے ہے دی بہر لمحہ
سخن کے چرخ پہ پائے پھولؔ رفعتِ پرواز

Unfiled Notes Page 9



محاذِ اول

سید نفیس دسنوی
Plot No:1481/B,Sector-6.C.D.A
Bidanasi.Cuttack-753014(Odisha)
Mob-9437067585

ترجمہ نگاری: لسانی رابطے کا خوبصورت فن

ترجمہ نگاری کا فن ایک ایسے دریچے کی مانند ہے جس سے دیگر زبان وادب کی گہرائیوں میں جھانکنے کا موقع ملتا ہے اور دوسری تہذیب وتمدن سے شناسائی بھی ہوتی ہے۔ اس سے مختلف قوموں کے درمیان رابطے کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں۔ بقول ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی ''چراغ سے چراغ جلتا ہے'' یہ مقولہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر صادق آتا ہے چنانچہ ابتدائے آفرینش سے اب تک انسانی سماج نے جو ترقی کی ہے وہ اپنے ارضی خطوں میں محدود رہ کر نہیں کی بلکہ ایک خطے کے لوگوں کے طرز زندگی، رہن سہن، لباس، ادب، تہذیب، عقائد اور نظریات کے اثرات دوسرے خطے والوں نے قبول کیے ہیں۔ اور اسی لین دین نے آج مختلف خطوں اور ملکوں کے لوگوں کو اپنی انفرادیت رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب تر لانے کی کوشش کی ہے۔ خصوصاً علوم اور سائنس کے شعبوں میں اس عمل کا زیادہ دخل رہا ہے۔ آج یوروپ اور ایشیا نے سائنس کے میدان میں جو ترقی کی ہے وہ ترقی ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کا نتیجہ ہے اور یہی کیفیت لسانیات اور ادبیات میں نظر آتی ہے۔ مختلف زبانوں کے ادبیات اور علوم وفنون کے جواہر پارے تراجم کے ذریعے

ایک زبان سے دوسری زبان تک پہنچے۔ اور مختلف قوموں کے علوم وفنون ایک دوسرے سے مستفید ہوئے۔ اور ان کے اثرات سے نہ صرف علم وادب، طب وحکمت، تاریخ وفلسفہ، مذہب وسیاست، طبعیات وفلکیات، علوم وفنون، سائنس اور ٹیکنالوجی کو فروغ حاصل ہوا بلکہ تہذیب وتمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسانی شعور کو بھی تقویت پہنچی۔ خصوصاً زبانوں کی ترقی میں تراجم نے بڑا کردار ادا کیا ہے۔

نثر سے نثر کا ترجمہ تو آسان ہے مگر ایک زبان کی شاعری کو دوسری زبان میں منتقل کرنے میں کافی دشواریاں ہیں۔ تخلیقی ادب خصوصاً شاعری ایک وجدانی عمل ہے جس کا ترجمہ اگر غیر وجدانی طریقے سے کیا جائے تو وہ بے رس اور بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔ شاعری تو درحقیقت انسانی جذبات کا پرتو (Reflection) ہوتی ہے۔ اور ان جذبات کا ترجمہ میکانیکی انداز میں نہیں کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر جانسن کا یہ دعویٰ بڑی حد تک حقیقت

پسندانہ ہے کہ شاعری کا پورا پورا یعنی سو فیصد ترجمہ ہو نہیں سکتا۔ معیاری شاعری میں نظریے کی معنویت اور جمالیات کی فنکارانہ آمیزش ایک مخصوص وجدانی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ اور ترجمہ کے دوران تھوڑا سا عدم توازن بھی شعریت کی روح کو مجروح کرسکتا ہے۔ شاعری کا ترجمہ نثر کے ترجمہ کے مقابلے میں زیادہ مشکل اور نازک فن ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ شعر کلام موزوں ہے اور نثر کلام ناموزوں یعنی شاعری اور نثر نگاری میں بنیادی فرق (BasicDifference) لَے اور آہنگ یعنی ردم (Rhythem) کا ہے۔ قاری یا سامع سب سے پہلے شعر کی موزونیت، لَے اور آہنگ سے ہی متاثر ہوتا ہے۔ بعد از آں اسے شعر کی موضوعاتی، جذباتی اور جمالیاتی خصوصیات متوجہ کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ترجمہ نگاری کے دوران شاعری کی روح کو دوسری زبان میں پورا پورا نہیں ڈھالا جاسکتا۔ اس کے برعکس ان مراحل سے گزرے بغیر نثر کی موضوعاتی، معنوی اور جمالیاتی کیفیت تک ترجمہ نگاری میں کسی حد تک رسائی ممکن ہے۔ ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ شاعری میں ابہام اور تہہ داری کی خصوصیات شامل ہوتی ہیں جبکہ نثر میں اکہرا پن ہوتا ہے۔

عام طور پر ترجمہ نگاری کے جو بنیادی طریقے رائج ہیں ان میں پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ ہر لفظ کے نیچے اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ اس طریقۂ کار کو ''ترجمہ تحت اللفظ'' کہا جاتا ہے۔ جبکہ دوسرے طریقے میں پوری عبارت کو پڑھنے اور اس پر غور وفکر کرنے کے بعد ہی عبارت کے مفہوم کو رعایتِ لفظی کے لحاظ سے بامحاورہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس طریقۂ کار کو ''بیان حاصل المعنیٰ'' کہا جاتا ہے۔ اور یہ طریقہ ترجمانی زیادہ مقبول اور کارآمد ہے۔ لفظی ترجمے سے حتی

Unfiled Notes Page 10

الامکان گریز کرنا چاہئے۔اگر لفظی ترجمہ کریں تو جملہ مضحکہ خیز ہو جائے گا۔ مثلاً انگریزی کا ایک مقولہ ہے (It is rainnigCats and Dogs) اس کا لفظی ترجمہ ہوگا ''بلی اور کتوں کی بارش ہورہی ہے'' مگر بامحاورہ کا ترجمہ ہوگا موسلا دھار بارش ہورہی ہے۔عبارت میں تسلسل اور روانی قائم رکھنے کے لئے اصل عبارت کو جہاں تک ممکن ہو سکے آسان اردو زبان میں پیش کرنا چاہئے۔ایک اچھا اور کامیاب ترجمہ نگار ترجمے کو تخلیقیت کا درجہ عطا کر دیتا ہے۔منظوم ترجموں میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ مفہوم کا بھی ادا ہونا ترجمہ نگار کی کامیابی کی دلیل ہے۔

اردو میں ترجمہ نگاری کے تین مراکز ابھرے ہیں۔مشرق میں فورٹ ولیم، جنوب میں حیدرآباد میں عثمانیہ یونیورسٹی اور شمال میں متفرق ادارے خاص کر راجستھان کی سابق ریاستیں فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد اردو ترجمہ نگاری کے باب میں اہمیت کے حامل ہیں۔ترجمہ نگاری کا باقاعدہ سلسلہ ۱۸۵۵ء سے شروع ہوا۔سب سے پہلے انجیل مقدس کا ترجمہ اردو میں شائع ہوا۔ انیسویں صدی کے آغاز میں فورٹ ولیم کے تراجم کا بڑا ذخیرہ داستانوں کی تخلیق ہے۔باغ و بہار اور فسانۂ عجائب جیسی داستانیں وہاں معرضِ وجود میں آئیں۔

اسی طرح اٹھارویں صدی میں راجستھان کے مختلف ادبی مراکز میں عربی، فارسی اور دیگر زبانوں کے ترجموں کا سلسلہ جاری رہا۔راجستھان سابق راجپوتانہ میں ۱۸۵۷ء کے بعد لکھنو اور دیگر مقامات سے اربابِ علم وادب کی تواتر سے آمد اور سکونت کے سبب وہاں علم وادب کے چھوٹے بڑے گہوارے بنتے گئے۔جن میں ریاست جے پور، جودھ پور، ٹونک، جھالور اور اجمیر کمشنری اہم مراکز ثابت ہوئے۔راجستھان میں اردو تراجم اور تحقیق کے موضوع پر سب سے پہلے مولوی عبدالحق نے ''جائزہ زبانِ اردو'' مرتب کر کے ۱۹۴۰ء میں ''انجمن ترقی اردو'' کے توسط سے شائع کرایا جس میں راجستھان کی قدیم دیسی ریاستوں میں اردو کی صورت حال کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔فورٹ ولیم کالج کے بعد راجستھان ہی کو ترجمہ نگاری کا دوسرا بڑا مرکز سمجھا جاتا ہے ۔جہاں عربی زبان کی کئی کتابیں، فارسی کی ۵۹ کتابیں اور انگریزی کی ۲۳ کتابوں کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ بہت ساری سنسکرت اور ہندی کتابوں کو اردو میں منتقل کیا جا چکا ہے۔

روئے زمین پر علم و ہنر اور تہذیب و تمدن کی جھیلیں اور جزائر تو بہت ہیں مگر انہیں ملا کر ہموار اور سطح سمندر میں تبدیل کرنے والا فنکار ترجمہ نگار ہی ہوتا ہے۔گویا ترجمہ نگاری کا فن علم و ہنر، تہذیب و تمدن کے گراں مایہ خزانے تک پہنچنے میں ''کھل جا سم سم'' کا درجہ رکھتا ہے۔

☆☆☆

Unfiled Notes Page 11

گوشۂ احباب

(مراسلہ نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں)

☆خادمِ رسول عینی (کرنول۔آندھرا پردیش)

ادبی محاذ کا تازہ شمارہ برائے جنوری تا مارچ 2025 نظر نواز ہوا۔ الحمدللہ۔سارے مشمولات پسند آئے۔فیضی سمبلو پوری کی غیر مردف نعت ''آپ کے در کے بھکاری صاحبان تخت و تاج'' بہت ہی مرصع و حزین ہے۔غزل کے باب میں سلیم انصاری، عزیز بلگامی، ڈاکٹر نذیر فتح پوری، ڈاکٹر بدر محمدی، شارق عدیل، شفیق رائے پوری، ڈاکٹر خلیل صدیقی قاضی، عبدالسلام کوثر کی غزلیں بہت پسندیدہ ہیں۔

فن و شخصیت کے باب میں قطب سرشار کا مقالہ 'اعمانِ عزیز اللہ شیرانی'' بہت ہی معلوماتی اور لطف اندوز ہے۔شفیق رائے پوری کا مقالہ ''بلگام کا شاعر اور تنقید نگار: عزیز بلگامی'' بھی خوب ہے۔یقیناً عزیز بلگامی مشترکہ غزل کے موجد ہیں اور دورِ حاضر کے منفرد شاعر، قلم کار، نقاد اور مفکرِ اسلام ہیں۔عبد المتین جامی کا مضمون ''اظہر نیر کی شعری جہات'' بہت ہی دل نشیں ہے۔عبدالحق بیتاب کی شاعری پر مطیع اللہ نازش کی تحریر بہت ہی دل کش ہے جس میں تحریکِ رومانیت پر عمدہ بحث کی گئی ہے۔بیتاب کے یہ اشعار بہت پسند آئے:

پیشِ نظر رکھا جو ترے خد و خال کو
موزوں غزل کے تازہ کچھ اشعار ہو گئے
ہوئی ذہن میں جب سے بارود شامل
غزل نے بھی بیتاب بندوق اٹھالی

ڈاکٹر زاہد کی غزل ایک عمدہ کاوش ہے۔نہ، وجہ، کہ کو درست وزن پر باندھا نہیں گیا ہے اور سہارے، کنارے کا مصرعہ درست نہیں ہے۔ڈاکٹر مسعود جعفری کی غزل کے مقطع میں ''تری'' اور ''کرلیں'' کے استعمال کے سبب شتر گربہ در آیا ہے۔ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی نے ایک شعر میں ''شمع'' کو بروزن فعلن باندھا ہے جب کہ یہ فاع کے وزن پر درست ہے۔

میری کتابیں ''شام و سحر'' اور ''اجالوں کے شجر'' کی رسم اجرا کی رپورٹ شائع کرنے کا بہت بہت شکریہ۔

☆☆☆

ادب پیما

معروف شاعر خادمِ رسول عینی کو علامہ اقبال ایوارڈ دینے کا اعلان

جناب انور ہادی جنیدی، صدر نشیں امیر النساء ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر فاؤنڈیشن، کڈپہ نے صحافتی اعلامیہ جاری کرتے ہوئے بتایا کہ ہر سال کی طرح اس سال بھی فاؤنڈیشن نے سالِ گزشتہ (جنوری تا دسمبر ۲۰۲۴ء) کے دوران شائع شدہ مطبوعات پر مختلف زمروں میں ایوارڈ کے لیے مصنفین، شعرا، مرتبین سے کتابیں داخل کرنے کی گزارش کی تھی۔موصولہ تمام کتابوں کے جائزہ کے بعد انعامی کمیٹی کے ذمہ داران نے مندرجہ ذیل کتابوں کو یوارڈ برائے سال ۲۰۲۴ء کے لیے منتخب کیا ہے۔گورمنٹ کالج برائے ڈگور (خود مختار ادارہ) کڈپہ کے شعبۂ اردو میں منعقدہ خصوصی اجلاس میں شعبۂ اردو، شعبۂ تواریخ، شعبۂ اقتصادیات کے اساتذہ ڈاکٹر سید وصی اللہ بختیاری، ڈاکٹر اقبال خسرو قادری، جناب غیاث شارب، جناب ریڈی باشا کے علاوہ معروف ادیب، محقق اور ناقد ڈاکٹر ظہیر دانش عمری نے شرکت کی۔فاؤنڈیشن کے مشیر محترم ڈاکٹر قبال خسرو قادری نے انعام یافتگان کی فہرست جاری کی۔صدر نشیں انور ہادی جنیدی نے فاؤنڈیشن کی جانب سے انعام یافتگان کی خدمت میں مبارکباد پیش کی، انعامات کی تقسیم کا اعلان جلد ہی کیا جانے والا ہے۔

مختلف شعبوں میں عمدہ کارکردگی کے اعتراف میں مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ کے مستحق حضرات کی فہرست:

۱۔ڈاکٹر محمد یاسین گنائی۔(پلوامہ جموں و کشمیر)
۲۔جاوید اختر علی آبادی۔لکھنؤ ۳۔ڈاکٹر نثار احمد ڈار (پلوامہ جموں و کشمیر)
۴۔جناب شہاب اختر خاں (اورنگ آباد، مہاراشٹر) ۵۔ڈاکٹر ارشد سیانوی (میرٹھ)
۶۔ڈاکٹر ندیم احمد (چنئی) ۷۔محفوظ الرحمٰن عادل (مؤ ناتھ بھنجن) ۸۔ڈاکٹر پی محمد داؤد محسن (داؤد نگر، کرناٹک) ۹۔ڈاکٹر سراج احمد قادی، مدیر (سنت کبیر نگر)
۱۰۔رخشندہ رشید (سری نگر کشمیر) ۱۱۔ڈاکٹر مبارک لون (جموں و کشمیر)
۱۲۔سید خادم رسول عینی (کرنول، آندھرا پردیش)

☆☆☆

Unfiled Notes Page 12

فن وشخصیت

ڈاکٹر علی عباس امید
Qalamkar House
Bright Colony IdgahHills
Bhopal-462001(MP)

میں اور میرا فن

پچھلے دنوں میرے انگریزی شعری مجموعہ سپرے (Spray) کی تقریب رونمائی کو میڈیا نے خاصی اہمیت دی اور تحریر وتصویر کے ذریعہ انگنت لوگوں کو اس میں شامل کرلیا ۔چنانچہ مسلسل جانے انجانے علم دوستوں کے فون، میسج اور خطوط کی نوازش جاری رہی ۔اسی کڑی میں وہ اعزازی جلسہ بھی تھا جو لائنس کلب نے منعقد کیا ۔اسے میں اس لیے اہم مانتا ہوں کیوں کہ وہاں لوگوں نے انگریزی شاعری سے زیادہ اردو شاعری پر گفتگو کی اور جس موضوع میں خصوصی دلچسپی لی وہ رہا میرا مجموعہ "میں اور میرا فن"۔

ایسے مواقع ہمیشہ مجھے الجھن میں ڈال دیتے ہیں کیوں کہ اپنے اور فن کے درمیان میں آج تک کوئی خط کھینچ ہی نہیں سکا ہوں ۔میرے لیے یہ ممکن بھی نہیں ہے ،کیوں کہ ابتدا سے میں نے جو کچھ دیکھا، جیسا محسوس کیا اور جس طرح جیا اسی کا اظہار مختلف زبانوں خصوصاً اردو اور اس کی مختلف اصناف بالخصوص شاعری میں کرتا رہا ہوں ۔چونکہ اردو میری مادری زبان ہے ،اردو کی تہذیب میرے خمیر میں ہے لہٰذا اظہار کی زبان کوئی بھی ہو مگر تخلیق پر اردو کے گہرے اثرات لازمی ہیں ۔اس کو میں اپنی شناخت بھی مانتا ہوں۔

موضوع پر کچھ کہنے سے قبل میں واضح کرتا چلوں کہ تخلیق کو تمغہ بنانے کی بے شعوری یا وقتی اعزازات کی چمک میرے مزاج کو کبھی راس نہ آئی ۔بھیڑ کے ساتھ چلنے اور اگلے ہوئے نوالے نگلنے سے مجھ کو ہمیشہ پرہیز رہا ۔ستائش کی تمنا اور صلے کے پرواہ سے بے نیازی کو میں نے اپنا شعار بنایا ۔شاید اسی لیے اپنے فن کے ساتھ پورا انصاف بھی کرسکا۔

یہاں یہ اعتراف بھی مناسب ہوگا کہ ترقی پسندی کے دور حکومت میں میری آنکھیں کھلیں ،پھر جدیدیت کی بغاوت کا منظران کا نصیب بنا اور مابعد جدیدیت ان کے روبرو رہا ۔ہر چند کہ میں ان میں کسی سے کبھی بے نیاز نہیں رہا مگر کبھی مجھ پر کوئی جنونی کیفیت بھی طاری نہیں ہوئی ،اس کی وجہ یہ ہے کہ قدروں
کے ٹوٹنے ،روایات کی پامالی ،اسالیب کی نفی ،لہجہ کی تبدیلی ،زبان کے مسلسل بدلاؤ ان سب کے بعد بھی یہ اعتماد ہمیشہ میرے ساتھ رہا کہ چونکہ سات آسمان رات دن گردش میں ہیں لہٰذا تبدیلی ناگزیر ہے ۔ایک کے بعد دوسرا منظر آتا

لازمی ہے لیکن جس مرکز پر سماج ہے اس کا وجود بہر حال قائم رہے گا ۔گھبراہٹ ،خوف یا عجلت میں توازن کو کو ہاتھ سے نہ جانے دینا حال اور مستقبل دونوں کے لیے مفید ہے ۔کسی تحریک اور کسی لیبل کے زیر اثر جنم لینے والی تخلیقات کی عمریں بہت تھوڑی ہوتی ہیں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے میرے لیے میں اور فن کے بیچ کسی طرح کا فرق کر پانا یوں ممکن نہیں ہے کہ میں تخلیق کو ایک ایسا ذہنی عمل مانتا ہوں جس کی خود اپنی صداقت ہے ۔ایک ایسا فعل ہے جو داخلی اور خارجی فصیلوں کو توڑ دیتا ہے ۔میرے نزدیک تمام انسانی تجربات اہم ہیں بس شرط اتنی ہے کہ ان میں انسان کو غیر اہم نہ قرار دیا گیا ہو ۔میں نے جو قدریں وضع کی ہیں ان میں عقل اور جذبات دونوں کی آمیزش ہے اس لیے کہ یہی انسانی برتری کے معیار ہیں

سیاہ رات کے آنگن میں سوچتا ہوں میں
فلک کے شہر سے سورج کا کیا بنا ہوگا

میرے اس شعر کے حوالے سے ڈاکٹر راہی معصوم رضا صاحب نے لکھا تھا "یہ سورج وہ استعارہ ہے جسے ترقی پسندوں نے آزادی کے لیے استعمال کیا تھا ۔یہ سیاہ رات وہ استعارہ ہے جو غلامی کا اظہار کرتی ہے ۔اگر ان دونوں کے تاریخی استعمال کو آگے بڑھا کر اس شعر کو پڑھا جائے تو پتہ چلے گا یہ شب گزیدہ سحر سے آگے کی بات ہے"،ان کی یہ رائے میرے لیے حوصلہ افزا رہی۔

میرا ایمان ہے کہ اگر پہلے سے ادب کا وجود نہ ہو تو کسی بھی شاعر کے لیے کچھ لکھنا ممکن نہیں ہے ۔ ہمارا جو فن پارہ ہے دراصل پچھلے پر ایک اضافہ ہے کوئی بھی چیز مجرد طور پر اور یکسر نہیں ہوتی اس لیے کہ ہر خیال کا ضمیر کہیں نہ کہیں سے مستعار ہوتا ہے ۔ثقافت ،زبان اور ادبی روایات کا فکر پہ اثر انداز ہونا ناگزیر ہے ۔میں نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں ،جس ثقافت کی انگلی تھام کے آگے بڑھا اور جن صالح ادبی روایات نے میری فکر کو جلا بخشی ان سے علیحدہ میرا وجود کچھ بھی نہیں ہے ۔میرا اپنا ایک مخصوص زاویۂ فکر ضرور ہے ۔اس میں نہ تو کسی ازم کو دخل ہے اور نہ کسی وقتی تحریک سے متاثر ہوتا ہے ۔اس کی تعمیر مکمل طور پر میرے اپنے تجربات اور احساسات سے ہوتی ہے۔

خواجہ احمد عباس صاحب نے میرے فن کے بارے میں لکھا ہے کہ "سورج دراصل ایک استعارہ نہیں ہے بلکہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے ،زندگی کا مظہر اور

Unfiled Notes Page 13

منبع ہے اور زندگی کا سرمایہ ہے۔ یہ شاعری کا عرفان ہے۔ یہ سوشلزم کی سوچ ہے یہی انسانیت کی سوجھ بوجھ ہے"۔ ظاہر ہے کہ اس تحریر نے مجھے طمانیت کے احساس سے سرشار کیا۔

میں نے کبھی بھی اضافہ کے لیے شعر نہیں کہے، جو کہے ان کے سلسلہ میں بھی "ایں دفتر پارینہ ...." کی روایت کو آگے بڑھایا۔ یہ حقیقت ہے کہ میرے سامعین، قارئین اور ناقدین ہر سہ نے میرے تخلیقی عمل کے نتائج کو بھرپور Response دیا اور یہی وہ قوت ہے جو مجھ کو خوب سے خوب تر کی راہوں پر گامزن کرتی ہے اور مجھے سفر میں رکھتی ہے۔

ہمارے زمانے کا یہ المیہ ہے کہ ہر چند کہ اس کی آنکھوں میں چمک ہے مگر اس کے پیچھے مایوسی، محرومی اور خوف کا گہرا اندھیرا پر تول رہا ہے۔ انگنت صدیوں میں پروان چڑھنے والی اجتماعیت مسلسل زوال پذیر ہے۔ سوچ کی دوڑ بس ذات تک محدود ہے۔ یہ سب میری نظر میں ہیں، تخلیق کا ان سے متاثر ہونا لازم ہے مگر چونکہ مایوسی میری فطرت نہیں ہے اس لیے ہر آنے والے پل سے پر امید رہتا ہوں۔ میں نہ تو خواب دیکھنے والوں میں ہوں اور نہ ہی ہیجان پیدا کرنے والوں میں ہوں۔ چونکانے والی اور مترنم شاعری کا منکر بھی نہیں ہوں مگر اس کی حیات مختصر کا قائل ہوں۔ سچائی یہ ہے کہ زندگی صرف حقیقی شاعری کو ملتی ہے، اور حقیقی شاعری کا خمیر تجربہ، واردات، ادراک، طرز احساس مطالعہ اور زبان کے فنکارانہ استعمال سے تیار ہوتا ہے۔ دراصل اسی حقیقت کے مکمل احساس نے مجھے شناخت بخشی ہے۔ نصف صدی پہلے میں نے کہا تھا۔

میں بھی بندہ ہی تھا خدا کی قسم۔ یہ الگ ہے کہ برگزیدہ نہ رہا

یہاں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ میری شاعری میں ہمیشہ "میں" کی حیثیت جمع متکلم کی رہی ہے لہٰذا اگر اسے واحد متکلم سمجھا گیا تو ترسیل مکمل نہ ہو پائے گی۔ ویسے واردات شعری تو خود ہی "میں" کو ہم میں تبدیل کر دیتی ہے۔

۱۹۸۳ء میں ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا "ان کی شاعری کا مرکزی کردار سورج ہے، یہ کردار بیک وقت دائرے کا نقطہ بھی اور روشنی پھیلانے پر معمور بھی گویا سورج دائرے کے حصار میں محبوس رہنے کے باوجود ہمہ وقت اس حصار کو عبور کر کے چاروں طرف پھیل جانے کی آرزو سے سرشار بھی ہے۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ امید نے چالیس کے مقدس سن کو چھونے سے قبل ہی روشنی کی اس کارکردگی کا عرفان کیسے حاصل کر لیا!! مگر دنیائے ادب میں قبل بلوغت کی مثالیں ناپید نہیں ہیں"۔ انہوں نے میراجی اور ٹالسٹائی کے ناموں کی نشاندہی بھی کی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ خیال میرے نظریات، میرے فن کی بہتر توثیق کرتا ہے۔ میرے شعری مجموعہ "لب گویا" کی آخری نظم کا عنوان ہے علی عباس امید۔ یہ میری آج کی گفتگو پر دال ہے۔ ملاحظہ ہوں اس کے چند مصرعے۔

میں ان راہوں کا مسافر ہوں، جن پر منزل کبھی نہیں آتی

چلتے رہنا میرا مقدر ہے اور سفر کی گرد میری ہم سفر ہے
نس نس سے روشنی نچوڑ کر ان راہوں کو اجالا بخشنا میرا مشغلہ ہے
لفظوں کی آنچ پر احساس کو سینکنا
اور پھر وقت جو میرا کاغذ ہے
اس پر اپنے عہد کے اور آنے والے زمانے کے
تمام انسانوں کے لیے
اپنے معصوم خوابوں کے منشور تحریر کرنا ہی میری زندگی ہے

سفر نوید منزل بھی ہے، سفر بہر حال سفر ہی ہے۔ وقت کی طرح اسے بھی ٹھہراؤ نہیں لہٰذا اس کو فراموش کرنا یا غیر اہم سمجھنا ہر اعتبار سے غیر دانشمندانہ ہے۔ میں نے ہمیشہ ہی کوشش کی ہے کہ میری آواز کی حدود میں آنے والے اس سچائی کو ذہن میں رکھیں کہ اسی میں فرد اور سماج کی بہتری ہے۔ میرا یہ اصرار رہا ہے۔

کھڑکیاں ہی کھول لیں گر بند دروازہ رہے
آتے جاتے موسموں کا کچھ تو اندازہ رہے

شری کرشن رائے ہرولق نے ایک جگہ لکھا ہے "امید صاحب نے اپنے عہد کی ٹریجڈی (Tragedy) کو گہرا رنگ دینے کی کوشش نہ کر کے سورج، اس کی حرارت اور اسکے تعمیری ظرف میں پورا اعتبار ظاہر کر کے اپنے لفظوں کو سیاہ کوٹھری میں بند نہیں کیا بلکہ ان کی سیاہی کو سنہری روپہلی رنگ برنگی کرنوں سے پرنور کیا ہے۔ ایسی ہی امید صاحب سے امید بھی کی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ سورج کا نمائندہ جو ٹھہرا"۔ مجھے اپنی کم سوادی کا پورا احساس ہے۔ جب بھی اپنی تخلیقات کا جائزہ لیتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ ابھی ایک آنچ کی کسر رہ گئی ہے۔ چنانچہ پھر نئے سرے سے سرگرداں ہو جاتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہی تشنگی مجھ کو زندگی کی نئی جہتوں سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ دیتی ہے اور میرے فن کو مجھ سے مزید ہم آہنگ کرتی ہے۔ نوبل انعام یافتہ ادیبہ نادین گارڈیمر کا خیال ہے کہ "ہم نے کئی طریقوں سے یہ جان لیا ہے کہ موجودہ دور انسانی لغویت کی انتہا کا دور ہے جس میں سارے معانی چرا لیے گئے ہیں"۔

میں اس سچائی کا منکر نہیں ہوں پھر بھی اتنا مایوس نہیں۔ اس سلسلے میں ایک مطلع، ایک شعر اور ایک مطلع پر اس گفتگو کو تمام کرنا چاہوں گا۔

لمحہ لمحہ مجھ کو مارا ہے مگر زندہ ہوں میں
زندگی تیری قسم تجھ سے تو شرمندہ ہوں میں
میری آنکھوں میں ہے شیشہ اور پتھر ہاتھ میں
یہ صدی میری ہے اور اس کا نمائندہ ہوں میں
نصب ہوگا خیمۂ شب پشتِ فردا میں امید
میں نوید صبح لاؤں گا کہ آئندہ ہوں میں

☆☆☆

Unfiled Notes Page 14

ڈاکٹر غلام ربانی ایاز
EAC Colony
Behind the court
Raipur(CG)

ڈاکٹر شمیم ہاشمی کا مجموعۂ غزلیات ''ٹوٹتے پتوں کا دکھ'' پر تنقیدی نظر

شاعر شمیم ہاشمی کا اصلی نام سید محمد شمیم الدین ہے۔ ان کی تاریخ ولادت ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء ہے۔ انہوں نے پی ایچ ڈی بھی کی ہے۔ سہسرام بہار میں پیدا ہوئے ہیں اور جناب ابر احسنی اگنوری سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اب تک پانچ کتابیں لکھ چکے ہیں اور پانچ کتابیں زیر طبع ہیں۔ موجودہ مجموعۂ کلام ''ٹوٹتے پتوں کا دکھ'' پر نظر ڈالیں تو شاعر کی ہندی زبان کے تئیں جانب داری کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کو ٹھیٹ ہندوستانی ہونے پر فخر ہے۔ اس کتاب میں نہ صرف شاعر کی مقبول غزلیں ہیں بلکہ مشاہیر ادب کے تاثرات کا بھنڈار بھی موجود ہے، جنہوں نے گہرائی میں جا کر کلام کو کسوٹی پر کس کر اپنے خیالات پیش کیے ہیں۔

مثال کے طور پر شمس الرحمن فاروقی کے مطابق ڈاکٹر شمیم ہاشمی کے یہاں علم اور خدا شناسی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ پروفیسر محمد حسن کی رائے میں ان کی غزلوں کی تازہ کاری، خونِ جگر کی رنگ آمیزی ان کے کلام کو نئی اور نمایاں آب وتاب بخشتی ہے۔ ڈاکٹر سید امین اشرف کہتے ہیں کہ شمیم ہاشمی کی زبان شاداب اور تر و تازہ ہے۔ ان کا سوز و گداز کا اظہار رنج و ملال کو حدت بخش بناتا ہے۔ ان کا لب ولہجہ انوکھا، خوش نما اور خوب تر ہے۔ پروفیسر قمر رئیس کے مطابق شاعر کا غنائی لب ولہجہ سادہ ہے لیکن بے تکلف انداز بیان شاعری میں جان ڈالتا ہے۔ ڈاکٹر رئیس نعمانی کہتے ہیں کہ شروع سے آخر تک پر معنی اشعار پر نظر مرکوز ہوتی ہے۔ اس سے ہر حال میں زندہ رہنے کی خواہش جاگتی ہے۔ ظہیر غازی پوری اس بات سے محظوظ ہوتے ہیں کہ شمیم ہاشمی کے لفظوں کے پھول فکر کی خوشبو بکھیرتے ہیں۔ پروفیسر نادم بلخی کے مطابق شمیم ہاشمی کو حق و باطل کا احساس ہے، ان کے نئے تیور کو غزل کی باریکیوں کی خاصی سمجھ ہے۔ پروفیسر طلحہ رضوی برق کہتے ہیں کہ شمیم ہاشمی کی شگفتہ زبان و بیان اور ہندی لفظوں کا خسروانہ انداز بڑا دلکش ہے۔ پروفیسر حسین الحق کے مطابق ''ٹوٹتے پتوں کا دکھ'' میں قنوطیت نہیں رجائیت ہے۔ کرشن کمار طور نے بھی شاعر کے منفی بلکہ مثبت انداز کو سراہا ہے۔ مناظر عاشق ہرگانوی کے مطابق شمیم ہاشمی کی شاعری معنی یابی کی گہر تلاشتی ہے۔ نامی انصاری کہتے ہیں کہ شمیم ہاشمی کا نیا طرز احساس قابل توجہ ہے۔ بقول اقبال انصاری ''شاعر نے دور حاضر کو بڑی شدت سے محسوس کیا ہے۔ حضرت مولانا صادق ضیائی سہسرامی نے کہا ہے کہ شاعر کے کلام کی سادگی، روانی، نغمگی، حسن بیانی خوب تر ہے۔ سید شاہ تقی الدین احمد نے کہا ہے کہ شمیم ہاشمی کی شاعری قدیم اور جدید اسلوب کا سنگم ہے۔ شمیم قاسمی کے مطابق شاعر نے اپنی ذات اور شعری کائنات کا روشن شناخت نامہ مرتب کیا ہے۔ ڈاکٹر عین تابش کے مطابق موصوف کی شاعری ایک بیدار ذہن کی شاعری ہے۔ سید عبیداللہ ہاشمی کے مطابق شمیم ہاشمی داغ اسکول کے استاد شاعر ابر احسنی گنوری کے شاگرد رشید ہونے کے ناطے پامال راستوں سے گریزاں ہو کر اپنی الگ راہ متعین کرنا ان کی شاعری کا وصف خاص ہے۔ ڈاکٹر امین رہبر بجا فرماتے ہیں کہ اردو فارسی کے ساتھ ساتھ موصوف ہندی الفاظ کا برمحل استعمال کرنے پر قادر ہیں۔ ڈاکٹر مبین الدین قریشی نے واضح کہ کیا ہے کہ شمیم ہاشمی کی شاعری میں اسلامی تصوف کے عناصر حد درجہ پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال حسین نے اس بات پر زور دیا ہے کہ شمیم ہاشمی نے طرز ادا و اسلوب کی ندرت اور جدت کی وجہ سے اپنی الگ راہ بنائی ہے، جس میں جمالیاتی پیکر تراشی کی مثال بدرجہ اتم موجود ہے۔

مذکورہ بالا مشاہیر ادب کے تاثرات کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد قاری کو اپنی رائے پیش کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ وہ اپنی رائے رکھے۔ تاہم میں نے اس کتاب کی تقریباً بیانوے غزلوں کی چھان بین کر کے اپنی رائے قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کارنمایاں کی کامیابی کا اندازہ تو اس مضمون کے بغور مطالعہ کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔

اگر ہم اس غزلیات کے مجموعہ کے مرکزی خیال پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ شاعر کا ذاتی غم عالمی غم میں تبدیل ہو گیا ہے۔ شاعر کی آپ بیتی جگ بیتی لگتی ہے۔ شاعر نے غزل کو اپنی گرفت میں رکھ کر غزل کا شاعر ہونے کا معقول ثبوت دیا ہے۔ موصوف کو زبان و بیان کی تخلیقی پیش کش میں ملکہ حاصل ہے الفاظ کی حرمت کو برقرار رکھنے میں موصوف بڑے محتاط اور اعتدال پسند ہیں۔

Unfiled Notes Page 15

مزے کی بات یہ ہے کہ شاعر کے چند اہم خیالات بار بار سامنے آتے ہیں۔مثلاً نیند، یاد، صحرا، دکھ، غزل، شعر و شاعری وغیرہ کی کثرت بہت زیادہ ہے۔علاوہ ازیں شاعر نے اپنی بات کو زور دینے کے لیے ایک ہی لفظ کو دوبارہ دہرایا ہے جیسے کہ نس نس، لمحہ لمحہ، بال بال، زخم زخم، دور دور، نفس نفس، قدم قدم، موڑ موڑ، اک اک، سمٹا سمٹا، آدمی آدمی، بات بات، چاک چاک، ساتھ ساتھ، شہر شہر، گاؤں گاؤں، سہی سہی، چپ چپ، سمٹا سمٹا، پیچھے پیچھے، گھٹ گھٹ، سوکھا سوکھا، کالی کالی، نکھرا نکھرا، سویا سویا، سونا سونا، اپنی اپنی، اداس اداس، چیخ چیخ وغیرہ۔شاعری کی نمایاں صفات مثلاً تشبیہ، استعارہ، تضاد وغیرہ کا برمحل استعمال کر کے شاعر نے اپنے کلام میں چار چاند لگائے ہیں۔ہندی کے بہت سارے الفاظ اور محاورے کے صحیح استعمال نے اشعار کے حسن میں مزید اضافہ کیا ہے۔کہنا نہ ہوگا کہ اچھا شعر اپنی کیفیت خود طاری کرتا ہے۔سخن آرائی کے لیے نئے نئے زیورات زیب تن کرنے سے شاعری منزل عروج تک پہنچ جاتی ہے۔

یقیناً شاعرِ موصوف کو شعری لوازمات کے استعمال میں ملکہ حاصل ہے۔اس کی رعایت اور پابندی کرتے ہوئے وہ عمدہ اشعار کہتے ہیں۔اور فصاحت و بلاغت کا حسن پیدا کرتے ہیں۔فنِ شاعری کے صنعات کا مناسب طریق سے استفادہ حاصل کرتے ہیں اور شاعری کو سرخرو کرتے ہیں۔جو کیفیت خود محسوس کرتے ہیں وہی کیفیت بیان کرتے ہیں۔ان کے صوفیانہ اشعار صرف رسمی اور روایتی نہ ہو کر ذاتی مشاہدات اور تجربات پر مبنی ہیں۔کتاب کے عنوان پر کہا گیا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں۔

کیسے سمجھاؤں میں ان ٹوٹتے چنوں کا دکھ
جسم میں جن کے ہوا نشتر لگا کر سو گئی

شاعر نے انگریزی الفاظ کا استعمال بخوبی کیا ہے۔

رفتہ رفتہ زندگی خود بھی ادھوری ہو گئی
میری اپنی شخصیت جب فائلوں میں کھو گئی
شدت سے یاد آتی رہی مجھ کو اے شمیم۔پچھلے برس کی بات کلنڈر کو دیکھ کے
رونے سے حادثہ ٹلتا ہے ٹرین کا۔ہو حادثے کا خوف تو زنجیر کھینچ لے

تشبیہات کا نمونہ دیکھیں۔

ممکن ہے ان کی لب پہ ٹکا سا جواب ہو۔پھر بھی نہ ہچکچائے ہم اپنے سوال میں
یہ اور بات، اسے آپ سمجھ نہ سکے۔ہماری بات کا مطلب تو صاف سا ہے جناب
اگلا سا وہ خلوص کہاں ان کی بات میں۔ہاں بے رخی ضرور ہے کچھ التفات میں

تلمیحات کا نمونہ بھی کم نہیں ہے۔

سوکھی زبان پیاس کی شدت سے جل گئی
موجیں تڑپ کے رہ گئیں نہرِ فرات میں
کربلا اپنا مقدر ہے سراسر لے لو۔میرا کنبہ بھی شہیدوں کا گھرانا ہے

مراعات النظیر یا رعایتِ لفظی کا استعمال بھی بڑا شاندار ہے۔

امتحاں راز ترقی، کامرانی امتحاں۔یہ اگر سچ ہے تو لو گو امتحاں دکھ ہی تو ہے
پھول کا دل، کلی کی تمنا، مری دعا۔کام آئے زنگ بن کے تمہارے جمال میں

غزلیات کی فہرست سے استعارات کی شان دیکھیں:۔یاد کی نشتر جو تنہائی پھیلا کر گئی، شگفتگی کی کرن ذہن میں اترنے لگی، تشنگی کی باہوں میں زیست مسکرانے لگی، گرتا رہا خرد کا مکاں ٹوٹ پھوٹ کر، موت زندگی کو جب بازوؤں میں کستی ہے۔اس میں بے جان چیز میں بھی جان ڈالی گئی ہے۔محاوروں کا برمحل استعمال بھی دیکھیں:۔ناز خوب اٹھائے ہیں ہم نے زیست کے لوگو،، کچھ اور کھو سکوں مرے دل میں نہیں ہے تاب،، اے دوست سبز باغ نہ اب تو دکھا مجھے،، کس واسطے ہے کام سے پہلے ہی پیش و پس،، تکمیل پا ہی جائے گا پہلے کمر تو کس،، لے جانے والے لوٹ کے سب کچھ چلے گئے،، ہم سوچتے ہی رہ گئے کالا ہے دال میں۔

شاعر نے شاعری پر بھی رائے زنی یوں کی ہے۔

بے سبب سر کھپانے سے کیا فائدہ۔فکر و فن چاہیے شاعری کے لیے
دل اگر پگھلے تو اشعار میں ڈھلنے دو شمیم۔اس کو آنکھوں سے نہ بے وجہ بہایا جائے
بکھرے ہوئے خیال کی پژمردگی شمیم۔سلجھے ہوئے شعور کو الجھا گئی تو کیا
تیرا وجود ہی نہ سنگ اٹھا اے شمیم۔اپنی غزل میں سوز کا اتنا نہ گھول رس
جس بات پہ سب اہلِ سخن جھوم رہے ہیں۔ممکن ہے شمیم آپ کی وہ شیریں سخن ہو
جب چاہا وہ لکھوں جو ہے مرے خیال میں۔معنی الجھ کے رہ گئے لفظوں کے جال میں
لغاتِ عقل لیے ڈھونڈتی رہی دنیا۔تمہارے لفظ معانی سے لاجواب رہی
خوب غزل لکھی ہے تم نے بے شک آج شمیم
اس کے اک اک شعر میں آیا چھیلا آہنگ

شاعر امن پسند اور انسان دوست ہے، وہ نہیں چاہتا کہ بے سبب خوں خرابہ ہو۔

بنام امن ہمیشہ چلی ہیں تلواریں۔بنام صلح یہاں قتل و خون برپا ہے
اس طرف سیکڑوں تلوار، ادھر ایک شمیم۔فتح کا جشن کدھر ہوگا یہ نہیں معلوم
کوئی دیوانہ کسی دیوانے سے لڑتا نہیں۔کاش فرزانے بھی چل پڑتے شمیم اس راہ پر
ہر طرف قتل و خوں، لوٹ غارت گری۔زندگی چیخ اٹھی آدمی آدمی
نفاق بانٹ رہے ہیں بنام حسن سلوک
ہوں مندروں کے برہمن کہ مسجدوں کے امام

میری نظر میں "ٹوٹتے چنوں کا دکھ" ظاہر کرنے والے ہمدرد شاعر ڈاکٹر شمیم ہاشمی دکھ درد کے شاعر ہیں۔انہیں ایک ایسے تریاق کی تلاش ہے جو بیتاب تڑپتی زندگی کو موت سے پہلے زہرِ غم سے نجات دے سکے۔خضر و مسیحا سے ملاقات کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ان اشعار کو دیکھیں۔

من کے اوچھے من کے چوکھے کب یکساں ہوتے ہیں شمیم
وہ اوروں کو دکھ دیتے ہیں، یہ ہیں آپ سراپا درد
اور بھی چیزیں گننے کی ہیں، اور بھی غم ہیں سہنے کے
لوگوں کے دکھ گن لیتے، کیوں تارے گن کر کاٹی رات

Unfiled Notes Page 16

میرے دروازے پر دستک کس کی ہے۔ دیکھو کوئی دکھ آیا ہے، آنے دو

ویسے تو شاعر اور اس کی شاعری پر لکھنے کو بہت کچھ ہے لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے صرف اس کی ایک جھلک دکھلا کر اکتفا کرنا پڑ رہا ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ موصوف کی شاعری میں چند الفاظ علامات کے طور پر بار بار وارد ہوئے ہیں جیسے کہ نیند، صحرا، یاد، دکھ وغیرہ پھر بھی شاعر زندگی کے الجھنوں کو سلجھانے میں حیران و پریشان نظر آتا ہے۔ تبھی تو زندگی کے بارے میں جو رائے قائم کرتا ہے اس میں تضاد پایا جاتا ہے مثلاً دیکھیں۔

مسئلے زیست کے سلجھا الجھے۔ زندگی گزری معمے کی طرح

اجنبی حرف و معنی کا مجلا تو نہیں ۔زندگی ایک حقیقت ہے معمہ تو نہیں

شاعر نے اپنی اردو شاعری میں ہندی لفظیات کا استعمال اس چابک دستی سے کیا ہے کہ یہ کہنا مشکل ہوگا کہ ڈاکٹر شمیم ہاشمی اردو کے شاعر ہیں یا ہندی کے۔ دراصل انہیں ہندوستانی زبان کا شاعر کہنا زیادہ اچھا ہوگا۔ جس طرح روح کو قالب سے الگ کرنا مشکل ہے اسی طرح ہندی کو اردو سے الگ کرنا بھی محال ہے ۔شاعر نے ہندی اور اردو کے بارے میں اپنی رائے اس شعر میں دے دی ہے۔

جب بھی اردو کو وہ ہندی سے الگ کردیں گے
نقش ہندی کا نظر آئے گا نقشِ برآب

☆☆☆



منیر ارمان نسیمی
1173,SadduColony.
JharpadaMuslimBasti
Bhubaneswar-751006
Odisha

ایک غزل

میں نے تو اپنے بغض کو دل میں جو تھا جھٹک دیا
تو ہی بتا کہ کیوں مرا دستِ وفا جھٹک دیا
کھا رہا ہے ڈر ہمیں دھرتی کے خداؤں کا
ہم نے اپنے دل سے جب خوفِ خدا جھٹک دیا
میرے خلاف سازشیں کرنے لگا ہے جب سے وہ
میں نے بھی دل سے پونچھ کر حرفِ وفا جھٹک دیا
آج ہر اصول کو بھلایا اپنے بیٹوں نے
دختروں نے جذبۂ شرم و حیا جھٹک دیا
مجھ پہ ارماں ہوگیا رحمتوں کا سائباں
میں نے بصد خلوص جب عزمِ خطا جھٹک دیا

Unfiled Notes Page 17

خلیق الزماں نصرت
861/ 203, Zeenat Aprtment.
Opp.Salahuddin Ayyubi School,
BHIWANDI
Mob: 9923257606

علامہ اقبالؒ نے آنے والے کل کے لئے جو کچھ کہا سچ کہا

قبالؒ نے شاعری کو جزویست از پیغمبری کہہ کر جو فلسفیانہ حقیقت بیانی کا رُخ دیا ہے اس نے ان کی پوری شاعری کو غیر معمولی شاعری بنادیا ہے۔ فلسفہ کے ساتھ ساتھ فکر و فن کا ساتھ ہو جائے تو وہ عظیم شاعری جنم لیتی ہے جو زبان و مکان کی حدود و قیود سے آزاد، آفاقی، غیر فانی شاعری ہو جاتی ہے اور شاعر چاہے باقی نہ رہے مگر اس کی صداؤں کی بازگشت صدیوں پر محیط ہوتی ہے۔

علامہ اقبالؒ ایک عظیم فنکار اور ایک مسلمہ فلسفی تھے۔ ان کی شاعری میں اپنے عصر کی چیخ بھی موجود ہے۔ ماضی کا کرب بھی ہے اور مستقبل کی ایسی پیشن گوئیاں بھی ہیں، جو فکرِ اقبال کا منطقی نتیجہ ہیں۔ اقبال اپنے دور کی تاریخ، ادب اقتصادیات، سیاسیات، قانون اور فلسفہ کو اچھی طرح جانتے تھے وہ ان فنون میں خلاقانہ عبور رکھتے تھے عصری فلسفہ میں ان کا مقام و مرتبہ بہت ممتاز تھا اس کا اعتراف آج کے فلاسفر بھی کرتے ہیں۔ اقبالؒ نے اپنی فکر کی اساس فلسفۂ خودی پر رکھی ہے، اور فلسفۂ خودی ان کے یہاں عرفانِ نفس یا عرفانِ ذات کی حیثیت سے موجود ہے۔ انہوں نے فلسفہ کو صرف شاعرانہ تخیل نہیں بنایا ہے، بلکہ اس کے ذریعے ایک مستقل نظام فکر و عمل کی تشکیل کی ہے، اور اس معاشرے کی پیشن گوئی کی ہے جو فلسفۂ خودی کی صداقت پر استوار کیا جاسکتا ہے۔ ان تمام فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے جو صدیوں سے انسان کی خودی کو زنگ آلود کرتے چلے آئے ہیں یا اسے کچلتے اور روندتے رہے ہیں۔ اقبالؒ نے ان پر زبردست تنقید کرتے ہوئے واشگاف لفظوں میں کہا ہے

کھول کر آنکھیں مرے
آئینہ امروز میں
آنے والے دور کی دھندلی
سی ایک تصویر دیکھ

اقبالؒ ایک عبقری، نابغہ یا جینئس شاعر تھے، انہوں نے شاعری برائے شاعری نہیں کی بلکہ شاعری کو پیغمبری کے درجے تک پہنچا دیا۔ وہ دانائے راز تھے، مشرق و مغرب کے قدیم و عصری فلسفوں پر ان کو ناقدانہ عبور تھا۔ وہ مغرب کے فلسفوں پر تنقید ضرور کرتے تھے، لیکن ان کی تردید نہیں کرتے تھے، وہ مشرقی فلسفوں کے بارے میں نرم گوشہ ضرور رکھتے تھے لیکن ہمہ پہلو اس کو قبول بھی نہیں کرتے تھے۔ ان کی شاعری جہاں جذبات میں ارتعاش پیدا کرتی تھی تو وہیں حرکت و عمل پر آمادہ بھی کرتی تھی۔ ان کی شاعری میں تحریکیت تھی۔ حالات جو موجود ہیں اس کو بدل کر اس میں صحت مند انقلاب لانے کیلئے انہوں نے اپنی فارسی، اردو کی شاعری، اردو اور انگریزی کے خطبات میں جو کچھ لکھا ہے وہ غیر فانی سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کا شمار دنیا کے بڑے فلاسفہ میں ہوتا ہے۔

انہوں نے جب مغرب اور مشرق کے فلسفوں کا تقابلی مطالعہ کیا اور ان کو اپنی فکرِ قرآنی کی اساس پر جانچا پرکھا تو ان کا یقین قرآن اور اس کے فلسفے پر اور گہرا ہو گیا۔ جہاں جہاں مغربی فلسفے اور قرآنی فلسفے میں بعد اور دوری بلکہ مغائرت ملی انہوں نے کھل کر اس فلسفے پر تنقید کی اور مغربی تہذیب کو "دوں نہاد" تہذیب کا نام دیا اور اس کے بارے میں کھل کر پیشن گوئی کی۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دوکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہوگا

حالات و مشاہدات اور اُن سے متفرع ہونے والے تجربات جتنے تلخ اور انسانیت سوز تھے کہ ان کو دیکھ کر علامہ نے مغربی افکار و نظریات پر وہ ضرب کلیمی لگائی کہ ان کو تقریباً پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ مغرب کے نظریات کے زہریلے نتائج کو دیکھ کر انہوں نے برملا کہا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا

مغربی تہذیب و ثقافت کی خونچکالی کے بارے میں علامہ اقبالؒ دانندۂ اسرار تھے۔ انہوں نے بالِ جبرئیل میں اس پر تنقید کر کے واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ

شفق نہیں مغربی افق پر یہ جوئے خوں ہے یہ جوئے خوں ہے
طلوعِ فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہیں فسانہ
وہ فکرِ گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو

Unfiled Notes Page 18

اس کی بے تاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

غالباً ۱۹۰۷ء میں کہے گئے ان اشعار میں انہوں نے مغرب کی بے خدا، بلکہ خدا بیزار تہذیب و معاشرے کے بارے میں جو کچھ کہا تھا آج مغربی تہذیب و معاشرت کی شکست و ریخت ٹوٹ اور بکھراؤ سے وہ پیشن گوئی حرف بہ حرف راست سامنے آ رہی ہے، وہ تہذیب جو خدا پرستی کی بجائے خدا سے بغاوت اور مادیت کی بنیاد پر استوار کی گئی تھی اس کا حشر آج دنیا چشم سر سے دیکھ رہی ہے۔ یہ کائنات، یہ آفاق کی کارگہ شیشہ گری کسی ایسے فلسفے اور نظریے کی بنیاد پر چلائی نہیں جاسکتی جس کے بارے میں شیشہ گر سے ہدایت نہ لی گئی ہو، خدا کی بستی تجارتی نہیں، نہ انبوہ تاجراں ہے۔ اسے تو اسی کے اصولوں پر چلایا جانا ممکن ہے جو اس کا خالق۔ مالک اور حکمراں ہے۔ خدا کی یہ بستی خدا کے بتائے ہوئے اصولوں پر ٹھیک ٹھیک چلائی جاسکتی ہے۔ بے خدائی تہذیب کی ظاہری چمک دمک چاہے جتنی زیادہ نگاہوں کو خیرہ کرنے والی ہو لیکن اقبالؒ کی نظر میں اس کی حیثیت کیا ہے یہ ذیل کے اشعار میں دیکھئے۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے، چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

مغرب کے فلسفے پر اس سے بہتر تنقید اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ ""جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے" ان اشعار کے پس منظر میں اقبال عالم انسانیت کو آگاہ کرتے ہیں کہ روحانیت اور خدائی بنیاد پر استوار تہذیبی محل کو چھوڑ کر مغرب کے مادہ پرستانہ اور بے خدا ایوانوں میں سرگرداں مت ہونا کیونکہ

وہ فکر گستاخ، جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اُسی کی بے تاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

یہ جدید مغربی افکار و نظریات ہی نہیں، تہذیب و معاشرت کے بارے میں ایک اور حکیمانہ پیشن گوئی ہے جو ناقابل تردید سچ بن کر سامنے آ گئی ہے۔ مغربی اجتماعیات کے ماہرین آج مغرب میں اجڑے ہوئے خاندانی نظام کے بارے میں سخت تشویش میں مبتلا ہیں۔ آزادانہ اختلاط اور بے قید و بے محابا میل جول نے مغرب میں نہایت دردناک مسائل پیدا کر دیے ہیں۔

ان کی نظر فرد کی انفرادی تعمیر و تربیت کے بغیر اجتماع، حکومت اور سلطنت کی تعمیر مشکل ہے اس لئے فرد کی خودی کو جب تک اتنی استوار اور صیقل نہ کر لیا جائے کہ

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اور شہنشائیت، جمہوریت اور اشتراکیت، ان تینوں میں وہ بنیادی خامی موجود ہے جن کی وجہ سے ان کا تباہ و نیست ہونا یقینی ہے، وہ نظامہائے حیات جو خدا کی بغاوت پر قائم ہوں، ان کی حیثیت یقیناً شاخ نازک پر بنے ہوئے آشیانوں کی سی ہے۔ اقبالؔ نے شہنشائیت کی بے بال و پری کو خود دیکھا تھا اور جمہوریت کے بارے میں کہا تھا۔

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
و سمجھتا ہے کہ آزادی کی ہے نیلم پری

☆

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

شہنشائیت، اپنے تمام جاہ و جلال اور دولت کی فراوانی کے باوجود اپنی مطلق العنانیت کے سبب اور جمہوریت اپنی اصطلاحوں الیکشن، ممبری، کونسل، وزارت اور صدارت کی پرفریب اصطلاحوں سے جس طرح گمراہ کر رہی ہے اور چند چالاک، خوشحال اور موقع شناس لوگ جس طرح اس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر عوام کا استحصال کرتے ہیں اس کے پیش نظر اقبال نے اس کے بارے میں صاف صاف کہہ دیا ہے کہ دراصل یہ قفس ہے جسے آشیاں بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تو سراب ہے سراب۔

اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ! اے ناداں! قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

یہ جمہوریت کا وہ فرد جرم تھا آج جس میں جمہوریت پوری طرح ملوث ہو چکی ہے۔ دنیا کے تمام جمہوری ممالک کو دیکھ جائیے، کوئی ملک ایسا نہیں ملے گا جس کے ہاتھ انسانی شرف و مجد کو لہولہان کرتے ہوئے نہیں پائے جائیں گے۔ ویتنام، فلسطین، بوسنیا کہاں کہاں جمہوری ظلم و ستم نہیں ٹوٹ رہا ہے، دنیا کے جمہوری ممالک کے سربراہوں کے اسکینڈلوں سے دنیا پریشان ہو چکی ہے۔ واٹر گیٹ، بوفورس، ہرشد مہتا اسکینڈل وغیرہ وغیرہ۔

کرسٹن کیلر جیسی کال گرل کا اسکینڈل تمام جمہوری نظام کی چولوں کے ڈھیلے پن کی علامت بن چکے ہیں۔ کیا چند چالاک اور موقع شناس لیڈر وہی سب کچھ نہیں کر رہے ہیں جو شہنشاہوں اور سرمایہ داروں نے کئے تھے۔ اقبالؔ نے ابلیس کی مجلس شوریٰ میں جمہوریت، ملوکیت اور اشتراکیت تینوں عصری نظریات پر تنقید کی ہے اور محکوم قوموں اور مسلمانوں میں ابھرنے والی بیداری کے بارے میں پیشن گوئی کی ہے۔

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

اس کے علاوہ محکوم قوموں میں استحصالی قوتوں کے خلاف باغیانہ جذبوں کی فراوانی کے بارے میں جو کمزوری کے باوجود نمایاں ہونے لگے ہیں۔ اقبالؔ نے اس طرح پیشن گوئی کی ہے

Unfiled Notes Page 19

سفینہ برگِ گل بنالے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش، مگر یہ دریا کے پار ہوگا
میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری، نفس میرا شعلہ بار ہوگا

اقبال کی بصیرت کی یہ وہ انتہا ہے کہ آج ہم ساری دنیا میں یہاں تک کہ خود اشتراکی روس میں بھی استحصالی طاقتوں کے خلاف ہونے والی بغاوت کو چشم سر سے دیکھ رہے ہیں، اور ایران، افغانستان، الجیریا، مصر، ترکی وغیرہ میں اسلامی بیداری نشاۃ ثانیہ کے جو آثار نمایاں ہونے لگے ہیں اس سے مثلیث زادے اشتراکیت گزیدہ اور اصنام پرست نظریات کے علمبردار سب خوفزدہ ہیں۔ اقبال نے ابلیس کی زبان سے اس کو کہلوا کر ایک طرح سے آج کے دور کی یہ عظیم پیشن گوئی کردی تھی ۔

ہے اگر مجھ کو کوئی خطرہ تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے، اب تک شرارِ آرزو

ایران، افغانستان، الجیریا، اسرائیل میں فلسطین کے مجاہدین کی تگ ودتاز، روس میں خانہ جنگی، سب اسی شرار آرزو کی نمود ہے، جس کا ڈر شیطان کو تھا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اقبالؔ کا فلسفیانہ ذہن، دنیا کے لیے نئے نظام کے فلسفیانہ جواز کی بشارت دیتا ہے، جو نہایت والہانہ انداز میں دیتا ہے ۔

من دریں خاکِ کہن گوہرِ جاں می بینم
چشم ہر ذرہ، چو انجم نگراں می بینم
دانہ راکہ بآغوشِ زمیں ست ہنوز
شاخ در شاخ برو مندو جواں می بینم
کوہ را مثلِ پرکاہ سبک می یا بم
پر کا ہے صفت کوہ گراں می بینم
انقلابے کہ نگنجد بہ ضمیرِ افلاک
بینم و ہیچ ندانم کہ چساں می بینم
خرم آں کس کے دریں گرد سوارے بیند
جو ہر نغمہ زلر زیدنِ تارے بیند

مجھے وہ انقلاب آتا ہوا نظر آرہا ہے جو ضمیر افلاک میں بھی نہیں تھا۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جو بلند ہوتی ہوئی دھول میں آنے والے سوار کو پہچان لے، اور تاروں کی لرزش میں جو سازش ہورہی ہے اس سے نغمے کا جوہر پہچان لے۔ یہ نظم غالبؔ کے شعر پر ختم ہوئی ہے۔

مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و خورشید نشانم دادند

مجھے اندھیری رات میں صبح کا مژدہ سنایا گیا ہے اور شمع بجھا کر سورج کی بشارت دی گئی ہے۔

اسلام نے ایک خدا، ایک انسان، ایک کتاب، ایک نظام کا جو نظریہ پیش کیا ہے دُنیا کے تمام نظریات آج اس کے سامنے ہیچ ثابت ہورہے ہیں، اور دنیا بڑی تیزی سے اس کی طرف قدم زن ہورہی ہے۔ اقبال نے جو پیشین گوئی کی تھی وہ حرف بہ حرف حقیقت عریاں بن کر سامنے آتی چلی جارہی ہیں۔ اقبالؔ نے کہا تھا کہ مسلمان بیدار ہوگا تو دنیا جاگ اٹھے گی۔ پوری دنیا میں بیداری کے سوتے پھوٹ پڑیں گے

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہوجائے گی
آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بزمِ گل کی ہم نفس بادِ صبا ہوجائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہوجائے گی
نالۂ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور،
خونِ گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہوجائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی

اڈوانی، امریکہ، اسرائیل آج اسلامی بیداری، اسلامی بنیاد پرستی کے خلاف جو سر جوڑ کر بیٹھے ہوئے ہیں اور کھلے لفظوں میں کہنے لگے ہیں کہ ان کو دہشت گردی سے نہیں اسلامی بنیاد پرستی سے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ اسی بات کو اقبال نے نالۂ صیاد سے تعبیر کیا ہے۔ خون گلچیں سے کلی کے رنگین قبا ہوجانے کا مرحلہ ابھی کچھ دور ہے۔ لیکن اسلامی بیدار کا سیل سبک اس راستے پر مڑ چکا ہے۔ اسی طرح کلامِ اقبال میں کی گئی کتنی ہی پیشن گوئیاں آج حقیقت بن کر سامنے آرہی ہیں۔

☆☆☆

Unfiled Notes Page 20

مجیب الرحمٰن
At:Firdos Nagar
P.O:Madaidih
Topchandi
Dhanbad-828402(Jharkhand)

سہ ماہی ''ادبی محاذ'' کا گوشۂ ڈاکٹر شمیم ہاشمی میری نظر میں

اردو زبان کی تاریخ ہمیشہ اتار چڑھاؤ سے عبارت ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ اردو کی تاریخ بھی نئی کروٹ لیتی رہی لیکن اس کے محافظوں اور خادمین کی بے لوث خدمات اور ہمہ جہت کوششوں سے اردو ہر عہد میں اپنی روشنی پھیلاتی رہی اور عوام وخواص کی زبان سے اپنے شگوفے نکالتی رہی۔ تحفظات کے مختلف طریقے اپنائے گئے، مورر ین اپنی زبان سے، مصنفین تصنیف وتالیف سے، مضمون نگار اپنی مضمون نگاری سے، کہانی کار اپنی کہانیوں سے، شعراء اپنے کلام سے گویا اہلِ قلم کا وجود بڑھتا گیا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ دوسری طرف مختلف اداروں سے جریدے اور شمارے نکلتے رہے جس میں اہلِ ادب اور اہلِ سخن کی تخلیقات ذائع ہوتی رہیں اور یہ ایک محفوظ قلعہ ہے جس کا محاصرہ ہر دور میں جاری رہا لیکن پاسبان اردو تن من دھن کی بازی لگا کر اردو کے اس قلعے کو محفوظ رکھا۔

انہیں شماروں میں سے ایک شہر کٹک اڈیشا سے نکلنے والا سہ ماہی ''ادبی محاذ'' ہے جو پوری آب وتاب کے ساتھ زندہ وجاوید ہے۔ اور اردو کی ترویج وترقی میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔

سہ ماہی شمارہ ''ادبی محاذ'' کے مدیر محترم سعید رحمانی صاحب مجھے پابندی سے بھیجتے رہے ہیں لیکن بروقت ڈاکیہ کے مجھ تک تاخیر کی وجہ سے شمارہ پہنچتا جو میرے لئے بڑی محرومی کی بات ہے۔

فی الوقت میرے ہاتھ میں ''ادبی محاذ'' کا گوشۂ شمیم ہاشمی ہے جس کو حرف حرف پڑھا۔ تمام لوگوں کی تحریریں اور کلام پڑھ کر یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ میز پر جتنے بھی شمارے آتے ہیں ادب کے نام پر لیکن ان تمام شماروں میں ادبی محاذ کا ایک الگ مقام ہے۔ اس شمارہ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں جن شعراء ادباء کا انتخاب ہوتا ہے وہ صحیح معنوں میں اردوداں اور زبان آشنا ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایسے کہنہ مشق ادیبوں اور شعراء کی تخلیقات اس شمارے کو باوقار اور معیاری بناتی ہیں ورنہ آئے دن مختلف شمارے شائع ہوتے ہیں جس میں معیار کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے غیر موزوں اور اثر انداز نہیں ہوتا ہے۔ نتیجتاً اہلِ ادب کی نگاہوں اور میز سے وہ شمارے غائب ہو جاتے ہیں۔

اس شمارے کا آغاز تقدیس وکبریائی شان رسالت میں نذرانہ جو کسی بھی تحریک کے لیے عقیدت سے ہوتا ہے، کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے۔ عبدالمجید فیضی، اختر رانچوی، اظہر نیر صاحبان کی حمدیہ نعتیہ شاعری کے لیے انہیں مبارک باد۔

بعدہٗ شمارہ میں شارق عدیل، مصداق اعظمی، تنویر پھول نے اپنے قطعات اور کلام سے معاشرہ کی فلاح بہبود کے لیے راہنما اصول مرتب کیے اور ادبی محاذ نے اس کی اشاعت کر کے معاشرہ کے تئیں اپنا اور رول کو اجاگر کیا ہے۔

''تحقیق اور اس کا بنیادی مقصد'' سید نفیس دسنوی کی تحریر ادب کے کئے دروازے وا کرتی ہے۔ تحقیق فن کیوں ضروری ہے اور اس کا طریقۂ کار پر بڑی اچھی اور صاف ستھری زبان میں بحث کی ہے، جس کے لیے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

گوشۂ احباب....... جس میں مختلف ادیبوں کے تبصرے شامل ہیں۔ سبھوں نے کھل کر شمارہ کے وقار اور معیار کو اجاگر کیا ہے، خامیوں اور کوتاہیوں کی بھی نشاندہی کی ہے جو شمارہ کے لیے نیک فال ہے۔

ادبی محاذ کے مدیر اعلیٰ محترم سعید رحمانی صاحب نے شمیم ہاشمی صاحب کا تعارف اس انداز سے کیا ہے کہ ڈاکٹر شمیم ہاشمی صاحب کی فن کاری اور ان کی شخصیت کے ہشت پہلو نمایاں ہو گئے ہیں۔ ہر ترازو میں تول کر مکمل اعتدال کے ساتھ شخصیت پرستی سے اوپر اٹھ کر تعارف پیش کرنا مدیر محترم سعید رحمانی کی مبالغہ آرائی اور تصنعات سے پاکی کی دہائی دیتے ہیں۔

ڈاکٹر شمیم ہاشمی کا مجموعہ غزلیات ''ٹوٹتے پتوں کا دکھ'' پر تنقیدی نظر، ڈاکٹر غلام ربانی ایاز کی تحریر بہت جامع ہے، جنہوں نے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور بھرپور جائزہ لیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ نتیجہ خیز جملوں سے اپنی بات کو مستحکم کیا ہے جس کے لیے انہیں مبارک باد۔

اس شمارہ کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں ادب اطفال کے تعلق سے بھی ایک تحریر شامل ہے۔ اس دور میں بلکہ کسی بھی عہد ادب اطفال کے ادیبوں کو

Unfiled Notes Page 21

وہ اہمیت نہیں دی گئی جس کے وہ مستحق تھے اور نہ ہی ان کو حق المقدور سراہا گیا۔ چہ جائیکہ ادب اطفال کاوشوں میں کئی بڑے نامور شخصیات ہیں اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ بچوں کے لیے لکھنا ان کے لیے تخلیق کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ بچہ ابھی زندگی کے ابتدائی مراحل میں ہے اس کو کیسے تیار کرنا ہے، ذہن سازی کیسے ہو یہ ہر ادیب اطفال کے لیے ایک بڑا چیلنج ہوتا ہے۔ محسن باعث حسرت صاحب نے ادب اطفال کے مایۂ ناز ادیب عبدالرحیم نشتر کی شخصیت کو اجاگر کیا۔ ادب اطفال میں ان کی کارناموں کی سراہنا کی، کہیں کہیں شخصیت پرستی سے اوپر اٹھ کر تنقید بھی کی جو ایک باعث فخر بات ہے۔ یہ صحیح الفکر ادیب کی پہچان ہے کہ ادبی محاذ نے اس کو جگہ دی اور ادب اطفال کی ٹمٹماتی لو کو جلا بخشا۔

اس شمارہ میں کئی بڑے ادیبوں کی تخلیقات ہیں۔ فرداً فرداً سب پر دو ہی سطر بھی اگر لکھوں تو مضمون کافی طویل ہو جائے گا۔ جی چاہتا ہے سب کی تخلیقات پر کچھ رقم کروں لیکن طوالت مانع ہے، ایمانداری کی بات یہ ہے کہ سب کو پڑھا اور محظوظ ہوا۔ من جملہ شمارہ ہر پہلو سے جامعیت لیے ہوئے ہے۔ کہنہ مشق ادیبوں کے گلدستہ کی خوشبو ہر ورق بلکہ ہر سطر میں محسوس کی جا سکتی ہے۔

شکرگزار ہوں مدیر اعلیٰ محترم سعید رحمانی صاحب کا کہ جنہوں نے ہر شمارے کے لیے مجھ ناچیز کو یاد فرمایا لیکن میں اپنی نالائقی اور کم مائیگی کی وجہ سے کچھ لکھنے سے قاصر رہا۔ دعا گو ہوں کہ بار الٰہی اس شمارہ کو یوں ہی روشن و تابناک رکھے۔ مدیران و منتظمین کو حوصلہ بخشے اور اردو کی خدمت کو قبول فرمائے، ذریعہ نجات بنائے۔۔۔۔ آمین۔۔۔۔☆☆☆

قاری محمد اخلاق احمد
Mauza Mungra Mau
P.O:Itaili.Dist:Fatehpur
Haswa-212652(U.P)

نعتِ پاک

جب زمیں پر نورِ حق ظاہر ہوا پہلے پہل
ہر طرف تھا نغمۂ صلی علیٰ پہلے پہل

تھا فلک حیرت میں فاراں تیری رفعت دیکھ کر
تجھ پہ جب چمکا تھا خورشیدِ حرا پہلے پہل

وہ گلِ یکتائے باغِ قدس کچھ ایسا کھلا
خوشبوؤں سے بس گئی ساری فضا پہلے پہل

مرحبا صد مرحبا کے تھے ترانے ہر طرف
شہرِ طیبہ میں جب آئے مصطفےٰ پہلے پہل

یہ عظیم الشان نومولود آخر کون ہے
سوئے خانہ جس کے خود کعبہ جھکا پہلے پہل

جب ظہور ان کا ہوا ابلیس بولا چیخ کر
ہائے میں دنیا میں اب رسوا ہوا پہلے پہل

ظلم کی دنیا میں ہے کہرام برپا دیکھ کر
قوتِ بازوئے شاہِ کربلا پہلے پہل

توڑ ڈالا خطبۂ زینب نے ظالم کا غرور
دیکھا قصرِ شام نے یہ زلزلہ پہلے پہل

بس نگاہِ فیضِ مرشد سے کسی قابل ہوا
ورنہ میں اخلاق کس مصرف کا تھا پہلے پہل

عظیم الدین عظیم
PlotNo:78/427,LotusGarden
Jadupur.Bhubaneswar-753001

ایک غزل

شعلے جو بھڑکتے ہیں بجھانے کو میں چلا
مفلس کی جھونپڑی تھی بچانے کو میں چلا

نفرت کے گیت گاتے ہیں سب آج کل مگر
الفت کا راگ پھر بھی سنانے کو میں چلا

جو لوگ دشمنی پہ ہیں آمادہ ان سے ہی
رشتہ محبتوں کا نبھانے کو میں چلا

جو لوگ گمرہی میں بھٹکتے ہیں آج تک
نیکی کا سیدھا رستہ دکھانے کو میں چلا

دستِ دعا اٹھا کے درِ فخرِ انبیاء
بگڑا ہوا نصیب بنانے کو میں چلا

غیروں پہ انحصار کروں کس لیے عظیم
اپنی صلیب خود ہی اٹھانے کو میں چلا

سید محمد نورالحسن نورنوابی عزیزی نوری
Astana-e-Alia Nawabia.QazipurSharif
P.O:Mandua.Fatehpur.Haswa-212653(U.P)

ایک غزل

درِ خیال پہ یادِ خدا نے دستک دی
تو یوں لگا کہ مرے آشنا نے دستک دی

ترا بلاوا جو آیا تو یوں ہوا محسوس
کہ جیسے دل پہ کسی کربلا نے دستک دی

ابھی تو صبح کے آنے میں وقت باقی ہے
نہ جانے کس لیے بادِ صبا نے دستک دی

کھلے تھے جب تو مسلسل تھی شور کی آواز
کواڑ بند کیے تو ہوا نے دستک دی

یہ شب کے پچھلے پہر کون آیا ہوگا یہاں
میں سوچتا رہا کس نے نہ جانے دستک دی

وہی ہوا کہ مری نیند مجھ سے روٹھ گئی
میں سونے والا تھا جب اک صدا نے دستک دی

صدا کا قافلہ صحرا سے ہو گیا رخصت
تو بازگشت کی بانگی لانے دستک دی

اک اضطراب کے عالم نے مجھ کو گھیر لیا
درِ نگاہ پہ کس نقشِ پا نے دستک دی

Unfiled Notes Page 22



سراج زیبائی
1stFloor.Anandrao Badevane
Shivamogga-577205(Karnataka)
Mob-8296694020

ڈاکٹر پروین فاطمہ: ''جواز فکر'' کے آئینے میں

ٹملناڈو کے ایسے مشاہیر ادب جنھوں نے زبان اردو کی ترویج و اشاعت میں تاریخ ساز کارنامے انجام دے کر ادبی سرمائے میں گراں قدر اضافے کیے، جنھوں نے اپنی تمام زندگی زبان اردو کے ل؟ لکھنے کی ٹھان لی تھی، جو اپنے قلم کو خون جگر میں ڈبو کر لکھتے رہے، اور اپنی جان سے پیاری زبان اردو کو پروان چڑھانے میں اپنی تمام تر سانسیں وقف کر ڈالیں، شہر چنئی ٹملناڈو کے ایسے ہی گنے چنے قلمکاروں میں ڈاکٹر پروین فاطمہ کا نام بھی نمایاں ہے۔

آپ ایک صاحب طرز نثر نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ہردلعزیز شاعرہ کے روپ میں بھی جانی پہچانی جاتی ہیں۔ ابتدائی عمر ہی سے محترمہ کو شاعری اور نثر نگاری سے انتہائی شغف رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ درس و تدریس کے مصروف ترین شعبے سے منسلک رہنے کے باوجود ایسی نکھری ہوئی شاعری اور عمدہ مضامین لکھتی ہیں جن میں رچی بسی ہوئی فطری نغمگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ شاعری اور نثر نگاری میں ان کی ہنر مندی اور تخلیقی استغراق وانہماک نے بلاشبہ انھیں ادب میں ایک نمایاں اور قابل تحسین مقام دلایا ہے۔

"جواز فکر" ڈاکٹر پروین فاطمہ کے تحقیقی و تنقیدی مقالوں اور خاکوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں اکثر ایسے مضامین اور خاکے شامل ہیں جو انھوں نے مختلف مذاکروں اور سمیناروں میں پیش کر کے داد و تحسین حاصل کی ہے۔ اپنے اکثر مضامین میں ریاست ٹملناڈو کے علاوہ شمال کے کئی اہل قلم حضرات کی شخصیت اور فن کو ایک وسیع فکری پس منظر میں سمجھنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ محترمہ نے اپنی تحریروں میں ایسا اسلوب اور لہجہ اختیار کیا ہے جس میں ندرت و جدت کے ساتھ معنوی رکھ رکھاؤ بھی موجود ہے۔ اس تصنیف کے اکثر مضامین میں گفتگو کا لب ولہجہ اپنایا گیا ہے جو بلاشبہ ہر قاری کے دل کو چھو لیتا ہے۔ ان کی طرز تحریر ہر قسم کے تصنع سے مبرا ہے۔ انہوں نے جو دیکھا سنا اور محسوس کیا ہے اس کو بعینہ بیان کر دیا ہے۔ مختلف شخصیات پر ان کے یہ مضامین حقیقت پسندانہ اور غیر جانب دارانہ اور متوازن رویے کے حامل ہیں۔

پہلا مضمون ہمارے عہد کے ایک معروف اور صوفی منش شاعر حضرت نظیر اکبرآبادی کی شخصیت اور شاعری پر لکھا گیا ہے۔ دراصل موصوف کی شاعری انس ان دوستی اور اخلاقیات سے مزین تھی ڈاکٹر صاحبہ نے حضرت نظیر کے مختلف اشعار کے حوالے سے ان کی رواداری کو واضح طور پر اجاگر کیا ہے۔

دوسرا مضمون مرزا غالب سے متعلق ہے۔ ویسے غالب پر تا حال بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور ان پر لکھنے کا عمل ہنوز جاری ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ نے سچ فرمایا ہے کہ غالب ایک ایسا باب ہے جس کے پنے یا صفحات ان گنت ہیں لامحدود۔ یقیناً" غالب کا حسن بیان اعجاز نگارش اور کمال اظہار کی جزئیات کی فراواں مثال غالب سے قبل کہیں نہیں ملتی۔ تیسرا مضمون بعنوان علامہ اقبال کی غزلیہ شاعری کی معنویت اکیسویں صدی میں۔ ویسے علامہ اقبال بنیادی طور پر نظموں ہی کے شاعر تھے لیکن غزلوں میں بھی موصوف کا انفرادی لہجہ نمایاں تھا۔ الفاظ کو خاص ڈھنگ سے برتنے میں ایسی مہارت کا ثبوت دیتے کہ ان کے صرف ایک شعر کو پڑھنے سے ہی صاحب شعر کا پتہ چل جاتا ہے

ہم بھی علامہ اقبال کی غزل گوئی کے تعلق سے علی سردار جعفری کے اس قول سے متفق ہیں کہ 'اقبال کی غزل میں حافظ شیرازی اور غالب کی بلندی، ا فکر اور رومی کے دل کی بے تابی اور اس کے سوا کچھ اور بھی ہے جو صرف اقبال کی اپنی دین ہے'۔

اردو شاعری میں لوک گیت کی روایت خاصی مستحکم رہی ہے۔ پروفیسر صاحبہ نے بجا طور پر کہا کہ لوک گیت ہماری زبان و تہذیب کا انمول سرمایہ ہیں۔ دراصل لوک گیتوں میں عوام شناسی کے علم کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ اس نوعیت کے گیت ثقافتی اور مذہبی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں گیت " دمادم مست قلندر " دنیا بھر میں کافی مقبول ہوا۔ ایک صوفی بزرگ لعل شہباز قلندر کی توصیف وعقیدت میں یہ گیت لکھا گیا تھا۔

ڈاکٹر صاحبہ نے اردو کی ظریفانہ شاعری سے متعلق بھی ایک جامع مضمون سپرد قلم کیا ہے۔ درحقیقت ظریفانہ شاعری ہمارے اردو ادب کی موثر ترین صنف ہے۔ اس کی گل افشانی دلوں کو مسخر کر لیتی ہے اور سرور و کیف اور نشاط

Unfiled Notes Page 23

قلب و جاں کا وسیلہ ثابت ہو کر قاری پر وجدانی کیفیت طاری کر دیتی ہے۔ پروین فاطمہ صاحبہ نے بھی سچ کہا ہے کہ طنز و مزاح ایک ایسا آلہء کار ہے جس کے ذریعے ہمارے شعراء نے نہ صرف ہنسنے ہنسانے کا کام لیا ہے بلکہ اس سے قوم کو اصلاح کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اگلے مضمون میں اردو تاریخی ناولوں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ بقول ڈاکٹر صاحبہ تاریخی ناول نگاری کی ابتدا عبدالحلیم شرر سے ہوئی۔ ان تاریخی ناولوں سے بلا شبہ ہمارے اسلاف کے کارناموں سے واقفیت ہوتی ہے۔ ساتواں مضمون ہے تحریک آزادی میں اردو صحافت کا کردار۔ ویسے ہر دور میں ہمارا طبقہ اپنے خیالات و نظریات کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اردو صحافت کا سہارا لیتا ہے۔ انگریزوں کے دور حکومت میں ان کے ظلم و استبداد کے خلاف ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک ملازم نے جو آواز اٹھائی اس کا نہایت واضح طور پر جائزہ لیا گیا ہے۔ یقیناً "یہ ایک خوبصورت اور معلوماتی مضمون ہے۔

ان کے علاوہ علامہ اقبال کی مقبول عام نظم مسجد قرطبہ، اردو شاعری میں عورت کے اساسی رشتے، لسانی حیثیت سے اردو اور ہندی کا تقابلی جائزہ، دلیل کی نظم 'کائنات' کا تجزیاتی مطالعہ، ٹملناڈو کے اردو افسانوں میں تانیثی رجحانات، اصغر ویلوری کی شعری تصنیف 'خواب باقی ہیں ابھی آنکھوں میں'، اردو اور سائنس، پروفیسر ڈاکٹر نجم الہدیٰ شخصیت اور تحقیقی و تنقیدی خدمات، جسٹس بشیر احمد سعید، شخصیت اور کارنامے، ڈاکٹر حلیمہ فردوس کی انشاپردازی "بہر کیف" کے حوالے سے، "افادیات صحافت"، "ہم اور ہمارے ہیڈ" اور سر سید احمد کے فکری و عملی جہات ایسے مضامین ہیں جن کے مطالعے سے ڈاکٹر صاحبہ کی بے پناہ علمیت و قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔

الغرض تصنیف "جواز فکر" ڈاکٹر پروین فاطمہ صاحبہ کے تخلیقی و تحقیقی اور دیگر ادبی سرمائے کی روشنی میں ان کے ادبی مرتبے کا تعین کرنے کی ایک مخلصانہ کوشش ہے۔ جس کو ہمارا ادبی حلقہ ضرور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے گا۔

☆☆☆

شاکر وارثی
Sutahat.P.O:Buxi Bazar
Cuttack-753001(Odisha)

ایک غزل



کہیں دغا، کہیں دھوکہ دکھائی دیتا ہے
چہار سمت ہی خطرہ دکھائی دیتا ہے
ہمیشہ دل میں جو رکھتا ہے بغض اور کینہ
اسی پہ سب کا بھروسا دکھائی دیتا ہے
صدف کی پیاس سمندر بجھائے، ناممکن
مجھے وہ خود ہی پیاسا دکھائی دیتا ہے
درندگی سے ہے معمور اس کا باطن، جو
بظاہر ایک فرشتہ دکھائی دیتا ہے
یقین رکھتا ہے جو شخص خاکساری پر
بلند اس کا ہی درجہ دکھائی دیتا ہے
پرائے درد کا احساس دل میں ہے شاکر
جو غیر بھی تمھیں اپنا دکھائی دیتا ہے

Unfiled Notes Page 24

طنز و مزاح

محمد اسد اللہ
C/O:TausifAhmed
30,GulistanColony
JafarNagar-440013.Nagpur
Mob-9579591149

مہمانوں کا سیلاب

مہمان نوازی کی روایت بہت پرانی ہے۔صدیوں کے اس سفر میں مہمان بننے اور بگڑنے کا سلسلہ کئی مراحل سے گزر چکا ہے۔اس دوران اس نے میزبان کو سبق سکھایا ہو یا نہ ہو اس سے نپٹنے کا گر ضرور سیکھ لیا ہے۔اب مہمان یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کب کس میزبان کو فون پر اطلاع دے کر اسے گھر میں پا بہ زنجیر کرنا ضروری ہے اور کہاں اچانک بارش کی طرح جا دھمکنا چاہیے کہ میزبان کو بھاگنے کی مہلت نہ ملے۔

بعض لوگ گھر میں قدم رکھتے ہی یہ پتہ لگا لیتے ہیں کہ گھر میں کس قسم کا نظامِ حکومت رائج ہے۔شوہر کے جہانِ دل پر بیگم کی حکومت ہو تو چائے اور کھانوں کی لگاتار تعریف میزبان کے دل اور گھر دونوں میں جگہ بنانے کے لیے کافی ہے۔گھر میں میاں کا سکہ چلتا ہو تو اس کے بچوں یا کتوں (جو بھی زیادہ عزیز ہو) کو سراہنا گھر میں ٹکے رہنے کے لیے ضروری ہے۔مہمان بارش کے قطروں کی طرح تنہا نہیں آتا۔بھلا بارش اپنے قطروں کو کسی اور مقام پر چھوڑ کر کیسے آ سکتی ہے۔مہمان جب آتا ہے تو میزبان مرزا غالبؔ کی زبان میں کاتبِ تقدیر سے ایک چھوٹا سا سوال پوچھتا رہ جاتا ہے۔

کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

گرمیوں کی تعطیلات میں پانی کی قلت اور شادیوں کی کثرت عام ہے۔ہمارے علاقے میں شادی کے دعوت ناموں پر یہ شعر بھی لکھا جاتا ہے:

اے بادِ صبا کچھ تو نے سنا مہمان جو آنے والے ہیں
کلیاں نہ بچھانا راہوں میں ہم پلکیں بچھانے والے ہیں

بس اس شعر کو پڑھ کر مہمانوں کا سیلاب اُمڈ پڑتا ہے۔عزیز و اقارب کو شادی میں مدعو کرنا میزبان کی مجبوری ہے کہ اسی رسمِ دنیا کو عزت سپلائی کرنے کا ٹھیکہ سماج کی جانب سے ودیعت ہوا ہے۔وہ غریب دل ہی دل میں ڈرتا ہے کہ تمام مہمانوں کو دعوت دی گئی اور سب شریک ہو گئے تو مہمانوں کا یہ سیلاب دیکھ کر اس کی آنکھیں مارے حیرت کے کتنی ہی کیوں نہ پھیل جائیں، پلکیں اس قدر ہرگز وسیع نہیں ہو سکتیں کہ ان پر تمام لوگ سما سکیں۔

بعض میزبان اس صورتِ حال کو ٹالنے کے لیے دعوت نامے اس خوبصورتی سے پوسٹ کرتے ہیں کہ نکاح ۳۰ مارچ کو ہے تو دعوت نامہ ایک اپریل کو مہمان کے ہاتھ لگے تاکہ مہمان بن کر میزبان کے سینے پر مونگ دلنے کی خواہش کے باوجود مہمان اس قابل نہیں رہ پاتا کہ وہاں پہنچ سکے۔اس صورت میں رقعے پر درج شعر کا مقصد مہمانوں کو مدعو کرنا نہیں بلکہ بادِ صبا کو اطلاع دینا ہے کہ اے بادِ صبا! ہم نے مہمانوں کا معقول بندوبست کر دیا ہے تم خواہ مخواہ راہوں میں کلیاں بچھانے کی زحمت کیوں کرو؟

مہمان سیلاب کی طرح آتے ہیں یا نہیں اس میں دو رائیں ہو سکتی ہیں لیکن اس سے کون انکار کرے گا کہ سیلاب مہمان کی طرح آتا ہے اور شرعی مہمان یا معمولی بخار کی طرح تین دنوں میں اتر بھی جاتا ہے۔البتہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ مہمانوں کی طرح آنے والا سیلاب زیادہ تباہی پھیلاتا ہے یا سیلاب کی طرح آنے والے مہمان؟

ہم اپنی روح کی گہرائیوں میں جھانک کر دیکھیں تو محسوس کریں گے کہ مہمانوں کی خاطر مدارات سے ہمیں ہزار دقتوں کے باوجود ایک عجیب سی روحانی خوشی ضرور ہوتی ہے۔مہمانوں کے قدرداں نکاح کے رقعوں پر مذکورہ شعر لکھوائے بغیر بھی مہمانوں کی راہ میں پلکیں بچھائے رہتے ہیں۔مہمان شکم سیر ہو جائے تو میزبان کی روح سیراب ہو جاتی ہے۔البتہ ان دنوں یہ ہونے لگا ہے کہ مہمان کے رخصت ہوتے وقت میزبان کے ہونٹوں پر سہما سہما یہ جملہ لڑکھڑانے لگتا ہے کہ شام کا کھانا کھا کر جاتے تو اچھا تھا۔اندر ہی اندر دل لرزتا رہتا ہے کہ

اس کی یہ رسمی پیش کش شرفِ قبولیت سے نوازی گئی تو یہ بلا ایک دن اور قہر برپا کرے گی۔اسی لیے وہ مہمان کے انکار کرتے ہی اسے گلے لگا کر خدا حافظ کہتا ہے اور سکھ کا سانس لیتا ہے یا اپنی پھولتی ہوئی سانس کو

Unfiled Notes Page 25

درست کرتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اب ہمیں مہمانوں کے آنے سے مسرت کیوں نہیں ہوتی؟ اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ اس مادّہ پرستی کے زمانے میں روحانی مسرتوں کا کیا کام؟ کیا مادی ترقی کے اس عہدِ زرّیں میں بھی روح کا وجود باقی ہے؟ جی ہاں! روحانیت اب بھی زندہ ہے اور ثبوت اس کا یہ ہے کہ اپنے گھر کی دہلیز پر مہمانوں کا اُمڈتا ہوا سیلاب دیکھ کر جو چیز ہمارے اندر فنا ہونے لگتی ہے وہ ہماری روح ہی ہے۔

سنا ہے مادّہ فنا ہو جاتا ہے اور روح باقی رہ جاتی ہے' سو یہ بھی سچ ہے۔ روح کے بناجید للبقا کے مناظر ہمیں مہمانوں کے آنے کے بعد نظر آتے ہیں۔ ایثار' قربانی (جو کبھی جھلّے کی شکل بھی اختیار کر لیتی ہے) اور صبر و تحمل وغیرہ اخلاقی قدروں کو مہمانوں کے آنے کے بعد ہی فروغ حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً کسی دن آپ کے مہمان کا لائق فرزند جب دبئی سے آپ کے کسی عزیز کے بھجوائے ہوئے ٹی سیٹ کو لے کر "جیک اینڈ جل' وینٹ اپ دی ہل" کہہ کر سیڑھیوں پر چڑھتا جاتا ہے تو آپ کا دل دہل جاتا ہے اور آپ جل تو جلال تو کا ورد کرنے لگتے ہیں۔ پھر اچانک اس ٹی سیٹ کو کمرے کی فرش پر پوری قوت سے دے مارتا ہے' تب اسے خبر ہی نہیں ہوتی کہ وہ ٹی سیٹ بلکہ آپ کا پیمانۂ صبر ہے جو چھلکنے سے پہلے ہی چور چور ہو گیا۔ آپ اپنے چہرے سے تلخی کو رفع دفع کرنے کی ناکام کوشش کر کے اس کھسیانپن کا ملمع چڑھاتے ہیں اور یہ کہہ کر رہ جاتے ہیں کہ کوئی بات نہیں بچہ ہی تو ہے۔ اور بچے کے والدین آپ کی زبان سے نکلی ہوئی اس ابدی سچائی کو صدقِ دل سے قبول کر لیتے ہیں۔

سیلاب کے آنے کا دن اور تاریخ بھلے ہی مقرر نہ ہو' موسم تو متعین ہے۔ مہمان اس قید سے آزاد ہے۔ جس مخلوق کے آنے کا وقت مقرر نہ ہو اس کے جانے کا دن کون طے کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب میزبان اپنے مہمانوں کا استقبال پھول جیسے ان دو سوالوں سے کرتے ہیں (ان دونوں سوالوں کے درمیان سانس لینے کا وقفہ تو قطعی نہیں ہوتا)

سوال نمبر ا "آیئے آیئے کب تشریف لائے آپ؟

میزبان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوتا ہے کہ وہ غریب ابھی ابھی ٹیکسی سے اتر کر اپنے حواس درست کر رہا ہے۔ (یہ سوال شاید اس لیے کیا جاتا ہے کہ میزبان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا کہ اتنی بڑی مصیبت اس کے گھر وارد ہو چکی ہے)

دوسرا سوال: کب تک قیام رہے گا؟

پہلے سوال کا جواب تو اسکے روبرو ہوتا ہے لیکن جس طرح طلسمی کہانیوں والے جادوگر کی روح طوطے کے جسم میں چھپی ہوتی ہے' میزبان اس سوال میں پھنسا رہتا ہے۔ یہ سوال لازمی ہوتا ہے تاہم گول مول جواب دے کر اپنا راستہ اور میزبان کی طبیعت صاف کرتے ہوئے کہتا ہے:

"جنابِ عالی! جب تک ہمارا دانہ پانی اس گھر میں ہے ہم یہیں رہیں گے بلکہ آپ بھگانا بھی چاہیں تب بھی نہ جائیں گے۔ سمجھے۔"

ایسا شاندار جواب پا کر میزبان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جاتے ہیں۔ یہ اس لحاظ سے اچھا ہے کہ کفِ افسوس ملنے میں آسانی ہوتی ہے۔ رہی بات دانے پانی کی تو اب ہمارے زمانے میں دانے اور پانی میں وغیرہ وغیرہ کی خاصی لمبی دم لگی رہتی ہے۔ عام آدمی اس دم کا جتنا سیدھا کرنا چاہے یہ اتنی ہی ٹیڑھی ہونے لگتی ہے۔ بن بلایا مہمان بچارہ اس بات سے بے خبر ہوتا ہے کہ وہ کب اپنے دانے پانی کی سرحد پھلانگ کر صاحب خانہ کی مملکت میں بلا پاسپورٹ داخل ہو گیا ہے۔

اس دنیا میں انسان بذاتِ خود ایک بن بلایا مہمان ہے اور وہ بھی اس بات پر اڑا ہوا ہے کہ جب تک اس کا دانہ پانی اس دنیا میں موجود ہے وہ یہاں سے ٹلنے والا نہیں' خواہ اسے دھکے مار کر ہی کیوں نہ نکالا جائے۔ چنانچہ اب آدمی تلاشِ روزگار میں لوکل ٹرین اور منی بس کے دھکے کھاتا ہے اور بے تکان جیتا ہے۔ آج کل دانے دانے ہی پر نہیں بس اور ٹرین کے دھکوں پر بھی ہمارا نام لکھا ہوا ہے۔ ☆☆☆

الطاف نادر
Nadir Manzil.Quazi Sahi
Ward No-14.Bhadrak-756100
(Odisha(Mob-9937286011

ایک غزل

گر شہر میں ویراں کوئی منظر نہیں دیکھا
لگتا ہے ابھی تم نے مرا گھر نہیں دیکھا
معمار یقیناً ہوں، مگر آپ کی مانند
دیوار کسی گھر میں اٹھا کر نہیں دیکھا
تدبیر کے ناخن سے گرہ کھولی ہے میں نے
خود کو کبھی محتاجِ مقدر نہیں دیکھا
جس پیڑ کی کرتا رہا تا عمر حفاظت
موسم میں کبھی اس کو ثمر ور نہیں دیکھا
جینے نہیں دیتا کہ وہ مرنے نہیں دیتا
تم نے ابھی الفاظ کا خنجر نہیں دیکھا
ایوان ترے شہر کے کیا خوب ہیں نادر
دروازہ مگر قد کے برابر نہیں دیکھا

Unfiled Notes Page 26

سبطین پروانہ
سالماری۔کٹیہار(بہار)

”کشتِ سخن“ کا شاعر: محمد رضاء الباری اظہر

محمد رضاء الباری کا تعلق چھوٹا رگھوناتھ پور،بارسوئی ضلع کٹیہار(بہار) سے ہے۔ان کی پیدائش ۱۱؍اکتوبر۱۹۹۱ء کو ہوئی تھی۔رضاء الباری اظہر شریف الطبع،اخلاص پرور اور انسان دوست شخص کا نام ہے جن کی جھولی میں پیار،وفا،ایثار اور قربانی ہی ہی قربانی ہے۔دینی اور عصری تعلیم سے فراغت پانے کے بعد نجی طور پر ایک مدرسہ چلا رہے ہیں جس میں گردونواح کے طلبہ و طالبات دینیات کی تعلیم حاصل کررہے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں خوبیاں عطا کی ہیں۔آپ جلسوں کی نقابت بھی بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں۔ماشاء اللہ خطابت کا جوہر بھی قدرت نے آپ کو بخشا ہے۔گھریلو معالج کی حیثیت سے لوگوں کے دکھ درد کا علاج بھی کرتے ہیں۔ان خوبیوں کے علاوہ انھوں نے شعر و ادب کا رچا بسا ذوق بھی پایا ہے۔خصوصاً حمد و نعت جیسی تقدیسی اصناف بڑے عمدہ پائے کی ہوتی ہیں۔اس کے علاوہ غزل،نظم،منقبت اور قطعات وغیرہ بھی بڑی خوش اسلوبی سے کہتے ہیں۔شاعری میں انھیں درجۂ کمال حاصل ہے،ایسا کہنا ابھی قبل از وقت ہوگا۔البتہ اس بات سے انکار نہیں کہ ان کی شاعری کا کینوس بے حد وسیع ہے۔ان کی شاعری میں عصری حسیت کے ساتھ ساتھ زندگی کے سرد و گرم لمحوں کی بازگشت سنی جاسکتی ہے۔ساتھ ہی وطن کے بٹوارے کا المیہ،صالح اقدار کی شکست و ریخت،فرقہ پرستی جیسے موضوعات کو شعری پیکر عطا کر کے وہ اپنے عصری حسیت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔اصلاح معاشرہ کی غرض سے بعض جگہ انھوں نے پند و نصائح سے بھی کام لیا ہے۔اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

تمھیں جو رہنا ہے دنیا میں بااثر ہو کر۔تو شرط کے کہ رہو تم بھی باہنر ہو کر

بھیڑیے ہیں ہر جانب سازشوں ک موسم ہے
آج اپنے بھارت میں نفرتوں کا موسم ہے

زندگی تیری ہے پانی کا بلبلہ جیسے
تو سمجھتا نہیں کہ تیری حقیقت کیا ہے

جشن ہزار کیا آیے کچھ تو تبدیلی۔وہ انقلاب کبھی انقلاب ہو نہ سکا

دیا بجھا کے مرے گھر کا وہ بہت خوش تھا
مگر وہ خود بھی کبھی آفتاب ہو نہ سکا

دیکھا جائے تو آپ کی شاعری میں زندگی کے نشیب و فراز کے بھی پہلو بخوبی نظر آتے ہیں۔”کشتِ سخن“ موصوف کا اولین مجموعۂ کلام ہے جس میں ان کی شعری بصیرت مترشح ہے۔زندگی اور اس کے بطن سے پھوٹنے والے سارے مسائل کی بازگشت اس میں سنی جاسکتی ہے۔کربِ ذات کے ساتھ ساتھ کربِ کائنات کی دھڑکنیں بھی اس میں شامل ہیں۔بعض جگہ انھوں نے اپنے تجربات و مشاہدات کو استعاراتی صورت میں بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ثقیل لفظوں سے گریز کرتے ہوئے انھوں نے اپنی بات بڑی سلاست او سادگی کے ساتھ کہی ہے۔

مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ زیرِ نظر مجموعہ تازہ کاری اور نئی فکری جہات کا ایک ایسا آئینہ خانہ ہے جس میں حیات و کائنات کے بھی پہلو عکس ریز ہیں۔

☆☆☆

مجیب اللہ خاں پرواز
PlotNo-9,Indraprasth.Phasr-1
Bhubaneswar-751020

ایک غزل

لے کے ماں کی دعا ہم گھر آگئے
چھوڑ کر اپنے گاؤں کا گھر آگئے
یہ ہے یکم جنوری نئے سال کی
تھ سیط ملنے کو ہم بے خبر آگئے
ذہن میں تھی غضب کی کشش پیار کی
بے خودی میں تری رہ گزر آگئے
میکدہ آگئے اٹھ کے در سے ترے
تھا کدھر جانا ہم کو کدھر آگئے
بیٹھ کر تیری صحبت میں پرواز روز
شاعری کے ہمیں بھی ہنر آگئے

Unfiled Notes Page 27

غـــــزلیـــــات 28

منیر سیفی

RajaBazar.Pillar-49
Samanpura.Malik Lane
V.B.C, Patna-800014
Mob-9835268274



میرے اندر اک سناٹا در آتا ہے
صبح کا بھولا شام کو اپنے گھر آتا ہے
راس نہیں اس کو آیا عصمت کا لحاف
اوڑھ کے جو اک میلی سی چادر آتا ہے
کوشش تو ان کی تھی فاصلہ رکھنے کی
خود ہی میلہ اٹھ کے ہمارے گھر آتا ہے
نیند آنے پر ہر سو لاشیں دکھتی ہیں
مہا کنبھ کا خوابوں میں منظر آتا ہے
اس سے بچی کیا ہوگی جگ کی تصویر
ہنستا ہوا جب لاشوں پر جوکر آتا ہے
جہاں جہاں بھی حادثہ ہوتا ہے سیفی
سیدھا ہر الزام ہمارے سر آتا ہے

ڈاکٹر ساجد غازیپوری

UmarAshiyana.At Asi Nagar Colony
Nooruddinpura.Ghazipur-233001(U.P)



تو اگر قوتِ فولاد نہیں رکھ سکتا
پھر زمانہ تجھے آباد نہیں رکھ سکتا
آپ بیتی بھی جب لکھنے لگے جگ بیتی
تو فسانہ بھی کوئی یاد نہیں رکھ سکتا
عبادتوں کے لیے کرتے ہیں وضو پہلے
مکان جیسے بے بنیاد نہیں رکھ سکتا
عزم محکم ہو اگر قوتِ پرواز بھی ہو
پھر قفس میں کوئی صیاد نہیں رکھ سکتا
خامیاں وہ مری انگلی پہ گنا سکتا ہے
خوبیاں وہ مری ہمزاد نہیں رکھ سکتا
زندگی یاد میں جس کی ہے گزرتی ساجد
ہے یقیں مجھ کو وہ ناشاد نہیں رکھ سکتا

اکبر چنوری

KausarNagar KagazNagar
Dist.Asifabad-504296 (TS)

ترا عدو ترے پیروں میں آکے گر جائے
وجود اس کا وہیں خاک پر بکھر جائے
کیا ہے تو نے جو احسان یار اس کے عوض
خدا کرے ترا دامن گلوں سے بھر جائے
نہ کوئی گرد کو پہنچا نہ ان کی پہنچے گا
اگر چہ آدمی یہ چاند پہ اتر جائے
ترا وجود سوائے شرر کے کچھ بھی نہیں
ترے وجود سے جب تک نہ میں اتر جائے
رگوں میں دوڑ رہی ہے شراب وحدت کی
پکارتی ہے خدا کو جدھر جدھر جائے
یہ سر پہ چڑھتے ہی للکارتا ہے باطل کو
یہ وہ نشہ نہیں اکبر کہ جو اتر جائے

رفیع احمد آفتاب

Mohalla Khudanagar
P.O:Motihari
Dist:East Champaran.Bihar



زندگی کا یہ سفر اچھا رہا
ساتھ میرے چاند بھی چلتا رہا
ٹوٹ کر بکھرا پڑا ہے جانے کیا
رات دن جو پاؤں سے لپٹا رہا
اک نئی دنیا کی مجھ کو کھوج تھی
حوصلہ کچھ کم نہ تھا بڑھتا رہا
موسموں کا تذکرہ بے سود ہے
لمحہ لمحہ جو ہمیں چھلتا رہا
چلتے چلتے ایک دن وہ کھو گیا
دائروں سے دائرہ کٹتا رہا
آپ کی محفل میں کیا ہے آفتاب
بس اجالوں کا یہاں چرچا رہا

آفتاب عالم شاہنوری

NearMadinaMasjid
A|Po,Karoshi,Tq.Cghikodi
Dist:Belgaon-591226

آنسوؤں کی بارش میں یاس کی نمائش میں عمر اک گزاری ہے
دیکھ کر یہ کہتے ہیں چیخ کر یہاں سارے اب تمہاری باری ہے
رائگاں ہوئی کوشش بے ثمر ہوئی محنت کس کو یہ بتاؤں میں
تجھ کو پانے کی میں نے جو لگائی تھی بازی آج میں نے ہاری ہے
میں جہاں بھی جاتا ہوں جس طرف بھی جاتا ہوں درد کی صدائیں ہیں
رنگ و بو کی دنیا میں تنہا تنہا جینے میں زندگانی بھاری ہے
کاش یہ سمجھتے ہم وقت سے بہت پہلے دھوکے اور فریبوں کو
بے وفا کی باتوں پر دل کو جو بھروسا تھا یہ خطا ہماری ہے
ساتھ ہیں بھی میرے اپنے اور پرائے بھی چاہتوں کے سائے بھی
چین کیوں نہیں ملتا قلب مضطرب ہے کیوں کیسی بے قراری ہے
تیر میں کمانوں میں درد کی پناہوں میں زخم کی گھٹاؤں میں
الفتوں کے میداں میں تم نے جو لڑی عالم جنگ اب بھی جاری ہے

بے نام گیلانی

Katrabagh Nai SaraiBiharSharif
Nalanda-803101(BIHAR)

جس طرح سایہ ہو اجالوں پر
بندشیں لگتیں ہیں نوالوں پر
مفتخر ہم ہیں آج بھی لوگو
اپنے قدموں پہ ابھرے چھالوں پر
اس شجر کی طرح ہی ہے مسلم
پھل نہیں ہوں گے جس کی ڈالوں پر
حکم نامہ کا ذکر کیا کرنا
اب تو یلغار ہے قبالوں پر
دیوتا مسجدوں میں رہتے ہیں
یہ تو الزام ہے شوالوں پر
جن کے جذبات مر چکے بے نام
تف ہے ملت کے ان جیالوں پر

Unfiled Notes Page 28

ڈاکٹر شمیم ہاشمی
AfsanaCottageNearHashmiMasjid
HashmiaColonyHazariBag.825301

گہری نگاہ سامنے جب تک رکھی نہ جائے
آگے کے تجربے کی ڈگر پار کی نہ جائے
چہرے سے غم کی گرد کو دھونے کو دھو تو لوں
اس دل کا کیا علاج جہاں تک خوشی نہ جائے
لفظوں کا جال بن کے کروں بھی تو کیا کروں
مفہوم کی گرہ اگر اس میں کسی نہ جائے
یاد ان کی رہ گئی ہے سہارا مرے لیے
ڈر ہے کہ مجھ کو چھوڑ کے یہ بھی چلی نہ جائے
ماحول کھو گیا ہے تصنع کے دشت میں
اب سادگی کی بات کسی سے کہی نہ جائے
جو چیز اپنی آنکھوں میں جچتی نہیں شمیم
بہتر ہے دوسروں کے لیے بھی چنی نہ جائے

ساغر ملارنوی
At/Post:Malarna Doongar
Dist:Sawai Madhopur
Rajasthan-322028



دل و نگہ کو سدا بے قرار کرتے رہے
تمام عمر ترا انتظار کرتے رہے
شب فراق میں تارے شمار کرتے رہے
یہ آنکھیں غم میں ترے اشکبار کرتے رہے
تمہارے عشق میں کیا کیا نہ یار کرتے رہے
کہ نقدِ جان بھی تم پر نثار کرتے رہے
تری جبیں پہ جو غم کی پڑی شکن جاناں
مٹا کے خود کو تجھے پُر وقار کرتے رہے
ستم کے نرغے میں بھی حوصلہ نہ ہارا کبھی
ستم ہزار وہ ساغر پہ یار کرتے رہے

محمد طفیل احمد حافظ
Sona pally.Ward no33
Dhankunda.Sambalpur.768006

مثلِ سیارہ مدارِ وقت پر چلتا رہا
میں اندھیروں کو مٹانے کے لیے جلتا رہا
شوقِ منزل رہنما تھا حوصلہ زحمتِ سفر
آبلہ پا اک مسافر دھوپ میں چلتا رہا
آبِ خنجر سے ہوئے سیراب اربابِ وفا
ریگ زارِ کربلا تپتا رہا جلتا رہا
موسمِ باراں، خزاں، فصلِ بہاراں جو بھی ہو
نخلِ جاں خونِ جگر سے پھولتا پھلتا رہا
مجھ کو غافل جان کر اس نے اچانک ڈس لیا
آستیں میں میری ساری عمر جو پلتا رہا
سرخ روئی کے لیے حافظ ہمیشہ آدمی
اپنے ارمانوں کے چہرے پر لہو ملتا رہا

علیم الدین علیم
P-69,Mudiyali Road
P.O:Garden Reach
Kolkata-700024(W,B)



اگاتا ہے وہ اپنا عکس پانی پر ہمیشہ
مگر تنقید کرتا ہے روانی پر ہمیشہ
اسے کیا ہوگیا؟ آواز اس کی بند کیوں ہے
بڑا ہی شور کرتا تھا گرانی پر ہمیشہ
مرے ترکش سے سارے تیر لے کر ایک شاطر
کمر بستہ رہا ایذا رسانی پر ہمیشہ
جھکے گا کس طرح مومن بھلا باطل کے آگے
وہ جھکتا ہے خدا کی مہربانی پر ہمیشہ
جنوں کے معرکے میں ہوگیا ناکام وہ بھی
جسے تھا ناز اپنی کامیابی پر ہمیشہ
بہکتا ہے علیم اس عمر میں انسان اکثر
نظر رکھنا ذرا اس کی جوانی پر ہمیشہ

عزیز بلگامی
No,K-102,1-2,SaleemManzil
1stFloor.1stMain.2ndCross
VenkatgowdaLayout.
Bangalore-560024

اگرچہ درد کی شدت سے لوگ روتے ہیں
ہم اپنے زخم تو آبِ نمک سے دھوتے ہیں
جنہیں خبر نہیں، ہے منصبِ امامت کیا
مقامِ رہبریِ اقوام کی وہ کھوتے ہیں
نہیں ہے سامنے جن کے پیامِ کشتیِ نوح
سفینے اپنے وہ صحراؤں میں ڈبوتے ہیں
خیال و فکر کے سب منتشر نگینوں کو
خلوص و مہر کے دھاگے میں ہم پروتے ہیں
میں مرشدوں کی جماعت کا ہوں امیر عزیز
مرید میرے فلک پر مقیم ہوتے ہیں

کے۔ انیس اظہر
Vanyambadi
Vellore(TN)

جلائے جتنے امیدوں کے سب چراغ بجھے
قدم قدم پہ جو روشن تھے دل کے داغ بجھے
نہ کوئی دوست نہ دشمن عجب عالم ہے
وہ زندگی ہی نہیں ہے جہاں دماغ بجھے
عجیب شرط لگائی ہے اب کے اندھوں نے
منائیں جشن جہاں مشعلِ ااغ بجھے
ٹٹولتے ہوئے پہنچے تھے اپنی منزل تک
تلا تحفۂ تکمیل تھی چراغ بجھے
خطا کا اپنی کریں اعتراف اے اظہر
نہ جانے کون سی حالت میں اب چراغ بجھے

Unfiled Notes Page 29



محسن باعشن حسرت
170|Keshabchndra
street.Kalkata700009

بعد مدت کے ہوا حاصل یہ اک لمحہ مجھے
آئینے سے بات کرنے کا ملا موقع مجھے
کل تلک جو پوچھتا تھا مجھ سے میری خیریت
آج لیکن اس نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا مجھے
پہلے مشکل سے میں سپنے دیکھتا تھا رات کو
اب تو دن میں بھی نظر آنے لگا سپنا مجھے
"وائرس" کے خوف سے میں گھر میں اپنے قید تھا
بیٹھنا یوں گھر میں لیکن کب لگا اچھا مجھے
وقت اور حالات نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا
اب تو شاید ہی کوئی پہچان پائے گا مجھے

احمد ندیم مورسنڈوی
At|Post-Morsanda
ViaKorha
Dist\Katihar854108(BIHAR)

اپنی دنیا اپنی محفل تم سجانے آئے ہو
چار دن کی زندگی ہے تم تو جانے آئے ہو
اس کی چنگاری تمہارے گھر تلک بھی جائے گی
تم پڑوسی ہو کے میرا گھر جلانے آئے ہو
میں بہت مغموم ہوں، رنجیدہ خاطر ہوں بہت
کس لیے نغمے مسرت کے سنانے آئے ہو
بے خبر ہو اپنی منزل سے ابھی تک رہبرو!
مجھ کو منزل کا پتہ پھر کیوں دکھانے آئے ہو
اب تلک تعبیر تو پائی نہیں ہم نے ندیمؔ
پھر نئے خوابوں کو پلکوں پر سجانے آئے ہو

ڈاکٹر ظنی وبھا نازلی
Govt.PostGraduateCollege
Hamirpur.177005(H.Pardesh)



شہر پر شہر کا گمان نہ تھا
زندگی کا کوئی نشان نہ تھا
جا کے خود کیوں ہوئے اسیرِ قفس؟
کیا اڑانوں کو آسمان نہ تھا
لٹ رہے تھے چمن میں گل بوٹے
کیا گلستاں کا باغبان نہ تھا
شمعِ امید کی تھی لو لرزاں
کوئی طٰھی اس کا پاسبان نہ تھا
پرورش جن کی اپنے خون سے کی
ان کو بھی ہم سے اطمنان نہ تھا
تھی اناتھوں سی نازلیؔ یہ حیات
سر پہ کوئی بھی سائبان نہ تھا



سبطین پروانہ
Dilalpur.P.O:Salmari
Katihar-311558
Bihar

دل کے ارماں روٹھ رہے ہیں
رشتے ناطے ٹوٹ رہے ہیں
جھوٹے وعدے کرکے نیتا
جنتا کو اب لوٹ رہے ہیں
پتھر کے بازار میں دیکھو
کتنے شیشے ٹوٹ رہے ہیں
میں نے کھولی پول جو اس کی
ہاتھ سے طوطے چھوٹ رہے ہیں
شمعِ الفت سے بھی اب تو
پروانے سب روٹھ رہے ہیں

پھول محمد نعمت رضوی
C/O Amjadi Kitab Ghar
Near High School
At/P.O:Sonbarsa.Sitamarhi
Bihar-843330



بھول نہ جانا کبھی کوئی بھی وعدہ کرکے
چھوڑ نہ دینا کبھی نیک ارادہ کرکے
جان کی بازی لگا دیتا ہے سچا عاشق
پیار سے دیکھے کوئی ایک اشارہ کرکے
عشق کہنے لگا جا کر یہ درِ جاناں پر
خود کو برباد کیا تجھ پہ بھروسا کرکے
جان تک اس پہ فدا ہر کوئی کرسکتا ہے
وہ اگر نکلے کبھی چہرے پہ غازہ کرکے
ساتھ میت کے گئے شہرِ خموشاں نعمتؔ
لوٹے اے موت تری یاد کو تازہ کرکے

محبوب اکبر محبوبؔ
1/7A/2,J.K.Ghosh Road
Begachia.Kolkata(W.B)



آج ہر سمت کیوں اجالا ہے
کون دنیا میں آنے والا ہے
رہ کے خاموش سختیاں جھیلیں
عزم جیسے مرا ہمالہ ہے
اس نے دیکھا ہے اب مری جانب
اب مقدر سنورنے والا ہے
ننھے ہونٹوں کو دوں ہنسی کیسے
مفلسی نے تو مار ڈالا ہے
خود کو اللہ کے حوالے کیا
جب بھی گھر سے قدم نکالا ہے
میں تو محبوب ہوگیا اس کا
وہ کہاں میرا ہونے والا ہے

Unfiled Notes Page 30

ڈاکٹر مسعود جعفری
HIG3,AnandNagar.Adhartal
Jabalpur-482004(M.P)



تو اپنے پاس ہی رکھ لے تمام حکمت بھی
خدا کے واسطے ہم کو نہ کر نصیحت بھی
تیرا کمال جھلکتا ہے تیرے جملوں میں
مروڑ دیتا ہے تقریر میں حقیقت بھی
تمام ملک میں بےچین ہیں، بہت سے لوگ
ہر ایک بات پہ دیتا ہے تو اذیت بھی
سڑک کا آدمی اچھا ہے آج تم سے تو
تمہاری سوچ میں "زیرو" رہی فضیلت بھی
ہزاروں سال کے قصے سنانے لگتا ہے
اٹھا کے رکھی ہے محراب میں شریعت بھی
یہ اور بات کہ مسعود ہے کہاں قائل
تمہیں تو مل گئی شیطان کی حمایت بھی

ڈاکٹر علی عباس امیدؔ
Qalamkar House.Bright Colony
Idgah Hills.Bhopal(M.P)



جب کبھی ترکِ غمِ دل کا سوال آتا ہے
ریت پر نام تھا میرا بھی خیال آتا ہے
موجِ طوفان اٹھی بہہ چکے خوابوں کے صدف
اب برستے ہوئے بادل پہ زوال آتا ہے
جب سمٹ آیا ہے خود جسم ہی پیشانی پہ
کیوں وہ دل پہ دبے پاؤں ملال آتا ہے
کیا ترا ذہن بھی لمحوں کے سفر میں ہوگا
تیری بارات میں رہ رہ کے خیال آتا ہے
کوئی ایسا بھی ہے جو نقش پہ دیوانہ ہو
فاصلے کہتے ہیں اک اور بھی سال آتا ہے
گھنٹیاں بجتی ہیں وقت کی مسلسل امید
فاصلے کہتے ہیں اک اور بھی سال آتا ہے

ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمیؔ
HomeoShifaKhana.Rahmat
Colony.Doranda.Ranchi-834002



وصال و ہجر نہ رنگ شباب مانگے ہے
غزل کا حسن نئی آب و تاب مانگے ہے
دلوں کا قہر شبوں کا عذاب مانگے ہے
ہمارا عہد صدی کا حساب مانگے ہے
کہوں تو لفظِ تمنا پہ حرف آجائے
نگاہِ دوست جو مجھ سے جواب مانگے ہے
تمنا لیتی ہیں انگڑائیاں ہر اک دل میں
غریبِ شہر بھی محلوں کا خواب مانگے ہے
بھڑک رہی ہے ابھی آگ دل میں نفرت کی
ہر ایک آنکھ محبت کا خواب مانگے ہے
تھکی تھکی سی ہے یہ مے خانے کی فضا بزمی
پیالہ بھر کے مسلسل شراب مانگے ہے

الیاس ناز
Mangrool Baran
Rjasthan
Mob-9413442190

بندروں کے ہاتھ میں جو استرا دینے لگے
آنکھ کے اندھوں کو وہ ہی آئینہ دینے لگے
دوستوں کو چھوڑ دشمن کو پتہ دینے لگ
غیر کیا اپنے ہی اپنوں کو دغا دینے لگے
کیا زمانہ ہے گنہگاروں کو تمغے مل گئے
بے گناہوں کو مگر حاکم سزا دینے لگے
کس قدر انسان کے حالات بدلے وقت نے
آسرا جن کا نہیں تھا آسرا دینے لگے
ذمہ داری جن کی تھی امن و اماں ہو شہر میں
سرد شعلوں کو وہی اکثر ہوا دینے لگے
دے دیے ان کو بھی ہم دیتا تھا جن کو روزگار
بھک مروں کو ناز داتا کیا سے کیا دینے لگے

اسرار نسیمی
A-102,Knghi Tola.Qila Bareily
U.P-243003(U.P)
Mob-933597763



سمندر سے کبھی چھوٹی ندی دیکھی نہیں جاتی
امیروں سے غریبوں کی خوشی دیکھی نہیں جاتی
تبسم لب پہ جب آیا رُلانے کو چلے آئے
غموں سے میرے ہونٹوں کی خوشی دیکھی نہیں جاتی
ہمیشہ دیکھتا ہے عیب یہ اوروں کے ہی لیکن
کبھی انسان سے اپنی کمی دیکھی نہیں جاتی
نکل آتے ہیں آنسو آنکھ سے فرطِ مسرت میں
مری آنکھوں سے کیوں میری خوشی دیکھی نہیں جاتی
سماعت کو سخن فہموں کی اب اسرار کیا کہیے
ترنم دیکھتے ہیں شاعری دیکھی نہیں جاتی

امجد پرویز

تری خاطر اے جانِ جاں میں نے
کر لیا خود کو رائیگاں میں نے
پہلے ہجرت کی سب پرندوں نے
اور بدلا ہے پھر مکاں میں نے
عشق دریا کہیں رکا سا تھا
اس کو چھو کر کیا رواں میں نے
اک ترے نقشِ پا کے دھوکے میں
سر جھکایا کہاں کہاں میں نے
تیری رفعت بیان ہو کیسے
تجھ کو پایا ہے لامکاں میں نے
ڈال دی آخرش محبت کی
بہتے دریا میں کشتیاں میں نے
موجِ دریا کے درمیاں امجد
جینا سیکھا ہے مہرباں میں نے

Unfiled Notes Page 31

افسانہ

اقبال سلیم
97,Anware Tahera, 8th Cross
4th Main JHBCS Layout
I.P. Nagar.P.O:Bangalore-560078

پل صراط

بے گھر نواں بلاک سے رحمت نگر تک کا طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد اپنے جنٹلمین قسم کے مسافر سے نوے روپیہ آٹو رکشا کرایہ وصول کر کے رحمت نے ایک طویل انگڑائی لی اور سوچا، اس نے صبح صبح ضرور کسی خوش نصیب کا چہرا دیکھا تھا جو پہلے ہی مسافر سے اتنی کمائی ہو گئی۔ اس نے سیٹ پر بیٹھے بیٹھے ہی گردن موڑ کر اسٹال والے کو ایک گرما گرم چائے بھیجنے کا اشارہ کیا۔ چائے پی کر اس نے پٹرول چیک کیا جو تھوڑا سا رہ گیا تھا۔ رات بارش کی وجہ سے اس نے پٹرول نہیں بھروا سکا تھا چنانچہ گاڑی اسٹارٹ کر کے قریب کے پٹرول پمپ پر لے گیا۔ پٹرول بھروانے کے بعد وہ کیشیر کے ہاتھ میں پیسے تھما کر جیسے ہی گاڑی کے قریب پہنچا اس کی نظر پچھلی سیٹ کے نیچے رکھے ہوئے ایک چھوٹے سے سوٹ کیس پر پڑی، سوچا......

یہ ضرور اسی مسافر کا ہے۔ اس نے اپنے آپ سے کہا اور چاروں طرف نظر دوڑائی شاید اسے تلاش کرتا ہوا آ رہا ہو مگر اسے مایوسی ہوئی۔ اس نے کچھ سوچ کر گاڑی اسٹارٹ کی اسی جگہ لے آیا جہاں مسافر اترا تھا۔ مگر دور دور تک اس کا پتہ نہ تھا، وہ بڑبڑانے لگا "لیلیٰ کے خیال میں مجنوں میاں کو ہوش ہی کہاں تھا کہ پلٹ کر دیکھ لیں کہ کچھ چھوٹا تو نہیں۔

کافی دیر انتظار کرنے کے بعد اس نے بہتر سمجھا کہ سوٹ کیس قریبی تھانے میں پہنچا دے، جو بھی ہوگا پولس نمٹ لے گی۔ میرا کام تو ختم ہو جائے گا۔

رحمت ان لوگوں میں سے نہیں تھا جنکا دل مفت کا مال پا کر بلیوں اچھل پڑتا ہے۔ اگرچہ اس نے اپنے بی اے فیل دوست شعراں (اشعار) کہنے کی لت تھیا رہا قول سناتا تھا کہ "مفت کی شراب قاضی کے یہاں حلال ہے"۔ اس سے پہلے ہی ایک بار ایسا ہوا تھا کہ ایک بوڑھا جوڑا اس کی گاڑی میں ایک بنڈل بھول گیا تھا جس میں بینک پاس بک اور پانچ قیمتی نئی ساڑیاں تھیں، ان کی باتوں سے اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلے میں شاپنگ کر کے لوٹے ہیں۔ اس نے وہ بنڈل تھانے پہنچانے کے بجائے پاس بک میں درج ان کے پتے کی بنا پر ان کے گھر پہنچ کر بنڈل ان کے حوالے کر کے ان کی خوب دعائیں لی تھی اور اس طرح خوش ہوا تھا جیسے وہ بنڈل اس بوڑھے جوڑے کا نہیں اپنے ماں باپ کا تھا۔

رحمت کو آٹو چلاتے ہوئے دو برس ہو رہے تھے۔ اس دوران اس نے کبھی پیسوں کا لالچ نہیں کیا تھا۔ گاڑی کا میٹر بگاڑ کر مسافروں سے افزود کرایہ اینٹھنا طویل مسافت والے مسافروں کو کم مسافت والے مسافروں پر ترجیح دینا اسے سخت ناپسند تھی۔ اس سلسلے میں اسے ہم پیشہ دوستوں سے طعنے بھی سننے کو ملے تھے۔ مگر اس نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی تھی۔ چنانچہ تھانے کی طرف جاتے ہوئے اچانک رحمت کو خیال آیا، کیوں نہ وہ سوٹ کیس کھول کر دیکھ لے، شاید اس کے اندر سے اس کے مالک کا اتا پتہ مل جائے۔ سوٹ کیا پولس کے حوالے کر کے وہ کھیل کو طول دینا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے پہلے کی طرح اسے خود اس کے مالک کے حوالے کرنا مناسب لگا۔ کون جانے اس میں روپیہ ہو یا زیور ہو یا سرکاری اہم کاغذات ہوں جن کی گمشدگی اسے حوالات کے پیچھے کر دے۔

یہ خیال آتے ہی اس نے ایک جگہ گاڑی روکی اور پلٹ کر سوٹ کیس اٹھایا اور اپنے پہلو میں رکھ کر اسے ٹٹولا۔ سوٹ کیس مقفل نہیں تھا۔ اس کے کھلتے ہی رحمت کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، دل دھڑکنے لگا وہ سوٹ کیس سو سو روپیہ کی بے شمار گڈیوں سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں تھی۔ اس نے جھٹ سوٹ کیس بند کر دیا اور کنکھیوں سے ادھر ادھر نظر ڈالی کہ کہیں کوئی اسے دیکھ نہ لیا ہو مگر سڑک سنسان تھی۔ اس نے سوٹ کیس اپنے پیروں کے قریب رکھ کر سوچا کہ "اسے یہ سوٹ کیس جلد ہی پولس کے حوالے کر دینا چاہیے"۔ اس کا مالک یقیناً اب تک پولس میں رپورٹ درج کرا چکا ہوگا، وہ چاہے کتنا ہی دولت مند کیوں نہ ہو اتنی بڑی رقم گنوا کر پریشان ضرور ہوگا۔ یہ خیال آتے ہی اس نے آستین سے چہرے کا پسینہ پونچھا...... مگر...... ایکسلیٹر پر ہاتھ رکھے ہی رکھے ایک خیال بجلی کی سرعت سے اس کے ذہن سے ٹکرایا، کیوں نہ یہ رقم وہ خود رکھ لے۔ وہ خود بھی کچھ کم پریشان نہیں ہے۔ اس کے سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔ اس روپیہ سے وہ سلطان پالیہ میں چھوٹے سے سائیٹ پر گھر بنوا سکتا ہے۔ کیوں کہ وہ شیواجی نگر کے پنشن محلہ کے ایک جیل کی کوٹھری نما مکان میں اپنے خاندان کے ساتھ رہتے ہوئے تنگ آ چکا تھا۔ اس کے علاوہ اس روپیہ سے وہ اپنی بہن رابعہ کی شادی بھی کر سکے گا جو جوڑے کے دس ہزار روپے کے مطالبے پر رکی ہوئی ہے۔ اور ان پیسوں سے وہ اپنی شادی کا خیال آتے ہی اس کے اندر گدگدی ہونے لگی۔ اس کی نگاہوں اور خالہ زاد بہن مبین تاج کا چہرا رقص کرنے لگا۔ ساتھ ہی اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں...... اب میں جوان ہو گیا ہوں، میری داڑھی مونچھیں نکلنے لگیں ہیں۔ اب کے مولود کے مہینے میں وہ بائیس برس کا ہو جائے گا۔ وہ اپنے چہرے پر ہاتھ

Unfiled Notes Page 32

پھیر کر مسکرایا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ اب وہ اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا لیکن اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا دل کوئی اندر ہی اندر مسل رہا ہو۔ اسے اپنی گاڑی کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا، ایک جگہ وہ سائیکل سوار سے ٹکرانے سے بچا تو ایک درخت کے نیچے گاڑی روک دی اور سیٹ کے پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے اندر جنگ ہو رہی تھی، عقل اور دل کی جنگ۔ عقل کہتی تھی کہ قسمت سے اتنا روپیہ ملا ہے تو اس سے بھرپور فائدہ اٹھاؤ۔ اس نے چوری تو نہیں کی ہے، روپیہ تو اپنے آپ اس کے پاس آیا ہے۔ اسے اپنے پی اے فیل دوست کا فتویٰ یاد آنے لگا "پرائی مرغی اپنے آپ گھر آئے تو قاضی یہاں حلال ہے، اور پھر کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوگی۔ وارے نیارے ہو جائیں گے .... مگر دل کہتا ہے فرض کر و سوٹ کیس تمہارا ہوتا اور کسی کے ہاتھ لگتا تو .... تب!

رحمت نے جھنجھلا کے اپنے سر کو ٹھوکا دیا .... الو کا پٹھا .... اونہہ میاں رحمت تم کہاں تک خود کو دھوکہ دو گے۔ گناہ آخر گناہ ہے۔ کوئلے پر سونے کا ملمع چڑھانے سے وہ سونا نہیں ہو جاتا۔ میں بھی کیا الٹی سیدھی سوچنے لگا ہوں، لعنت تیری کی......

اس نے گاڑی بیک کر کے پھر تھانے کی طرف موڑ دی۔ دل نے جنگ جیت لی۔

تھانے پہنچ کر اس نے سوٹ کیس تھانے دار کی میز پر رکھ دیا، سلام صاحب! اسے کوئی مسافر میری گاڑی میں بھول گیا ہے۔

اس نے محسوس کیا کہ ابھی کچھ دیر قبل اس کے سینے پر کوئی پتھر تھا جو یہاں آتے آتے لڑھک گیا ہے۔ وہ خود کو بالکل ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ انسپکٹر نے ایک نظر سوٹ کیس پر ڈالی اور پوچھا "کیا یہ مقفل نہیں ہے؟"

نہیں .... اسی لیے میں نے اسے کھول کر دیکھا تھا۔ شاید اس کے اندر اس کے مالک کا اتا پتا مل جائے، اس میں تو صرف نوٹ ہیں۔ انسپکٹر نے پہلے تو بغور سوٹ کیس کو دیکھا پھر اسے کھول کر نوٹوں کی گڈیاں گن ڈالیں اور بڑبڑایا "پانچ لاکھ"! پھر اس نے ماتحتوں کو آواز دی۔ سب مل کر سوٹ کیس اور نوٹوں کی جانچ پڑتال میں لگ گئے۔ اس سے فارغ ہو کر انسپکٹر اس کے قریب آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا "تمہارا نام ؟"

رحمت ..... محمد رحمت اللہ۔

تم نے اس مسافر کو کہاں سے لیا تھا؟

جے نگر تواں بلاک کے قریب وہ گاڑی میں سوار ہوا اور رحمت نگر اتر گیا تھا جب کہ اس نے پہلے بلاری روڈ چلنے کو کہا تھا۔

تم نے دیکھا نہیں کہ وہ سوٹ کیس گاڑی میں چھوڑے جا رہا ہے؟

نہیں ..... سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر پیروں کے قریب رکھا ہوا تھا، اس پر میری نظر نہیں پڑی۔ کچھ دیر بعد پٹرول پمپ پر گاڑی میں پٹرول بھروا کر لوٹتے وقت میں نے اسے دیکھا تھا۔

کیا تم اس مسافر کا حلیہ بتا سکتے ہو؟

جی ہاں.... چالیس پینتالیس برس کا سیاہ رنگ کا مضبوط جسم کا آدمی تھا چہرے پر چھوٹی سی سیاہ داڑھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی۔ کالی پینٹ اور نیلا شرٹ پہنے ہوئے تھا۔

تم نے اس میں کوئی خاص بات دیکھی تھی؟

"وہ بار بار گاڑی تیز چلانے کو کہتا تھا اور پیچھے مڑ کر بھی دیکھتا تھا۔ ہاں۔ وہ تمل اور کنڑی بولتا تھا"۔

انسپکٹر نے ایک طویل سانس لی اور رحمت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ مسٹر رحمت! میں تمہاری ایمانداری اور فرض شناسی کی قدر کرتا ہوں۔ مجھے حیرت ہے اور حیرت سے زیادہ خوشی ہے کہ تم نے سوٹ کیس میں اتنی بڑی رقم کا علم ہونے کے باوجود اپنے ضمیر کی آواز پر فیصلہ کیا۔ بلاشبہ تم اس وقت ایک تنگ اور نازک پل سے گزر آئے ہو۔ اگر تمہارے قدم ذرا بھی ڈگمگا جاتے تو کیا ہوتا ....

یہ دولت تمہیں محل تک نہیں بلکہ ایک تنگ و تاریک چار دیواری میں پہنچا دیتی جو جیل کی کوٹھری کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی تھی، تمہیں دس برس کی سزا ضرور ہوتی۔ اس طرح تمہاری زندگی برباد ہو جاتی، تم نے بلند کرداری اور فرض شناسی کی بہترین مثال قائم کی ہے۔ تم جیسے نوجوان اگر ہزار میں ایک ہی ہو تو ہمارے ملک اور معاشرے کی قسمت بدل جائے۔ اس سوٹ کیس میں رکھے ہوئے پانچ لاکھ کے نوٹ جعلی ہیں تمہارے آٹو رکشا میں سفر کرنے والا مسافر نقلی نوٹوں کا دھندا کرنے والی ٹولی کا آدمی تھا خطرے کی بو سونگھ کر وہ سوٹ کیس گاڑی میں چھوڑ کر اتر گیا تھا۔

رحمت سر سے پاؤں تک کانپ گیا مگر فوراً سنبھلا اور لاپرواہی سے کندھے جھٹکے، بولا! صاحب میرا کام تو بس یہ سوٹ کیس آپ تک پہنچانا تھا۔ نوٹ اصلی ہوں یا نقلی مجھے اس سے کیا سروکار۔

انسپکٹر خوش ہو کر اس کی پیٹھ تھپکی اور گرم جوشی سے مصافحہ کر کے ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اس کی طرف بڑھایا اور بولا، یہ تمہاری ایمانداری کی سرٹیفکیٹ ہے

رحمت انسپکٹر کو سلام کر کے اپنی گاڑی میں آ بیٹھا تو پسینے میں شرابور تھا۔ اس کے کانوں میں انسپکٹر کے الفاظ گونج رہے تھے۔ "بلاشبہ تم ایک تنگ اور نازک پل پر سے گزر آئے ہو۔ اگر تمہارے قدم ذرا بھی ڈگمگاتے تو جانتے ہو کیا ہوتا؟....

یہ دولت تمہیں محل نہیں ایک تنگ و تاریک چار دیواری میں ڈال دیتی جو جیل کی کوٹھری کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی۔ تو یہ پل .... رحمت نے اسٹارٹر پر ہاتھ رکھے ہی رکھے سوچا کہ آخر وہ کون سا پل تھا؟ یقیناً وہ پل صراط تھا جس کا ذکر ایک دن جمعہ کے خطبے کے دوران ہمارے امام صاحب نے کیا تھا کہ نیک بندے اس پل صراط سے صاف گزر جاتے ہیں اور جو گنہگار ہیں اس پر سے جہنم کی آگ میں گر جاتے ہیں

رحمت اپنے بش شرٹ کی آستین سے چہرے کے پسینے کو صاف کرتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☆☆☆

Unfiled Notes Page 33

افسانہ

محمد طارق
InamdarHouse.Kohlapur
Via,Bhatkon
Dist:Amravati-444802(M.S)
Mob-8055503366

بھتّا

وہ اسپتال کے Pedriatic Intensive Care Unit کے باہر کھڑا دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ دروازہ کانچ کا تھا، جس پر گلاب کے پھول اور پھولوں کے درمیان دو ننھے بچوں کے مسکراتے ہوئے چہرے بنے ہوئے تھے۔ پھول کی طرح کھلے کھلے چہرے...... چہروں کے اوپر کانچ کا گول حصہ شفاف تھا جس میں سے اندر جھانکا جاسکتا ہے۔

وہ شفاف کانچ سے اندر جھانک رہا تھا۔ اندر اس کا بیٹا تھا جسے دنیا میں آئے ابھی صرف آٹھ دن ہوئے تھے۔

آٹھ روز پہلے جب اس کی بیوی کو دردِ زہ شروع ہوا تھا تب وہ اسے فوراً اسپتال لے آیا تھا۔ لیڈی ڈاکٹر نے اسے ایڈمٹ کرنے میں کوتاہی نہیں کی تھی۔ کیونکہ وہ اسی کی مریضہ تھی، جب اسے دو ماہ کا حمل تھا تب سے وہ اپنی بیوی کو اسی لیڈی ڈاکٹر کے پاس بلاناغہ ہر ماہ

چیک اپ کے لئے لاتا رہا تھا۔ وہ مطمئن تھا کہ لیڈی ڈاکٹر کی اس نے کافی تعریف سنی تھی۔

ابھی اس کی بیوی کو اسپتال میں ایڈمٹ ہوئے تین گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے کہ لیڈی ڈاکٹر اس کے پاس آئی اور بولی "تمہاری بیوی کو زیادہ درد نہیں ہو رہا ہے۔ آپریشن کرنا ہوگا اور تیس ہزار روپے خرچ آئے گا اور دوائیاں الگ سے۔

یہ سنتے ہی اس کے پیروں تلے کی زمین کھسکنے لگی۔ اس نے التجا آمیز لہجے میں کہا، ڈاکٹرنی صاحبہ...... میں بہت غریب آدمی ہوں۔

غریب ہو تو سرکاری اسپتال لے جاتا تھا۔ لیڈی ڈاکٹر کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

آپ کی میں نے بہت تعریف سنی تھی، اس لئے جیسے ہی میری بیوی کا حاملہ ہونے کا پتہ چلا میں آپ ہی کے پاس لاتا رہا ہوں۔

ارے بھیا تمہاری بات برابر ہے مگر یہ سرکاری اسپتال نہیں ہے۔ بیوی کی زندگی چاہتے تو آپریشن کرانا ہوگا کیوں کہ اسے درد بالکل نہیں ہو رہا ہے۔ لیڈی ڈاکٹر نے اسے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی۔

ڈاکٹرنی صاحبہ! اسے درد آ رہا ہوگا مگر اسے درد سہنے کی عادت پڑ چکی ہے۔ زمانے سے وہ درد سہتی آ رہی ہے، بیٹی ہونے کا درد، بہن بننے کا درد، سماج میں بے حیثیت ہونے کا درد اور اب ماں بننے کا درد، وہ درد کا کبھی اظہار نہیں کرتی، اس میں بہت سہن شکتی ہے۔ اسے درد ہو رہا ہوگا، آپ یقین کیجئے، آپ بھی عورت ہیں، دیکھنا اسے بغیر آپریشن کے ہی بچہ ہوگا، آپ تھوڑا انتظار تو کیجئے۔

میں انتظار نہیں کر سکتی، اندر بچہ کمزور ہے، بچے کی جان جا سکتی ہے یا ماں کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے، آپریشن کرنا ہوگا۔ لیڈی ڈاکٹر نے اسے پھر ڈرایا

نہیں ڈاکٹرنی صاحبہ اور تھوڑا انتظار کر لیجئے۔ میں جانتا ہوں میری بیوی کیسی ہے اسے درد سہنے کی بہت شکتی ہے۔ جب جب اسے بخار آتا یا ہاتھ، پاؤں، کمر میں درد ہوا وہ کسی سے کچھ نہیں کہتی تھی، گھر کا سارا کام کاج خاموشی سے کرتی رہی تھی۔

کیسے آدمی ہو تم! میں کیا کہہ رہی ہوں اور تم کیا کیا بک بک کئے جا رہے ہو۔ لیڈی ڈاکٹر نے اسے ڈانٹا۔ اسی وقت ایک نرس دوڑی دوڑی آئی اور اس کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ "میڈم ان کی پتنی کی ڈلیوری ہو گئی ہے"۔

جواب میں لیڈی ڈاکٹر نے تیوری چڑھا کر اس کی طرف دیکھا، نرس سہم گئی۔ مگر اس خبر سے اس کی باچھیں کھل گئیں۔

میڈم! (نرس کی زبانی میڈم سن کر وہ بھی میڈم کہہ کر مخاطب کیا) میں نے کہا تھا کہ میری پتنی کو درد سہنے کی عادت ہے۔ اس نے ماں بننے کے درد کو بھی ظاہر نہیں کیا۔ لڑکا ہوا یا لڑکی پوچھنے کے لئے نرس کی طرف مڑا مگر نرس جا چکی تھی۔ وہ لیڈی ڈاکٹر کی طرف مخاطب ہوا! میڈم مجھے بتائیے گا میری پتنی کو کیا ہوا لڑکی یا لڑکا۔ جواب میں لیڈی ڈاکٹر نے "ہوں" کہا اور چلی گئی۔

دو ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ وہ واپس آئی اور کہا "بھگوان کی کرپا سے تو تمہاری پتنی کی ڈلیوری نارمل ہوئی لڑکا ہوا ہے مگر بہت کمزور ہے، پیدا ہونے کے بعد وہ بالکل نہیں رویا ہے۔

تو کیا ہوا...... زندگی بھر تو اسے میری طرح رونا ہی ہے۔

وہ رونا الگ ہے اور بچہ کا پیدا ہوتے ہی رونا الگ بات ہے۔ نہ روئے تو خطرے کی بات ہے۔ لیڈی ڈاکٹر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

عجیب بات ہے میڈم کہ انسان کا پیدا ہوتے ہی نہ رونا خطرے کی بات بن جاتی ہے اور اس کا زندگی بھر کا رونا کسی کے لئے خطرے کی بات نہیں بنتی؟

Unfiled Notes Page 34

تمہاری اس طرح کی بکواس کو سننے کے لئے میرے پاس وقت نہیں۔ لیڈی ڈاکٹر چڑ کر کہنے لگی۔ بچہ بہت کمزور ہے اس کی زندگی خطرے میں ہے اسے فوراً آئی سی یو میں ایڈمٹ کرنا ہوگا۔ میرے اسپتال میں آئی سی یو نہیں ہے........ جلدی بتاؤ۔ لیڈی ڈاکٹر نے اسے اس انداز میں کہا کہ وہ گھبرا گیا۔

کس اسپتال میں آئی سی یو ہے؟ میرے بیٹے کو کہاں ایڈمٹ کروں۔ اس کے لہجے میں لرزش آ گئی تھی۔

ٹھہرو! میں بات کرتی ہوں، کہہ کر اپنے کیبن میں چلی گئی۔

وہ خوف زدہ سا بینچ میں بیٹھ گیا۔ سر جھکائے ماتھے پر ہاتھ رکھے۔ کیبن میں لیڈی ڈاکٹر کے کان سے موبائل فون لگا تھا۔

ہیلو!...... پی آئی سی یو کا کیس بھیج رہی ہوں، ڈیلیوری نارمل ہوئی ہے۔ بچہ بھی تندرست ہے مگر اسے آٹھ دس روز رو کے رکھنا۔

"پارٹی کیسی ہے" دوسری طرف سے پوچھا گیا

پارٹی تو خود کو غریب کہہ رہی ہے، ہر کوئی میرے پاس آتا ہے تو پہلے خود کو غریب ہی بتاتا ہے، جیسے دیش کے سارے غریبوں کے لئے ہی میں نے اسپتال کھولا ہے۔ لیڈی ڈاکٹر کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"پھر بھی کتنا دم ہے" دوسری طرف سے منجھے ہوئے بیوپاری کی طرح پوچھا گیا۔

بس انگلی ٹیڑھی کرنے پر خود ہی پتہ لگ جائے گا۔

ٹھیک ہے بھیج دو، مجھے ٹیڑھی انگلی سے گھی نکالنا آتا ہے۔

میرا کمیشن دینا مت بھولنا میں نارمل ڈیلیوری کے زیادہ پیسے نہیں لیتی۔"

ٹھیک ہے اطمینان ہوتے ہی لیڈی ڈاکٹر نے موبائل کان سے ہٹایا اور فاتحانہ انداز سے کیبن سے باہر آئی۔

اسے دیکھ کر وہ بینچ سے کھڑا ہو گیا۔ لیڈی ڈاکٹر اس کے پاس آ کر بولی، میں نے پی آئی سی یو اسپتال سے بات کر لی ہے۔ بہت مشکل سے وہاں کا ڈاکٹر راضی ہوا ہے۔

اس نے بیتابی سے پوچھا اسپتال کا نام اور پتہ؟

لیڈی ڈاکٹر نے اسپتال کا نام اور پتہ بتایا۔ وہ سنتے ہی بڑی عجلت میں اسپتال کے گیٹ سے نکلا اور ایک آٹو رکشا لے کر آیا۔ جب نرس نے لحاف میں لپٹا اس کا نوزائیدہ بچہ اسے سونپا تو اس کی باہوں میں آتے ہی بچہ رونے لگا اور وہ خوشی سے تقریباً چیخ اٹھا۔ میڈم دیکھو میرا بیٹا رو رہا ہے...... میرا بیٹا رو رہا ہے۔

اس کی آواز سن کر میڈم اپنے کیبن سے نکل آئی اور اس کی مسرت کو یہ کہہ کے خوف میں بدل دیا کہ "بچے کے دل کی دھڑکن برابر نہیں چل رہی ہے اسے ہارٹ پرابلم ہے دیر مت کرو...... جاؤ جلدی...... فوراً

وہ خوف زدہ اور گھبرایا اپنے بیٹے کو سینے سے لگائے آٹو رکشا میں بیٹھ گیا۔ بھائی! ذرا جلدی چلو........ میرے بیٹے کو ہارٹ کا پرابلم ہے۔

لرزتے لہجے میں وہ آٹو والے سے بولا۔

دوسرے ہی پل آٹو سڑک پر فراٹے بھرنے لگا اور مطلوبہ اسپتال پہنچ گیا۔ اپنے بیٹے کو سینے سے لگائے وہ آٹو سے اتر کر اسپتال کی سیڑھیاں چڑھا ویٹنگ روم میں پہنچا جہاں ایک نرس بیٹھی آنے والے مریضوں کے کارڈ بنا رہی تھی۔ وہ سیدھا اس نرد کے پاس جا کر کہا میڈم مجھے فلاں اسپتال سے بھیجا گیا ہے، میرا بیٹا سیریس ہے۔

نرس فوراً ڈاکٹر کے کیبن میں گئی اور دوسرے پل باہر آ کر اسے اندر جانے کا اشارہ کیا اور وہ بچہ لئے کیبن میں گیا۔ ڈاکٹر نے اسٹیتھوسکوپ سے بچے کی جانچ کرنے کے بعد کہا" بچے کے دل کی دھڑکن برابر نہیں ہے۔ اسے ہارٹ پرابلم ہے۔ پی آئی سی یو میں رکھنا ہوگا۔

جی صاحب! اوپر بھگوان ہے اور نیچے آپ ہیں، بس میرے بیٹے کو بچا لیجئے وہ گڑگڑایا۔ ڈاکٹر نے سر ہلاتے ہوئے "ہوں" کہا۔ ٹھیک ہے کاؤنٹر پر دس ہزار روپے جمع کرادو۔

"دس ہزار روپے" اس کی آنکھیں پھٹ گئیں، پیشانی پر شکنوں کا جال تن گیا

ہاں...... ہاں...... دس ہزار روپے ڈاکٹر بھوئیں سکوڑ کر بولا۔

"میرے پاس ابھی اتنے پیسے نہیں ہیں"

پیسے نہیں تو بچہ لے جاؤ، یہاں علاج کے لئے پیسے لگتے ہیں۔

ڈاکٹر کے پاس تھوڑی بھی ہمدردی نہیں تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ ہاتھ جوڑ کر کپکپاتی آواز میں ڈاکٹر سے کہنے لگا "ڈاکٹر صاحب! میرے پاس ابھی صرف پانچ ہزار روپے ہیں۔ مجھے آج دن کی مہلت دیجئے میں کل پانچ ہزار روپے جمع کرا دوں گا۔

ڈاکٹر نے جواب دیا "ٹھیک ہے"۔

ڈاکٹر نے ٹیبل پر رکھی گھنٹی بجائی، نرس آئی تو ڈاکٹر مخاطب ہوا، ان کے بچے کا کارڈ بنا کر بچے کو پی آئی سی یو میں لے جاؤ۔ وہ ڈاکٹر کو تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا تو اس سے ڈاکٹر بولا "تم آج پانچ ہزار روپے اور کل پانچ ہزار روپے جمع کرا دینا۔ پی آئی سی یو کا چارج پانچ ہزار روپے روز ہے،...... سمجھے۔ وہ لاچار انسان کی طرح سر ہلا کر رہ گیا۔

نرس نے ڈاکٹر کے حکم کی تعمیل کی، کارڈ بنا کر اسے تھمایا اور اس کے بیٹے کو لے کر کیبن سے نکلی۔ وہ بھی اس کے پیچھے چلا۔ نرس پی آئی سی یو کا دروازہ کھول کر جیسے ہی اندر گئی تو وہ بھی اس کے ساتھ جانے لگا۔ نرس نے سے ڈانٹ دیا۔

ارے تم...... اندر نہیں آنا، یہ پی آئی سی یو ہے یہاں اندر صرف بچے کی ماں ہی آ سکتی ہے۔ تم باہر رہو...... دیکھنا ہے تو دروازے کے کانچ سے باہر رہ کر دیکھو

ٹھیک ہے بہن جی۔ وہ دروازے کے باہر کھڑا اشفاف گول کانچ سے

Unfiled Notes Page 35

اندر جھانکنے لگا۔ نرس نے اس کے بیٹے کو سفید چادر والے بستر پر لٹا دیا، اور باہر آئی اسے دروازے سے باہر کھڑا دیکھ کر تلخ لہجے میں بولی "تم ابھی تک یہاں کھڑے ہو۔ جاؤ...... کاؤنٹر پر جا کر اپنا نام اور پتہ، اور کس اسپتال میں بچّی کی ڈلیوری ہوئی۔ یہ سب لکھوا کر پیسے جمع کر دو۔ یہاں کا قاعدہ ہے پیسے جمع کرنے سے پہلے بچے کو پی، آئی، سی، یو میں نہیں رکھا جاتا ہے۔

اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ مجرم کی طرح سر جھکا کر کاؤنٹر پر گیا اور اپنے نام و پتہ کے ساتھ اس اسپتال کا نام درج کروایا جہاں اس کی بچّی کی ڈلیوری ہوئی تھی اور لیڈی ڈاکٹر کا نام لکھا کر پانچ ہزار روپے جمع کرائے اور باقی کے پانچ ہزار کل جمع کرنے وعدہ کر کے واپس آ گیا۔

بیٹے کی پیدائش کی خوشی بیٹے کی زندگی کے لئے پیسے جمع کرنے کی فکر کھا گئی تھی۔ وہ پریشان اپنے دوستوں کے پاس گیا مگر اس کے دوست مالدار نہیں تھے، کیونکہ غریب کے دوست مالدار نہیں ہوتے۔ پھر بھی کئی دوستوں نے مل ملا کر اسے دس ہزار روپے بطور قرض دئے۔ اس کے بعد اپنا چار ایکڑ کھیت چالیس ہزار روپے میں ایک مہاجن کے پاس ایک سال کے لئے گروی رکھ دی۔ پچاس ہزار روپے جیب میں آتے ہی اس پر چھائی لاچاری، بے بسی اور مایوسی ختم ہو گئی۔

پیسہ...... جذبات و احساسات کو بھی کیسا کنٹرول کر لیتا ہے۔ جیسے پیسا انسان کے لئے ایک ٹانک...... ایک پاور...... خدا کی بنائی ہوئی دنیا کا حاکم۔ شاید اس لئے کہ دنیا بازار بن چکی ہے، ہر رشتہ، ہر جذبہ خرید و فروخت کی چیزیں ہو چکی ہیں......... ہر کام ایک تجارت!۔

وہ بازاری دنیا میں پچاس ہزار روپے جیب میں رکھ کر سر اٹھائے ایک باحیثیت شخص کی طرح اس اسپتال میں پہنچا جہاں اس کی بیوی ایڈمٹ تھی، وہ لیڈی ڈاکٹر سے ملا اور کہا: میڈم ڈاکٹر صاحب نے میرے بیٹے کو ایڈمٹ کر لیا ہے مگر پی، آئی، سی، یو میں ماں کے سوا کسی کو رہنے کی اجازت نہیں ہے اس لئے......

ہاں ہاں! میں سمجھ گئی کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔ لیڈی ڈاکٹر اس کی بات کاٹ کر بولی۔ تمہاری بچّی ابھی کمزور ہے، آج ہی اس کی ڈلیوری ہوئی ہے۔ میں اسے پرسوں چھٹی دے دوں گی۔

ٹھیک ہے .... اس نے اطمنان کی سانس لی اور اپنی بیوی سے ملا اور اسے بچے کے بارے میں بتایا۔

بیوی رونے لگی تو اسے دلاسہ دیا اور کہا فکر کی کوئی بات نہیں اپنا بیٹا اچھا ہے، تھوڑا کمزور تھا اس لئے ڈاکٹرنی نے پی، آئی، سی، یو، میں رکھنے کے لئے کہا تھا پرسوں تمہاری چھٹی ہو جائے گی تم خود چل کے دیکھ لینا۔

"سچ کہہ رہے ہو" بیوی کی پلکوں سے آنسوؤں کے موتی ٹوٹنے لگے

ہاں!" بھگوان کی قسم"

بیوی اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا کر بولی "بھگوان کے بعد میں تم پر ہی بھروسہ کرتی ہوں۔

اس نے محبت سے بیوی کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے اطمنان دلایا اور پھر وہاں سے نکل کر اس اسپتال میں آیا جہاں اس کا بیٹا ایڈمٹ تھا۔ دو روز تک وہ دونوں اسپتالوں کے چکر لگاتا رہا۔ تیسرے دن اس کی بیوی کو چھٹی مل گئی مگر چھٹی دینے سے پہلے لیڈی ڈاکٹر اس سے نارمل ڈلیوری کے بابت سترہ ہزار روپے وصول کرنا چاہی۔ اس نے بہت منت سماجت کی تو پندرہ ہزار پر راضی ہوئی۔

وہ روپے ادا کر کے اپنی بیوی کو بچے کے پاس لے آیا۔

اسپتال پہنچتے ہی اس کی بیوی نرس کے ہمراہ پی، آئی، سی، یو میں گئی۔ وہ کانچ کے گیٹ سے اندر جھانکنے لگا تب ہی ایک نرس اس کے پاس آ کر بولی۔

اے بھیا! وہاں بینچ پر بیٹھو، رش مت کرو۔

وہ بولا، رش کہاں میں تو اکیلا ہوں۔

تم اکیلے ہو تو کیا ہوا اور بھی لوگ آ کر کھڑے ہوں گے ...... تمہاری بچّی تو اندر گئی ہے، اب تم وہاں بینچ پر بیٹھ جاؤ...... نرس کے لہجے میں ترشی تھی۔

وہ اور کچھ نہ بول کر چپ چاپ بینچ پر بیٹھ گیا۔

اس کی نظریں پی، آئی، سی، یو کے دروازے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور نرس کے ساتھ اس کی بیوی بھی باہر آئی۔ بیوی کا چہرا کھلا ہوا تھا۔ بیوی کا پر مسرت چہرا دیکھ کر وہ نرس کے لہجے کی کڑواہٹ بھول گیا۔ بیوی کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ بیوی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور بولی "اپنا بچہ تو بہت اچھا ہے مجھ سے چمٹ کر ایسا دودھ پیا جیسے، بہت بھوکا ہو، چلو ڈاکٹر سے کہہ کر چھٹی لے لیں۔

اس نے کہا، چلو...... اور وہ دونوں ڈاکٹر کے کیبن میں گئے۔

ڈاکٹر صاحب!...... یہ میری بچّی ہے، ابھی پی، آئی، سی، یو میں گئی تھی اس نے بچے کو دیکھا...... بچہ اچھا ہے آپ اسے چھٹی دے دیجئے۔

کیا کہا چھٹی!...... ڈاکٹر کے تیور بدل گئے ...... میں ابھی چھٹی نہیں دے سکتا، بچہ اچھا اس لئے لگ رہا ہے کہ اس کا علاج چل رہا ہے۔ تمہیں پتہ نہیں کہ یہ ہارٹ کا پرابلم کیا ہے، بچے کی جان کو خطرہ ہے۔

یہ ہارٹ کا پرابلم کب دور ہوگا؟

"کہہ نہیں سکتا پھر بھی چار پانچ دن تو لگ جائیں گے۔"

اس نے حساب لگایا ادھر چار پانچ روز اور ادھر تین روز کل آٹھ روز ہوئے یعنی روزانہ پانچ ہزار کے حساب سے چالیس ہزار ہوئے۔ دس ہزار تو وہ پہلے جمع کر چکا ہے۔ اور اب میری جیب میں تیس ہزار روپے ہیں۔ دل ہی دل میں حساب کرنے کے بعد اس نے ڈاکٹر سے کہا! ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب۔ اور اپنی بیوی کے ساتھ باہر نکل گیا آج اس کے بیٹے کو پی، آئی، سی، یو میں رکھے آٹھ روز ہو چکے تھے۔ دونوں میاں بیوی

Unfiled Notes Page 36

ڈاکٹر صاحب سے بڑی عاجزی سے مخاطب ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب بیٹے کو پی آئی سی یو میں رکھے آٹھ روز ہو گئے ہیں۔ روز میری پتنی دن میں تین بار اسے دودھ پلا کر جاتی ہے، وہ اچھا ہے، ہاتھ پاؤں مارتا ہے، قلقاریاں مارتا ہے۔ اسے چھٹی دے دیں۔ ہمارے پاس بچے کو پی آئی سی یو میں اور زیادہ دن رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔

ڈاکٹر اپنے دل میں آمدنی خرچ اور کمیشن کا حساب لگا کر بولا! ٹھیک ہے چالیس ہزار روپے کاؤنٹر میں جمع کر دو اور بچے کو لے جاؤ مگر آٹھ روز بعد بچے کو چیک اپ کے لیے ضرور لے آنا۔

چالیس ہزار روپے؟ اس نے حیرانہ لہجے میں ڈاکٹر سے دریافت کیا۔

ہاں چالیس ہزار روپے ــــ ڈاکٹر نے سر ہلا کر کہا۔

مگر میں نے پانچ پانچ ہزار روپے کر کے دس ہزار روپے جمع کر دیا تھا۔ جو پی آئی سی یو کا چارج پانچ ہزار کے روزانہ کے حساب سے آٹھ روز کا چالیس ہزار ہوتا ہے۔ اس لئے میں تیس ہزار روپے ہی ساتھ لایا ہوں۔

ہاں! تم نے جو دس ہزار روپے جمع کرائے تھے اس میں سے پانچ ہزار میڈیکل خرچ اور پانچ ہزار روپے ڈاکٹر کی چیک اپ فیس ہو گیا۔ ڈاکٹر نے اسے بتایا۔

ڈاکٹر صاحب! ہمارے پاس چالیس ہزار نہیں ہے، کچھ کم کر دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ اس کی بیوی گڑگڑائی۔

ارے بھئی! لینہ یادہ نہیں ہے، میں بہت کم چارج لے رہا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب کچھ تو کم کر دیجئے۔ وہ ہاتھ جوڑ کر خوشامد کرنے لگا۔

"ٹھیک ہے میں اپنے چیک اپ کی فیس دو ہزار روپے کم کر دیتا ہوں۔ تم اڑتیس ہزار روپے جمع کر دو۔ ڈاکٹر نے ہمدردی کا ناٹک کرتے ہو فراخدلی دکھائی۔

"میرے پاس تو صرف تیس ہزار روپے ہیں۔ جو میں اپنا کھیت گروی رکھ کر لایا ہوں۔ اب میرے پاس کوڑی بھی نہیں ہے۔ ہاں! ــــ میری پتنی کے کانوں میں یہ سونے کی دو بالیاں ہیں۔ وہ بیوی کے کانوں کی طرف اشارہ کر کے بھرائی آواز میں بولا۔ اس کی بیوی بھی ڈاکٹر سے بولی! آپ روپیوں کے ساتھ اسے بھی لے لیں۔

ڈاکٹر چڑ گیا اور بولا "یہ مہاجن کی دکان نہیں ــــ اسپتال ہے سمجھے یہاں کیش چلتا ہے کیش۔ تم خود جاؤ اور بالیاں بیچ کر پیسے لاؤ۔ اڑتیس ہزار سے ایک پیسہ بھی کم نہیں ہوگا۔

ماں کی ممتا تڑپ اٹھی، وہ بولی "ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب ٹھیک ہے" پھر وہ اپنے شوہر سے مخاطب ہوئی "آپ یہاں ٹھہرئے جی! میں بالیاں بیچ کر پیسے لاتی ہوں

دونوں ڈاکٹر کے کیبن سے نکلے۔ کیا تم اکیلی ہی جاؤ گی "شانو"(اس کی بیوی کا نام شانتی تھا مگر لاڈ سے وہ شانو کہتا تھا) چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔

"نہیں" وہ ICU کے دروازے کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ "تم وہیں کھڑے رہ کر اپنے بیٹے کو دیکھتے رہنا میں سنار کے دوکان جا کر بالیاں بیچ کر کچھ پیسے لاؤں۔"

وہ ہسپتال کی سیڑھیاں اتر کر چلی گئی اور وہ ICU کے دروازے پر لگے کانچ سے اندر جھانکنے لگا۔ اس کا بیٹا بستر پر پڑا ہاتھ پاؤں ہلا رہا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ دروازہ کھول کر اندر چلا جائے اور بیٹے کو سینے سے لگا کر خوب پیار کرے۔ مگر اسے اندر جانے کی اجازت نہیں ملی۔ وہ دل مسوس کر رہ گیا۔ اسنے دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھا بارہ بج رہے تھے۔ بیوی کو گئے دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ اسے فکر ہوئی کہ شانو اب تک کیوں نہیں لوٹی۔ سنار کی دوکان ہسپتال سے دوری پر تھی۔ سڑکوں پر آج کل بھیڑ بھاڑ بھی زیادہ ہونے لگی ہے۔ کہیں بھیڑ میں نہ پھنس گئی ہو۔ اس کے دل میں خدشات سر اٹھانے لگے اور بے قراری کے عالم میں ہسپتال کے گیٹ تک چلا گیا۔

ابھی پانچ منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ شانو آٹو سے اترنے لگی اور اسے دیکھ کر بولی کہ یہاں کیوں آگئے۔ آپ وہیں ICU کے دروازے پر کھڑے رہنا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور دونوں سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ اسی اثنا میں شانو نے اسے روپے دیتے ہوئے کہا کہ "لو یہ ساڑھے آٹھ ہزار روپے ہیں۔ ان روپوں کو گھر سے لائے روپوں کے ساتھ ملا کر کل اڑتیس ہزار روپے ہوئے۔ انہیں ڈاکٹر کے منہ پر دے مارو اپنے بیٹے کو لے چلو"۔ اس نے روپے اپنی جیب میں رکھے اور نرس سے اجازت لے کر ڈاکٹر کے کیبن میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر اپنے اسمارٹ فون پر گیم کھیل رہا تھا۔ اسے دیکھ کر پوچھا "کیا اڑتیس ہزار روپے لائے ہو؟" اس نے ہاں کہا تو ڈاکٹر نے نرس کو بلایا اور ICU سے بچے کو ڈسچارج کرنے کا آرڈر دیا اور کہا کہ کاؤنٹر میں روپے جمع کر دو اور یہ بھی کہ بچے کو چیک اپ کے لیے وقفے وقفے سے لاتے رہو۔ دونوں سر جھکائے ڈاکٹر کے کیبن سے نکلے۔ مگر نرس نے کہا کہ پہلے روپے جمع کر دو پھر جانا۔ اس کا جی چاہا کہ نرس کا منہ نوچ لے۔ مگر وہ بے بس تھا۔ دانت پیس کر چپ چاپ کاؤنٹر پر گیا اور روپے جمع کروائے۔

شانو اپنے بیٹے کو ICU سے لے آئی تھی۔ دونوں ہسپتال سے نکل کر باہر آئے اور ایک آٹو رکشہ پر سوار ہو گئے۔ راستے میں اس نے شانو کی گود سے بچے کو لے کر پیار کیا اور پھر شانو سے کہا کہ بالیاں تو میں نے نو ہزار میں بنوائی تھیں نا؟"

ہاں! سنار نے دو ہزار روپے بٹا کی بابت کاٹا تھا۔ میں نے بہت منت سماجت کی اور اپنی پریشانی بتائی تو اس نے ایک ہزار روپے کم کر دیے اور اپنی جانب سے بھی پانچ سو روپے دیے۔

"بڑا دیالو ہے سنار۔ دنیا ایسے لوگوں سے قائم ہے" وہ بولا

شانو نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ مگر وہ حقیقت کا اظہار نہیں کر پائی کیونکہ سنار دیالو نہیں تھا بلکہ اس نے پندرہ سو روپے دے کر میرے جسم کو بٹا لگا دیا ہے۔ میں نے اپنا جسم اس کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ بات کہنے کی اس میں شکتی نہیں تھی۔

رومت شانو! دیکھ اس ظالم دنیا میں آ کر ہمارا بچہ مسکرا رہا ہے" اس کی پیٹھ سہلاتے ہوئے اس کے شوہر نے کہا۔

☆☆☆

Unfiled Notes Page 37



طنز و مزاح

ساجد جلال پوری
Jafarabad,Jalalpur
AmbedkerNagar(UP)

خاندانی شاعر

ان سے ملیے یہ ہیں خاندانی شاعر جن کا پورا قبیلہ کل پرسوں سے نہیں برسوں سے شاعری کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ یہ آپ کو صرف ہند و پاک میں ہی نہیں دنیا کے کونے کونے میں مل جائیں گے۔ سنا ہے کہ کولمبس، واسکوڈی گاما، ابن بطوطہ وغیرہ سیاحوں نے انہیں خاندانوں کی تلاش میں نہ صرف دنیا بھر کا سفر کر ڈالا بلکہ نئے نئے براعظموں اور جزیروں کو بھی ڈھونڈ نکالا۔ نقادوں کے مطابق خاندانی شاعر بننے کے لیے کوئی خاص لیاقت، قابلیت، اہلیت، سند اور سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں، کوئی لمبی چوڑی شرط نہیں، بس آپ کی دو تین نسلیں شاعری کرنے کا جرم کر بیٹھیں یا خاندان میں دو چار لوگ شاعر بن جائیں تو آپ بھی اس فہرست میں شامل ہو سکتے ہیں۔ خاندانی شاعر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کے آباواجداد یا خاندان کا شعروشاعری سے گہرا تعلق رہا ہو۔ دوسرے وہ جو راجاؤں مہاراجاؤں، بادشاہوں، نوابوں، منصب داروں، جاگیرداروں، تاجروں کے یہاں فرمائشیں پوری کرنے کا فریضہ اسی طرح برسوں سے انجام دیتے رہے ہوں۔ جیسے موسیقار، شہنائی نواز، طبلہ نواز، مصور، رقاص، حجام، خانساماں وغیرہ کے مخصوص گھرانے ان سے جڑے رہتے ہیں

ان کو اس بات پر فخر رہتا ہے کہ جیسے آریہ، گپت، موریہ، وردھن، چوہان، خاندان غلامان، غزنوی، غوری، خلجی، تغلق، سوری، مغل، سید وغیرہ نے تلوار سے برسوں تک حکومت کی ہے اسی طرح ہمارے خاندان نے بھی ادب پر قلم سے برسوں حکمرانی کی ہے۔ یہ اس معاملے میں اتنے پر جوش ہیں کہ جوش ملیح آبادی کے شعر کو وظیفہ بنا کر دن رات اس کی مالا جپتے رہتے ہیں۔

شاعری کیوں نہ راس آئے مجھے
یہ مرا فن خاندانی ہے

ایسے بھی خاندانی شاعر نظر آتے ہیں کہ اگر ووٹنگ ہو جائے کہ کس شاعرِ اعظم کو وزیر اعظم بنانا ہے تو وہ تعداد کی بنا پر اکثریت سے انتخاب جیت سکتے ہیں۔ یا خدانخواستہ اگر جمہوری حکومت کا تختہ پلٹ جائے اور شاعری کی حکومت قائم ہو جائے تو وہ اپنا تختہ آسانی سے لگا سکتے ہیں۔ اس لیے اکثر خاندانی شاعر ''گینیز بکس آف رکارڈس'' اور ''لمکا بکس آف رکارڈس'' میں بھی سب سے بڑے گھرانے کا دعویٰ پیش کر کے اپنا نام درج کرا چکے ہیں تا کہ جب کبھی موقع ملے تو وزارت اعظمیٰ کا کانٹوں بھرا تاج اپنے سر پر سجا لیں۔

چوں کہ جب کسی شاعر کی ایک دو نسلیں شعروشاعری میں ملوث ہو کر تک بندی، قافیہ پیائی کرتی ہیں تو اسے کوہ پیائی سے کم نہیں سمجھتے۔ اسی لیے وہ اپنے کو ہمیشہ فاتح ایوریسٹ سمجھتے ہیں۔ مرزا غالب ان چونچلوں میں نہیں پڑے، انہوں نے اپنا الگ رنگ اختیار کیا۔ وہ اس جھنجھٹ میں کبھی نہیں پڑے اور نہ ہی کبھی شاعری کا جھنڈا بلند کیا۔ کیونکہ جو خود بلند ہو اسے بلند کرنے کی احتیاج نہیں۔ انہوں نے اپنے کو اس بھیڑ بھاڑ اور عوامی چھیڑ چھاڑ سے یہ کہہ کر الگ کر لیا کہ...

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

اگر بعض اولاد وراثت میں حاصل زمین جائداد پر خوش ہیں تو یہ فرضی سبحان اللہ، ماشاء اللہ اور مکرر ارشاد پر خوش ہیں۔ عوام کو وراثت میں مال منال ملتا ہے تو انہیں ''شاعری کا جنجال'' بھی ملتا ہے۔ انہیں ادب کی سنگلاخ زمین کاشتکاری کے لیے ملتی ہے، جس کو وہ زرخیز کر کے چمنستان بنائیں۔

ان کا دعویٰ ہے کہ ہم کہاں غلط لکھنے والے، ہم تو اسی قلم دان کا استعمال کرتے ہیں جو ہم کو رتن سے ورثے میں ملا ہے۔ اس لیے نہ صرف شاعری کرنے کا بلکہ سر عام شاعروں کو لوٹنے کا آبائی حق بھی ان کے لیے محفوظ و مخصوص ہے۔

یہ اپنے اجداد کی کتابیں، قطعات، رباعیات، لغویات، ہجویات، فضولیات، کلیات، دیوان مطبوعہ وغیر مطبوعہ، دیمک زدہ نسخے، مخطوطات، شیروانیاں، ٹوپیاں و دیگر تبرکات وغیرہ اپنے مکان کے آثار قدیمہ میں محفوظ رکھتے ہیں اور ہر کس و ناکس بلکہ نہ دیکھنے والے مہمانوں کو بھی ان سامانوں کی زیارت کراتے ہیں اور اپنے خاندانی شاعر ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ درمیان میں ان کے بعض اشعار جو زبان زد عام نہ ہو کر صرف ان کی زبان اور مکان میں محفوظ ہیں، اس کا ورد بھی کرتے ہیں۔

Unfiled Notes Page 38

جیسے کبھی کبھی ریگستانی علاقوں میں دوران سفر پانی کی شدید قلت کے باعث صحرائی باشندے اونٹ کے شکم کو چاک کر کے اپنی پیاس بجھا کر زندگی بچاتے ہیں اسی طرح بعض خاندانی شاعر مفلسی اور غربت کی انتہا پر، یا بعض نالائقی، لاابالی پن کی وجہ سے اپنے بزرگوں کی کتابیں، دیوان وکلیات ردی کی ٹوکری میں ڈال کر کباڑی کو بیچ کر اپنی زندگی کی جنگ لڑتے ہیں۔

جب سوداگر یا تاجر ضعیف ونحیف ہونے لگتے ہیں تو اپنے ساتھ بیٹوں کو اپنے تجارتی علاقوں میں لے جا کر بیوپاریوں سے متعارف کراتے ہوئے کہتے ہیں کہ اب میری جگہ میرے فرزند بزنس سنبھالیں گے۔ اسی طرز پر خاندانی شعراء عالم ضعیفی میں اپنے شاعر فرزند کو مشاعروں ونشستوں میں اپنی نیابت کراتے ہیں۔ اب اگر ان کا ترنم، تکلم، تبسم پسند آ گیا تو یہ نسلاً بعد نسل اپنے فریضے کو انجام دیں گے ورنہ ان کی جگہ کسی اور خانوادے کو یہ شرف حاصل ہوگا۔ جس طرح قدیم خاندانی وزیروں کے بیٹوں میں دانائی نہ ہونے پر دوسرے خاندانی وزیر تلاش کیے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ خدا کی عطا ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ خاندانی شاعروں کے یہاں ہمیشہ قابل لوگ ہی پیدا ہوں۔ کابل میں صرف ''قابل گھوڑے اور پٹھان ہی نہیں گدھے اور طالبان'' بھی ملتے ہیں۔ اس لیے جب ان کے یہاں شاعروں کی شرح پیدائش میں کمی کا احساس ہوتا ہے اور اپنی نام نہاد حکومت خطرے میں نظر آتی ہے تو یہ چند شاعروں کو گود لے کر پال لیتے ہیں جو ان کی حفاظت کے لیے ہمیشہ سینہ سپر رہتے ہیں۔ دوسری آسانی یہ رہتی ہے کہ ضرورت پڑنے پر اپنی بندوق ان کے کاندھے پر رکھ کر چلا دیتے ہیں۔ اب جب کوئی حادثہ ہوتا ہے تو وہ گرفتار ہو کر اصل قاتل کو بچا لیتے ہیں اور لے پالک ڈسپوزل کی طرح استعمال ہو جاتے ہیں۔

عام طور سے لوگ لڑائی جھگڑے، بحث وتکرار کے موقع پر ہی صرف گڑے مردے اکھڑتے ہیں۔ لیکن یہ گورکن، کان کن ماہرین کی طرح قبروں سے بھی تعزیتی نشستیں نکال لیتے ہیں۔ بچے کی ولادت سے تہنیتی مشاعرے نکال لیتے ہیں۔ مشاعرہ تلاش ہی نہیں کرتے، مشاعرہ سونگھتے بھی رہتے ہیں۔

کسی راجا، مہاراجا، جاگیردار یا تاجر کے یہاں ولادت، انتقال، عقد کی مہک ان کی ناکوں تک پہنچ جائے تو فوراً اپنی ٹیم کے ہمراہ حاضر ہو جاتے ہیں۔ ان کو پلیر نما شاعر کہیں سے لینے کی ضرورت نہیں۔ ان کے میڈیکل اسٹور پر ہر قسم کی دوا موجود ہے۔ یہ وہ ڈاکٹر ہیں جنہیں باہر کی دوا لکھنے کی ضرورت نہیں ہر قسم کی جانچ، دوائیں، دعائیں سب ایک ہی ''خاندانی اسپتال'' میں مل جائیں گی۔ بچے کا تاریخی نام، ختنہ کی نظم، عقیقہ کا وظیفہ، دولہے کا سہرا، دلہن کی رخصتی، ولادت کا تہنیت نامہ، وفات کا تعزیت نامہ، طلاق کے اداسی گیت، ہجر نامہ، وصال نامہ وغیرہ وغیرہ سب ایک ہی کاؤنٹر پر دستیاب ہیں۔ اب ظاہری بات ہے جن صاحب کو یہ ساری فیسلٹی ایک ہی مقام پر ''ڈور ٹو ڈور سروس'' کی طرح آرڈر سے پہلے ہی مل جائے تو وہ دور کیوں بھٹکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی جھمانی اور ممانی علاقوں میں دوسروں کا داخل ہونا اتنا ہی مشکل ہے جتنا مہابھارت کی جنگ میں ساتوں چکرویو کو توڑنا۔ یہ شادیوں کے لیے دلہا دلہن بھی خاندانی ہی تلاش کرتے ہیں تاکہ ان کی اولاد بھی نجیب الطرفین کہلا سکے۔ یہ اپنا شجرہ ہر وقت جیب میں لے کر گھومتے ہیں۔ اگر کسی کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی تو یہ فوراً مبارکباد دینے کے لیے نہ صرف حاضری دیتے ہیں بلکہ جیب میں ایک بھاری بھرکم تہنیتی نظم کے ساتھ پچاسوں عام نام اور دس بیس تاریخی نام بطور سیمپل (نمونہ) پیش کر دیتے ہیں کیونکہ خاندانی شاعر ہیں، روکھے سوکھے کہیں جانا مناسب نہیں۔ انشاء صاحب نصیحت میں کہہ چکے ہیں:

لے کے میں اوڑھوں بچھاؤں یا لپیٹوں کیا کروں
روکھی پھیکی سوکھی ساکھی مہربانی آپ کی

اس لیے تھوڑی خدمت ایسے ہی سہی۔ شہنائی کی آواز نہ سہی تو نظم کے الفاظ ہی سہی۔ کیونکہ انھیں خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر بروقت میری امداد یعنی مبارکباد نہ پہنچی تو دوسرا شاعر وہاں پہنچ جائے گا تب پورا کھیل بگڑ جائے گا اور میرا قبضہ اور قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔

جیسے بڑے بڑے کارپوریٹ گھرانوں میں آپس میں اتنا کوآپریٹ (اتحاد) ہے کہ بزنس کا کوئی پیسہ دوسرے گھرانوں یا کمپنیوں میں نہ جانے پائے، بالکل اسی طرح ان کی ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ مشاعروں، نشستوں وغیرہ کے سارے ٹھیکے ''خاندانی شاعر اینڈ کمپنی'' کے ہاتھوں سے کبھی نکلنے نہ پائیں۔ اس لیے ہمیشہ نئے نئے برانڈ پروڈکٹ بہ شکل شاعر لانچ کرتے رہتے ہیں۔ اچھا ہے وہ بازار میں چلے یا نہ چلے۔ ان کا چراغ جلے یا نہ جلے فیصلہ وقت کرے گا۔ جس دیے میں جان ہوگی وہ دیا رہ جائے گا۔

ان کو اس بات کا فخر ہے کہ ہم نے ادب کی اتنی خدمتیں کی ہیں، وطن کی آزادی کے لیے نظمیں لکھی ہیں کہ جبھی تو کانوں، مکانوں، پگڈنڈیوں، سڑکوں، بنگلوں، چوراہوں، تحصیلوں، تھانوں، سرکاری عمارتوں پر مجاہدینِ آزادی کی طرح ہماری تصویریں بھی لگنا چاہیے۔ ایک شاعر تو یہاں تک کہنے لگے کہ ہمارے خاندان نے کھیتوں، کھلیانوں، بیابانوں، میدانوں، ریگستانوں، چٹانوں، ندیوں، پہاڑوں، چشموں، جھیلوں، سنگ میلوں وغیرہ مناظرِ فطرت کی اتنی عکاسی کی ہے، ان کا اتنا ذکر کیا ہے، ان پر اتنا غور وفکر کیا ہے کہ ان مقامات پر شعرا کے مجسمے لگنا چاہیے۔ یہ کہتے کہتے جذباتی ہو کر کھیتوں میں کھڑے چیتھڑوں میں ملبوس بجوکا (Scare Crow) کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہاں پر شاعروں کا مجسمہ نصب ہونا چاہیے۔ ان بکھیڑوں نے تو بھی ہمارا حق غصب کر لیا ہے یعنی ان کے بقول اب یہ شعرا جانوروں کو ڈرانے دھمکانے اور بھگانے کا کام بھی کریں گے۔

بہر حال خاندانی شاعروں کا مستقبل روشن ہے یا تاریک ان کی عقل موٹی

Unfiled Notes Page 39

ہے یا باریک اس کا فیصلہ ہم نہیں کر سکتے۔ یہ عوام کے شعری ذائقہ اور ٹیسٹ پر منحصر ہے کہ کب زبان کا ذائقہ بدل جائے، کون سکہ چلن سے باہر ہو جائے، کون نیا سکہ ٹکسال میں ڈھل جائے، کب نوٹ بندی ہو جائے، کن نس بندی لاگو ہو جائے، کب علی بیگ سرور کا "فسانۂ عجائب" اردو کے عجائبات میں شمار ہو جائے، کب میر امن کے "باغ و بہار" سے اردو میں مسیم بہار آجائے۔ سیاست کے اس خراب دور میں کہنا بہت مشکل ہے۔ یہاں عوام اور حکام کا مزاج یہ ہے کہ:

جانے پھر تو نئے سال میں اب کس کو پڑھے
تیرا معیار بدلتا ہے نصابوں کی طرح

☆☆☆

سمیع احمد قمرؔ
C/O:Md.Saghir Ansari
Shree Rampur.P.O:Mahammadpur
Dist:Saran-841223(Bihar)

عید کے دن



اس کی یاد آتے ہی آنکھ ہوتی نم عید کے دن
بے رخی چھوڑ دے اے میرے صنم عید کے دن
ان کے ہونٹوں پہ بھی کھل جائیں تبسم کے گلاب
جو کہ مفلس ہیں کرو ان پہ کرم عید کے دن
سب سے کرتے رہو تم مہر و محبت کا سلوک
ہو نہ پائے کسی پر بھی ستم عید کے دن
ہم کو دیتی ہے یہی عید خوشی کی سوغات
دور ہو جاتا ہے ہر ایک کا غم عید کے دن
جب سلام اس نے کیا میرے قدم کو چھو کر
چھوٹے بچے کو بھی دی میں نے رقم عید کے دن
آپ کے آنے سے خوشیاں ہوئیں دو چند قمرؔ
میرے گھر میں جو رکھا ہے یہ قدم عید کے دن

ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمیؔ
HomeoShifaKhana.RahmatColony
Doranda.Ranchi-834002

ایک غزل



دورِ حاضر کا حال مت پوچھو
گردشِ ماہ و سال مت پوچھو
آگیا ہے سفید کاغذ پر
ذہن و دل کا اُبال مت پوچھو
کون ہوں، کس جہاں سے آیا ہوں
اتنا مشکل سوال مت پوچھو
گزرے لمحوں سے رابطہ رکھنا
کس قدر ہے محال مت پوچھو
رات، تنہائی اور سناٹا
کیسا کیسا خیال مت پوچھو
تاب سننے کی جب نہیں تم میں
درد و غم کا مآل مت پوچھو
بزمِ یاراں اور میاں بزمیؔ
جادۂ اعتدال مت پوچھو

Unfiled Notes Page 40

غــــــزلیــــــات

ڈاکٹرنذیرفتح پوری
SairaManzil.230/B/102,VimanDarshan
Lohgaon Road.Pune-411032



قہر دھرتی کا جمالی کر گیا
ابر جب مشکیزہ خالی کر گیا
اب جہاں چاہے رہے آباد وہ
جو ہمارے دل کو خالی کر گیا
تھا ہوا میں اب کے کیسا انقلاب
ہر جنوبی کو شمالی کر گیا
وقت کی نیرنگیاں تو دیکھئے
حاکموں کو بھی "سوالی" کر گیا
پھول خود تو مر گیا لیکن نذیر
تتلیوں کو درد والی کر گیا

سلیم انصاری
HIG 3,Anand Nagar.Adhartal
Jabalpur-482004(M.P)



اب عطا کون کرے گا مرا پیکر مجھ کو
کوزہ گر بھول گیا چاک پہ رکھ کر مجھ کو
میں کہ اظہار ہوں اور قید ہوں اک پتھر میں
میرے اندر سے نکالے کوئی آزر مجھ کو
اب نہ وحشت سے تعلق نہ کسی پیاس سے ربط
پھر صدا دیتے ہیں کیوں دشت وسمندر مجھ کو
کس قدر زہر بھرا ہے مری شریانوں میں
زندگی تو نے نہ دیکھا کبھی چھو کر مجھ کو
جسم کیا اب مرا احساس بھی پتھر ہے سلیم
اس نے جاتے ہوئے دیکھا تو پلٹ کر مجھ کو

عبدالحئی پیام انصاری
At/P.O:Piprauli Bazar
Via:Khajni.Dist:Gorakhpu
Pni-273212(U.P)



دل کو تیرے غم کا مسکن کر لیا
ہم نے اپنے دل کو روشن کر لیا
اور کمروں کی ضرورت جب پڑی
ہم نے چھوٹا گھر آنگن کر لیا
میں نے اک بھوکے پڑوسی کے لیے
تھوڑا پتلا اپنا سالن کر لیا
ہم کہاں سے ڈھونڈ کر لاتے چراغ
مفلسی میں دل ہی روشن کر لیا
اب مرے آنسو نہیں تھمتے پیام
میں نے ہر موسم کو ساون کر لیا

شاہدہ تسیم سالک
8904,Saxton.WestChastor
HO.45069-USA
Mob.15132653380

وہ اجنبی تھا اس سے کوئی رابطہ نہ تھا
چاہت وہ دوستوں میں کبھی بانٹتا نہ تھا
تم کیا گئے کہ لے گئے آنکھوں سے سارے خواب
حصہ ہمارے بگڑے مقدر میں کیا نہ تھا
کیوں ہم نے دل مسیحا کے پہلو میں رکھ دیا
عقدہ ابھی تو چارہ گری کا کھلا نہ تھا
شیریں بہت تھا اس کا ہر انداز گفتگو
کیا حرف تھا جو اس کے لبوں پر سجا نہ تھا
جانا تو چاہتا تھا یہ دل اس کی بزم میں
لیکن وہ دوست بھی تو کرم آشنا نہ تھا

اجمل محسن (ایڈوکیٹ)
FarhatMahal.1-9-1035,Postal
Colony.Subedari.Warangal



ہے چھوٹا سا منہ پر بڑی بات ہوگی
تو لکھ کر یہ رکھ لے تری مات ہوگی
نہیں دور وہ دن کہ جس دن فلک سے
زمیں پر عذابوں کی برسات ہوگی
قریب قیامت یہ دنیا ہی ساری
بہت مبتلائے خرابات ہوگی
ترا نفس دلہے کی گھوڑی چڑھے گا
ترے سنگ گناہوں کی بارات ہوگی
غلامی میں گزریں گے دن رات تیرے
غلاموں سے کم تیری اوقات ہوگی
فقیروں، یتیموں، ضعیفوں سے محسن
ملا کر خدا سے ملاقات ہوگی

ڈاکٹروصی مکرانی واجدی
Kanate Sokhan.BalMandir Chowk
Malangua.Dist:Sarlahi.Nepal



آدمی کرنے لگا ہے جب سے من مانی بہت
اس نے خود ہی پال رکھا ہے پریشانی بہت
وہ سمندر پار کر جاتا ہے آسانی کے ساتھ
بے ہنر کو لگتا ہے ساحل پہ بھی پانی بہت
وہ مہذب قوم کہلاتی ہے دیکھو آج کل
جس میں ہے اب بے حیائی اور عریانی بہت
مل چکا ہوں تم سے جانے کب کہاں اور کس جگہ
لگتی ہے صورت تمہاری جانی پہچانی بہت
جب گیا وہ بھی یہاں سے ہاتھ خالی ہی گیا
جس نے کی تھی زندگانی میں جہاں بانی بہت
پیار دل میں، نرم لہجہ، حوصلہ رکھو بلند
اے وصی ہو جائے گی جینے میں آسانی بہت

Unfiled Notes Page 41

فوزیہ اختر ردا (کولکاتا)

C/OSakhawat Bari Wala
5.Komedan Bagan Lane
Kolkata-700016(WB)



تجھ کو یہ گماں ہے کوئی بہتر نہ ملے گا
مجھ کو یہ یقیں ہے کوئی برابر نہ ملے گا
تو لاکھ ستم ڈھائے مرے حال پہ ظالم
''لیکن مری آنکھوں میں تجھے ڈر نہ ملے گا
اس دل کو ترے پیار کا سرمایہ ملے تو
آنکھوں میں بھی اشکوں کا سمندر نہ ملے گا
خواہش جنہیں محبوب کے دیدار کی ہوگی
دلدار سے بہتر کوئی ہم سر نہ ملے گا
شاید کہ ترے قلب میں اترے یہ مری بات
مجھ کو کبھی اس قسم کا رہبر نہ ملے گا
اب اس نے کہا ہے کہ مرے دل میں رہے گا
اب وہ بھی ردا شہر میں بے گھر نہ ملے گا

نسرین نکہت

QtrNo:H/496.Sector-15
Rourkela-769003(Odisha)

آئینہ دیکھ رہا ہے انہیں حیراں ہوکر
روبرو میرے وہ آئے ہیں پشیماں ہوکر
ان کے ہاتھوں میں بھی اب لڑنے کی قوت نہ رہی
وہ جو رہتے تھے سدا دست و گریباں ہوکر
گمرہی خوف زدہ خود ہے قریب آنے سے
روبرو اب مرے منزل ہے نمایاں ہوکر
درد کی شمع نے دل کو مرے پرنور کیا
ہر خوشی روٹھ گئی مجھ سے پریشاں ہوکر
کون ہوں' کیا ہوں' حقیقت مری آخر کیا ہے؟
تم بھی کب سمجھے مجھے صاحب ایماں ہوکر
کہکشاں مجھ کو مربب نے بتایا نکہت
بن گئے تارے مرے زخم درخشاں ہوکر

ارشد قمر

Lal Kotha Road.Muslim Nagar
Dalton Ganj(Plamu).Jharkhand



حوصلے لے کر گزرتے ہیں جو ہر اک گام سے
وہ کبھی ڈرتے نہیں اپنے کسی انجام سے
راحتوں کا سبز موسم اب ادھر آتا نہیں
ہر گھڑی ہے واسطہ بارِ غم و آلام سے
حوصلہ دیکھو تو اس کا' کام کیا کر گیا
دھوپ آیا ہے آنگن میں وہ اونچے بام سے
کامیابی کی بشارت وہ یقیناً پائے گا
کام کا آغاز کر لے جو خدا کے نام سے
کیا پتہ کب کس کا سر نیزے پہ آجائے قمر
ہر کوئی دہشت زدہ ہے زندگی کی شام سے

حمید عکسی

14-6-39,Nizampura.MandiBazar
Warangal-506002(T.S)



وہی اندھی ڈگر ہے اور میں ہوں
بڑا لمبا سفر ہے اور میں ہوں
کہاں اتری ہے دستارِ فضیلت
وہی کندھے پہ سر ہے اور میں ہوں
نہیں محتاج میں اوروں کا ہرگز
مرا دستِ ہنر ہے اور میں ہوں
کوئی بھی ساتھ آئے یا نہ آئے
مرا عزمِ سفر ہے اور میں ہوں
ابھی بدلہ نہیں ہے کوئی منظر
وہی ویران گھر ہے اور میں ہوں
ورنگل کی زمیں پر آج عکسی
مرے فن کا سفر ہے اور میں ہوں

محمد ممتاز شعور

Qtr.No-E-2.PWDColony
BrooksHill.Sambalpur-768001



رب سے جو دعا مانگی اب اس کا اثر آیا
پردے کے جو پیچھے تھا وہ صاف نظر آیا
وہ شدتِ بے تابی جذبات کی محفل میں
جو دل میں پریشاں تھا لفظوں میں ابھر آیا
تقدیر کی کروٹ میں خوشیوں ک ادائیں تھیں
صبح کا بھولا کوئی جب شام کو گھر آیا
مظبوط ارادے تھے اور حوصلے جن میں تھے
ایسا ہی عمل لے کر نصرت کی خبر آیا
یہ ہاتھ شعور اپنا ہم کس سے ملاتے جب
جس ہاتھ میں دیکھا تو پتھر ہی نظر آیا

سالک ادیب

Qazi Mohalla.Bonth
P.O:PadhanPada
Dist:Bhadrak-756114(Odisha)

یادوں کی طرح بزم میں شامل نہیں رہا
جھوٹی تسلیوں کا میں قائل نہیں رہا
جینے کا پھر جہان میں کیا لطف ہے جناب!
جب کوئی بھی رقیب مقابل نہیں رہا
جب جھکنے لگے غیر کے دربار میں یہ سر
تو سوچ لینا سجدے کا قابل نہیں رہا
کھیلی ہے جس نے خون کی ہولی تمام عمر
منصف وہی ہے آج وہ قاتل نہیں رہا
اکتا گیا ہے عشق سے سالک ادیب بھی
اب چاہتوں کی سمت وہ مائل نہیں رہا

Unfiled Notes Page 42

ارشد میناگری (مرحوم)

MominPura.Sr.No-51
Malegaon.Dist:Nasik-423203(M



دل سے جب دل کے سلسلے ٹوٹے
منزلیں چھوٹیں، راستے ٹوٹے
آگ نفرت کی اس قدر بھڑکی
بجھ گئے چہرے، آئینے ٹوٹے
ان کا ہر وعدہ اس طرح ٹوٹا
جیسے پانی کے بلبلے ٹوٹے
کیا چمن میں بہار آئے گی
غنچے شاخوں سے بن کھلے ٹوٹے
بنگلے بنتے گئے امیروں کے
ہم غریبوں کے جھونپڑے ٹوٹے
ظلمتوں کا ستم نہ پوچھ ارشدؔ
فکر و احساس کے دیے ٹوٹے

ارشاد مظہری

25/1/2Topsia Road
Kolkata-700039(W.B)

گلوں سے قطرۂ شبنم پھسلنے والا ہے
ذرا سی دیر میں سورج نکلنے والا ہے
نئے مزاج کا ساون ہے، آگ برسے گی
تمہاری یاد کا جنگل بھی جلنے والا ہے
یہ چاند تارے بھی ہجرت کی بات کرتے ہیں
مری کہانی کا عنواں بدلنے والا ہے
ابھی تو آ کے ہو جانے کی بات کرتے ہو
ذرا سا ٹھہرو! ذرا دل بہلنے والا ہے
کہاں دکھاؤ گے ارشادؔ کس کو آئینہ
یہ وقت روز ہی چہرہ بدلنے والا ہے

علیم طاہر

MominPura.Sr.No-51
Malegaon.Dist:Nasik-423203(M.S)



ذرا اذیت پہ تھک رہے ہیں
نظر نظر میں کھٹک رہے ہیں
ذرا رکھو بھی زباں پہ قابو
حضور کیا کیا یہ بک رہے ہیں؟
نشہ نہ اترا جو عاشقی کا
نشے میں کیا کیا مٹک رہے ہیں
ہراک شجر پر مرے چمن میں
شریر بندر لٹک رہے ہیں
کہاں ملی ان کو کوئی منزل
ابھی تلک وہ بھٹک رہے ہیں
تمہاری آمد پہ آج طاہر
تمام رستے چمک رہے ہیں

غلام سرور ہاشمی

BasdilaTola Murghiyan
Gopal Ganj-841428(Bihar)

یوں دور اتنا جاؤ نہ میرے قریب سے
ملتا ہے کوئی چاہنے والا نصیب سے
آتے نہیں ہو جب بھی ملنے کے واسطے
خوابوں میں دیکھ لیتا ہوں تم کو قریب سے
سیراب ہو رہے ہیں سبھی آ کے تشنہ کام
جاری ہے فیضِ عام دیارِ حبیبؐ سے
بیمار ہوں پڑوسی تو ان کا رکھو خیال
دیکھو ذرا انھیں بھی جا کر قریب سے
منہ اپنا پھیر لیتے ہیں مشکل میں دیکھ کر
امید خیر کیسے رکھوں میں حبیب سے
سرورؔ خدا سے شکوے کی عادت نہیں ہے ٹھیک
پاتا ہے رزق ہر کوئی اپنے نصیب سے

رفیع احمد آفتاب (جرنلسٹ)

Moh:KhudaNagar.P.S/Chataini
P.O:EastChamparan.Bihar
Mob-9931466376

دیکھتے دیکھتے یہ جہاں لٹ گیا
یہ زمیں لٹ گئی، آسماں لٹ گیا
جسم کا ایک حصہ جدا ہوگیا
ہم مکینوں کے دل کا مکاں لٹ گیا
پار دریا بھی کرنا پڑا ہے مجھے
کشتی چلتی رہی بادباں لٹ گیا
گل صنوبر کے قصے سناتے بھی کیا
باغباں لٹ گیا، گلستاں لٹ گیا
جس کے دم سے بہاروں میں تھی تازگی
کیسی پچھوا چلی آشیاں لٹ گیا
اس غزل میں کہاں حسن ہے آفتابؔ
نغمگی لٹ گئی، سوز خواں لٹ گیا

امتیاز احمد دانش

AhmedHouse.BakhshiNagarGate
KhetanMohalla.Arrah-802301
Bihar.Mob-6204056560

زمیں تو چھین لی اب آسمان رہنے دے
دلِ حزیں میں شفق کا گمان رہنے دے
ہر ایک اینٹ میں پوشیدہ ہے مری تہذیب
پرانی شکل میں میرا مکان رہنے دے
تمام عمر مسافت میں کس طرح گزری
تو اپنے رخ پہ سفر کی تکان رہنے دے
یہی تو آخری حربہ بچا ہے میرے لیے
خدا کے واسطے منہ میں زبان رہنے دے
انھیں بھی دھوپ کی شدت کا کچھ تو ہو احساس
سروں پہ شیشے کا یہ سائبان رہنے دے
کنارے آ گئی آخر یہ کشتی امید
ہوائے وقت بھلا بادبان رہنے دے

Unfiled Notes Page 43

عبدالحق بیتاب

JolasahiBuxibazar
Cuttack.753001
M.no.8338929642



برف پر لکھی ہوئی تحریر ہوں
میں حیاتِ خضر کی تفسیر ہوں
دور سے تجھ کو نظر آجاؤں گا
ظلمتوں کے جھنڈ میں تنویر ہوں
ان کی آنکھوں کے لیے میں ایک خواب
اور اپنے واسطے تعبیر ہوں
فکر کو دوں گا شعورِ انقلاب
حرفِ شعلہ آتشیں تقریر ہوں
جذبۂ تخریب کے دل میں نہاں
دیکھیے اک حسرتِ تعمیر ہوں
اپنے حق میں آج بھی بیتاب میں
بے صدا ہوں، چپ کی اک زنجیر ہوں

رفیق رضا

Dewan Bazar,Cuttack-753001
(Odisha)



کتابِ دل میں گل کاری کے افسانے نہیں آتے
لبوں تک آج کل چاہت کے پیمانے نہیں آتے
لگی ہے چوٹ اپنوں سے ہمارے دل کے شیشے کو
ہمیں تکلیف دینے کوئی بیگانے نہیں آتے
اگر کوشش میں شامل مرضیِ مولا نہیں ہوتی
ہمارے ہاتھ خوش حالی کے دردانے نہیں آتے
عداوت کا چلن لوگوں نے جب سیکھا نہیں ہوتا
ہمارے دل کی مسجد کو کبھی ڈھانے نہیں آتے
اجالوں کا اثر ہونے لگا ہے اے رضا الٹا
جلا کرتا ہے دیپک اور پروانے نہیں آتے

شاکر وارثی

Sutahat.P.O:Buxi Bazar
Cuttack-753001(Odisha)

کہیں دغا، کہیں دھوکہ دکھائی دیتا ہے
چہار سمت ہی خطرہ دکھائی دیتا ہے
ہمیشہ دل میں جو رکھتا ہے بغض اور کینہ
اسی پہ سب کا بھروسا دکھائی دیتا ہے
صدف کی پیاس سمندر بجھائے ناممکن
مجھے وہ خود ہی پیاسا دکھائی دیتا ہے
درندگی سے ہے معمور اس کا باطن، جو
بظاہر ایک فرشتہ دکھائی دیتا ہے
یقین رکھتا ہے جو شخص خاکساری پر
بلند اس کا ہی درجہ دکھائی دیتا ہے
پرائے درد کا احساس دل میں ہے شاکر
جو غیر بھی تمھیں اپنا دکھائی دیتا ہے

مختار راہی

NalaRoad Hasanpur
Rourkela.769001



ساحل نہ مل سکا مجھے ساحل کے آس پاس
اب تک بھٹک رہا ہوں میں منزل کے آس پاس
کہتے ہیں کیا اسی کو محبت کی ابتدا
جو درد اٹھ رہا ہے مرے دل کے آس پاس
بر آئے گی ضرور شہادت کی زندگی
میں آ گیا ہوں کوچۂ قاتل کے آس پاس
موجوں میں جا کے کون بچائے گا کشتیاں
سارے تماشبین ہیں ساحل کے آس پاس
جو ناپتے ہی رہتے ہیں منزل کی دوریاں
پہنچیں گے راہی کیسے وہ منزل کے آس پاس

ارشد جمیل

Saidani Baghicha.Near Masjid
P.O:Tulsipur.Cuttack-753002(Odisha)



مفلسی اپنی جگہ اور خسروی اپنی جگہ
درمیاں ان کے ہے قائم زندگی اپنی جگہ
دشمنی کرنے کا جذبہ ہو مبارک آپ کو
میری نظروں میں ہے بہتر دوستی اپنی جگہ
معتبر دونوں ہیں خالق کی نگاہوں میں سدا
پارسا، جن و ملک اور آدمی اپنی جگہ
ڈھونڈتے رہتے ہو خوشیاں تم اگرچہ ہر طرف
لطف دیتے ہے ہمیں لیکن غمی اپنی جگہ
ہوش والے بے خبر ہیں اس فریبِ زیست سے
باخبر رکھتی ہے مجھ کو بے خودی اپنی جگہ
یوں تو دنیا میں ہزاروں فن ہیں اے ارشد جمیل
منفرد مقبول فن ہے شاعری اپنی جگہ

محمد صلاح الدین تسکین

MYCA Lane .Deewan bazar.
Cuttack.753001(ODISHA)



تری چاہتوں کا اثر بھول جاؤں
یہ ممکن نہیں ہم سفر بھول جاؤں
حقیقت میں تو زندگانی ہے مری
جیوں کیسے تجھ کو اگر بھول جاؤں
میں انسان ہوں دل کو بہلاؤں کیسے
اگر دل لگی کے ہنر بھول جاؤں
مری بے حسی پر زمانہ ہنسے گا
اگر اپنے شام و سحر بھول جاؤں
تری یاد کو اپنے دل میں بسا کر
زمانے کی ہر اک خبر بھول جاؤں
بھلا دوں زمانے کی ہر چیز تسکیں
مگر کیسے تیری ڈگر بھول جاؤں

Unfiled Notes Page 44

افسانچے

محمد مطیع اللہ نازش
دارالسلام D/203 سکٹر 6
مرکت نگر۔سی ڈی اے۔کٹک۔753015۔اڈیشا

کرشمہ

چندرو کو دیوی دیوتاؤں پر آستھا نہیں تھا۔لیکن اس پر اگر کوئی مصیبت آتی یا بخار یا کسی اور بیماری یا دکھ درد میں مبتلا ہوتا تو اس کو ایشور کی یاد آیا کرتی۔ کسی چمتکار پر وہ یقین نہیں رکھتا تھا لیکن جب کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا تو چاہتا کہ کوئی چمتکار یا عجوبہ ہو جائے اور اس کی پریشانی دور ہو۔ایک بار اس کی ماں تپ دق کے مرض میں مبتلا ہوگئی۔ کچھ مہینوں تک دکھ اور تکلیف سے کراہتی رہی۔ تبھی اس نے چاہا کہ کوئی کرشمہ ہو اور اس کی ماں اچھی ہو جائے۔

کچھ دنوں قبل اس کا دوست سکھ دیو ملنے آیا۔اس نے ایک سادھو بابا کے بارے میں بتلایا۔اس نے کہا سادھو بابا رام جی بڑے مہان سنت ہیں۔ان کا سادھنا بہت تگڑا ہے۔اگر کوئی شخص بیماری کی وجہ سے سیدھا ہو کر چل نہیں پاتا اس کی کمر پر لات مارتے ہیں تو وہ سیدھا ہو کر چلنے لگتا ہے۔ اگر کوئی بچہ گونگا ہو تو اس کے گال پر دو تھپڑ مارتے ہیں اور وہ بچہ بات کرنے لگتا ہے۔ان کے پرچارکوں کے کہنے کے مطابق اسی طرح کے وہ بہت سارے کرشمے دکھا چکے ہیں۔اس کے باوجود ان کے پاس لوگوں کی بھیڑ کبھی نظر نہیں آتی۔البتہ کبھی کبھار لوگ ان کے پاس جایا کرتے ہیں۔

چندرو نے سوچا کہ اپنی ماں کو لے کر ان کے پاس جاؤں گا۔ممکن ہے کہ کوئی کرشمہ ہو جائے اور اس کی ماں صحت یاب ہو جائے۔ بہت دنوں سے وہ تکلیف سہتی آرہی ہے۔ بیمار ماں کی وجہ سے چندرو ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔آس پاس کوئی ہسپتال یا ڈاکٹر بھی نہیں کہ ماں کا علاج کروائے۔شہر میں علاج کروانے میں کافی رقم کی ضرورت پڑے گی۔کھیتوں میں کام کرنے والا چندرو ایک غریب مزدور تھا۔دو وقت کی روٹی بڑی مشکل سے جٹا پاتا تھا۔ اس کا کوئی پرسانِ حال بھی نہیں کہ آڑے وقت میں اس کی مدد کرے۔وہ سوچنے لگتا ہے کہ کاش کوئی کرشمہ ہو جائے اور اس کی ساری پریشانیاں دور ہو جائیں۔

پھر وہ سوچتا ہے کہ میری زندگی بھی تو ایک کرشمہ ہے۔نگینہ کی اس سے محبت ایک کرشمہ ہی تو ہے۔چندرو ایک عام جاہل مزدور جبکہ نگینہ حسن و جمال کا مرقع ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ عہدے پر فائز ایک افسر ہے۔یہ جانتے ہوئے بھی کہ چندرو شادی شدہ ہے پھر بھی نگینہ اس کے پیار میں مبتلا ہو جاتی ہے۔یہ کرشمہ نہیں تو اور کیا ہے۔دراصل چندرو دیکھنے میں بڑا خوبرو،قد آور،مظبوط جسامت اور کشادہ سینے والا حسین وجمیل نوجوان تھا اور اس کی یہ صفت اسے ہر کسی کا مرکزِ نظر بنا دیتی تھی۔چنانچہ نگینہ اسے دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئی تھی۔

اس کے علاوہ اس کی بیوی سحرا کا رویہ بڑا تلخ تھا۔اس وجہ سے چندرو کی زندگی ایک تپتا ہوا ریگستان بن گئی تھی۔ایسے میں نگینہ کا پیار ایک جھرنے کی طرح اس کے دل کی پیاسی زمیں کو سیراب کرنے لگا تھا۔یہ بات کسی کرشمہ سے کم نہیں تھی۔

ایک روز نگینہ نے چندرو کو کچھ روپے دیے اور کہا کہ شہر جا کر کسی اچھے ڈاکٹر سے اپنی ماں کا علاج کرواؤ۔گھر میں ماں تکلیف سے کراہتی ہیں اور کیسے آدمی ہو جو چین سے سوتے ہو۔آخر ماں کے دودھ کا قرضہ تمھیں تو چکانا ہے۔نگینہ کی اس ہمدردی سے چندرو بے حد متاثر ہوا۔

ایک دن ایک کرشمہ رونما ہوا۔اسے ایک روشنی نظر آئی جو اس کو ایک طرف جانے کا اشارہ کرتی ہے۔وہ سوچتا ہے کہ کیا اسکی منزل آگئی؟

چندرو دوڑا دوڑا ایک سادھو کے پاس جاتا ہے۔وہاں پہنچ کر اس روشنی کا درشن کرتا ہے۔سادھو جی سے کہتا ہے کہ کچھ دنوں سے ہمارے گھر میں ایک چمتکار ہونے لگا ہے۔آدھی رات کو جب میری آنکھ کھل گئی تو میں نے دیکھا کہ میری بیوی چادر اوڑھے سو رہی ہے اور اس کے منہ سے روشنی نکل رہی ہے۔

سادھو جی نے پوچھا: ”یہ دیکھ کر تم نے کیا کیا؟“

چندرو بولا: ”میں نے اسے جگانے کی کوشش کی تو وہ روشنی غائب ہوگئی۔“اس کی بات سن کر سادھو کچھ گمبھیر ہو گئے۔چندرو ان کے چہرے کو دیکھ کر متفکر ہوا اور سوچنے لگا کہ شاید کوئی پریشان کن مسئلہ ہے۔

کچھ دیر بعد سادھو جی نے کہا کہ سب کچھ برباد ہو گیا۔انرتھ ہوگیا۔چندرو ان کی بات سمجھ نہیں پایا۔صرف متحیر نظروں سے ان کی طرف دیکھتا رہا۔

کچھ توقف کے بعد سادھو جی نے کہا کہ تم سمجھ نہیں سکے۔تمہاری بیوی چادر اوڑھے تمہارا موبائل چیک کر رہی تھی۔وہ یہ جاننا چاہتی ہے کہ دن بھر تم کتنی لڑکیوں سے عشق لڑاتے ہو۔کن کن لڑکیوں سے بات کرتے ہو اور تم قدرت کے کرشمہ کے پیچھے پڑے ہو۔جلد جاؤ اپنے موبائل کا پاس ورڈ بدل ڈالو ورنہ سب برباد ہو جائے گا۔☆☆☆☆

Unfiled Notes Page 45

رقیہ جمال
AradBazar.BaliBilo
Dist:Balasore-756001(Odisha)

غول

"فرید! چلو دیکھتے ہیں وہاں کوے کیوں اتنا شور مچ رہے ہیں؟"

پروفیسر دانش علی کچھ دنوں کے لیے اپنے فارم ہاؤس پر چھٹی گزارنے آئے تھے۔ صبح وہ اپنے ملازم کے ہمراہ سیر کے لیے نکلے تو اس کے کھیت سے تھوڑی دور بجلی کے کھمبے پر کوؤں کا غول شور مچاتا نظر آیا۔

"ارے صاحب! یہ کوے بھی بڑے بے وقوف پرندے ہوتے ہیں۔ ایک کی کائیں کائیں سن کر سب غول در غول جمع ہو جاتے ہیں"۔ ملازم نے کہا۔

دانش صاحب سے حقیقتِ حال جاننے کے لیے کوؤں کے غول کے قریب چلے گئے۔ دیکھا کہ ایک کوا مرا پڑا ہے۔ کچھ کوے اس کو گھیرے سوگوار نظر آرہے تھے۔ آگے گئے تو ٹھٹھک کر رہ گئے۔ سامنے کھائی میں ایک نوجوان کی مسخ شدہ لاش پڑی ہوئی تھی۔ کسی نے بڑی بیدردی سے قتل کر کے اسے چھپانے کی ناکام کوشش کی تھی۔

دانش علی کے روبرو دلدوز مناظر تھے۔ مگر بحیثیت انسان وہ پرندوں کے غول کے سامنے شرمسار تھے۔

یوجنائیں

مرکزی اور ریاستی حکومتیں غریبوں کی بھلائی کے لیے ہمیشہ یوجنائیں بناتی رہتی ہیں تاکہ ہر غریب کی زندگی تھوڑی سی آسان ہو جائے۔

اس سال دسمبر میں کڑاکے کی سردی پڑی۔ ٹھنڈ کی وجہ سے غریب لوگ جاں بحق ہونے لگے۔ لوگوں کے دلوں میں خوف سما گیا۔ زندگی مشکلوں سے دوچار ہونے لگی۔ ٹی وی، اخبارات اور سوشل میڈیا کے ذریعہ غریبوں کے لیے سرکار سے کمبل کی مانگ تیز ہونے لگی۔ الیکشن جیت کر دو مہینوں قبل نئی حکومت بنی تھی۔ مطالبے کے نتیجے میں حکومت نے اعلان کیا کہ ضرورت مند لوگ اپنا نام درج کرائیں تو انھیں راحت ملے گی۔

اس کارروائی میں اپریل کا مہینہ شروع ہو گیا۔ ضرورت مند لوگ تیز دھوپ میں قطار لگا کر انتظار کرنے لگے۔ سرکار کی جانب سے انھیں کمبل کی تقسیم کی گئی۔ لیکن المناک واقعہ یہ ہوا کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے کچھ لوگ جان بحق ہو گئے تھے۔

☆☆☆

ڈاکٹر یاسمین اختر
C/O:Md.FakhreAlam
TankLane.Bhiknpur(Hatla)
Bhagalpur-812001(Bihar)

لاجواب

لکشمی دیوی اپنی بیٹی برکھا اور نواسی کشوری سے ملنے اتنی دور کا سفر ٹرین سے طے کر کے آئی تھیں۔ نانی کو دیکھ کر کشوری بہت خوش ہوئی۔ وہ چھوٹی سی بچی تھی اور چوتھے درجے میں زیرِ تعلیم تھی۔ نانی اس کے لیے ڈھیر سارے کھلونے لائی تھیں۔ اس روز وہ اسکول نہیں گئی۔

لکشمی دیوی صبح صبح بھگوان کو پرشاد چڑھانے کے لیے مندر جایا کرتی تھیں۔ اس روز بھی بیٹی کے گھر آ کر انھوں نے غسل کیا اور مندر چلی گئیں۔ کشوری کو بھوک لگی تھی۔ برکھا نے اپنی ماں کے لیے انواع و اقسام کے کھانے بنوائے تھے۔ ان میں سے تھوڑا سا کھانا نکال کر کشوری کو دے دیا اور خود باتھ روم چلی گئی۔ غسل کر کے جب وہ باہر نکلی تو ماں کو ناشتہ کرتے ہوئے دیکھا۔ لکشمی دیوی کشوری کا جوٹھا کھانا کھا رہی تھیں۔ برکھا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے بیٹی کو اشارے سے باورچی خانے میں بلایا اور اس کے گال پر ایک طمانچہ لگا کر کہا:

"عقل کی ماری، شرم نہیں آئی تجھے۔ میں نے اتنی طرح کے کھانے ماں کے لیے بنا کر رکھے تھے اور تو نے ان کو اپنا جوٹھا کھانے کے لیے دے دیا"۔

کشوری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے خوف زدہ ہو کر ماں کی طرف دیکھا اور بڑی مشکل سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "ماں! تم ہمیشہ میرا جھوٹا کھانا دادی کو کھلا دیتی ہو.... آج دادی گھر میں نہیں ہیں، اس لیے میں نے اپنا جھوٹا کھانا نانی کو کھلا دیا"۔

دنگائی

وہ رات بہت خوف ناک تھی۔ خون کی ہولی کھیلنے والی رات۔ آدھی رات کو ہر ہر مہادیو کا نعرہ زبیدہ خاتون کے گھر کے قریب لگا تو اس کا کلیجہ دہل گیا۔

فسادی دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ وہ چار لوگ تھے، یہ وہی لوگ تھے جو اس کو چاچی کہتے تھے اور اس کی بیٹی کو بہن کا درجہ دیتے تھے، ان سب کی نظریں اس کی بیٹی پر تھی۔

Unfiled Notes Page 46

اس سے پہلے کہ وہ لوگ بیٹی کے قریب آتے ماں نے چاقو اٹھا لیا۔ان میں سے گوپال نام کے ایک نوجوان نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ماں بیٹی کو اپنے قابو میں کرلیا اور وہ لوگ ان دونوں کا منہ بند کرکے وہاں سے اٹھا لے گئے۔کچھ ہی دور پر گوپال کا پرانا مکان تھا۔وہاں پہنچ کر ماں بیٹی کے منہ سے پٹی ہٹادی۔پٹی کے ہٹتے ہی ماں چلائی۔ ''چاچی چاچی کہتے تھکتے نہیں تھے اور آج'' کہتے ہوئے ماں نے زمین پر تھوک دیا۔



گوپال بولا:''آپ آج بھی ہماری چاچی ہیں،آپ اپنے گھر میں محفوظ نہیں تھیں۔ہمیں پتہ چلا کہ دوسرے محلے کے دنگائی آکر یہاں ہنگامہ کرنے والے ہیں اور.........''

ابھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ دونوں ماں بیٹی کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔☆☆☆

نذیر فتح پوری
Editor:Asbaq
SairaManzil
230|B,VimanDarshan
SanjayParkPune–411032

تکمیلِ تخلیق

اس نے اپنی محبوبہ کی تصویر بنانے کے لیے اپنی ساری تخلیقی توانائی کو صرف کر دیا تھا۔ایک سے ایک رنگ کی آمیزش سے اس نے تصویر کے خدوخال میں زندگی بھرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔وہ اس تصویر کو حقیقی روپ میں پیش کرکے اپنے فن کی تکمیل کرنا چاہتا تھا،اس لیے اپنی تمام فنکارانہ چابک دستی اور تخلیقانہ ہنرمندی کو بروئے کار لاکر وہ تصویر کو مکمل کرنے میں جٹا ہوا تھا۔

جب اسے اس بات کا احساس ہوا کہ تصویر اس کی مرضی اور پسند کے مطابق تیار ہوچکی ہے تو وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔اس کا رواں رواں نشاط وکیف سے مغلوب ہوکر رقص کرنے لگا۔جھومتے جھومتے اچانک اس کی ناگاہ تصویر کے لبوں پر رکی تو وہ ایک دم خاموش ہوگیا۔ایک ہلکے سے دکھ کی لکیر اس کے احساس کو چیرتی ہوئی گزر گئی۔

''وہ تصویر کے لبوں میں سرخ رنگ بھرنا بھول گیا تھا''۔اس نے بےتاب ہوکر رنگوں کی پیالیاں تلاشنا شروع کر دیں لیکن سرخ رنگ کی پیالی اسے نہیں ملی۔اس کی بےصبری اور وحشت قابلِ دید تھی۔اچانک ایک روح فرسا خیال اس کے ذہن میں کوندا لپکا گیا اور دوسرے ہی پل اس نے بائیں ہاتھ کی رگ پر خنجر چلا دیا۔اور پھر برش اٹھا کر اپنی محبوبہ کے لبوں کو سرخ کرنے لگ گیا۔جب تصویر کے لب سرخ ہوگئے تو ایک بےپناہ طمانیت کے احساس نے اسے آگھیرا اور دسرے ہی پل اس کا وجود رنگوں کی پیالی میں بکھر گیا۔رنگ اور خون کی آمیزش نے کمرے کے فرش پر ایک ایسی تصویر بنادی جس کی کوئی شکل نہیں تھی۔

پارٹنرشپ

وہ دونمبر کی دنیا کا ایک نمبر امیر تھا۔کروڑوں کی جائیداد بنانے کے لیے اس نے بےشمار لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ہر کام جو قانون کی نظروں میں ممنوع تھا وہ اسے چٹکی بجا کر کردیا کرتا تھا۔قانون، حکومت اور سماج اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا کیونکہ شہر کے ایک بڑے لیڈر کا ہاتھ اس کے سر پر تھا۔بلکہ وہ لیڈر بھی اس کے دھندے میں برابر کا شریک ہوتا تھا۔ایک ہی چابی سے دونوں کی قسمت کے دروازے کھلا کرتے تھے۔پھر ایک دن اچانک کسی بات پر دونوں میں شدید اختلاف ہوگیا۔لیڈر نے اپنی کرسی کے زعم میں اسے الٹی سیدھی دھمکیاں دے ڈالیں اور اسی شام بےچارہ لیڈر اپنی کار کے ناگہانی حادثے شکار ہوگیا۔اس کے پارٹنر نے رات بھر کمرے میں تنہا جشن منایا۔صرف اس کی پرائیویٹ سکریٹری اس کے ساتھ تھی۔

لیکن صبح وہ مردہ پایا گیا۔جب اس کی لاش کا پوسٹ مارٹم ہوا تو یہ انکشاف ہوا کہ اس کی موت زہر سے ہوئی ہے۔

دونوں کی لاشیں شمشان گھاٹ کی طرف جا رہی تھیں اور اس کی پرائیویٹ سکریٹری لیڈر کے گھر والوں کے غم میں برابر کی شریک تھی۔

☆☆☆

اظہر نیر
At/Post: Barhulia
Via:Kansi Simri
Dist:Darbhanga-847106
Bihar

Unfiled Notes Page 47

افسانچے

کام چور نوکر

عیدو جی کا نام عید محمد تھا۔ محلے کے مشہور و معروف تاجر رشید میاں کے یہاں بچپن سے نوکر کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ لوگ اس کو کام چور بھی کہتے تھے مگر وہ بہت ہی چالاک تھا۔

رشید میاں کی دوستی ایک مستان بابا سے تھی۔ مستان بابا پورے محلے میں مشہور تھے، جب کسی کو کوئی بیماری ہوتی، کسی کو شیطانی حرکت ہوتی، شادی بیاہ کا معاملہ ہو سبھی لوگ مستان بابا سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ رشید میاں اور مستان بابا کی جوڑی بھی مشہور تھی محلہ کے لوگ کسی بھی وقت دونوں کا مشورہ ضرور لیتے تھے۔

عیدو اب جوان ہو گیا تھا لوگ شادی کا مشورہ دیتے مگر رشید میاں اس کی شادی کے حق میں نہیں تھے، کیونکہ شادی کے بعد عیدو رشید میاں کے یہاں نہیں رہے گا

ایک روز عیدو غائب ہو گیا اور تین چار روز کے بعد آیا۔ رشید میاں نے غیر حاضری کا سبب پوچھا تو پہلے وہ کچھ نہیں بولا، جب رشید میاں نے سختی سے پوچھا تو اس نے کہا "مستان بابا نے اس پہاڑی کے مزار پر بھیج دیا تھا، کہا تھا وہاں جاؤ اور دو تین روز مزار کے قریب رہنا اور دعا کرنا کہ تمہاری شادی ہو جائے، اس لیے میں تین روز تک غائب رہا تھا"۔ رشید میاں کو غصہ آیا، عیدو کو مارا اور کہا کہ تم میرے گھر سے نکل جاؤ۔ مستان بابا جو کہتے ہیں وہ کرو تمہارے جیسے کام چور نوکر کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر عیدو بھی مستان بابا کے یہاں رہنے لگا۔

☆

آوارہ تھی پکڑی گئی

اسلم بھیا! اسلم بھیا دروازہ کھولیے

اچھا آتا ہوں، کیسے ہو راجو (ریاض الدین) بولو کیسے آنا ہوا ؟

تم ادھر ادھر کیا دیکھ رہے ہو؟

ارے بھابھی جان کو نہیں دیکھ رہا ہوں، بچے بھی نہیں، کہیں گئے ہیں کیا؟

یار راجو! تمہاری بھابھی بہت دنوں سے آوارہ تھی اور کل پکڑی گئی ہیں۔

کیا کہہ رہے ہو اسلم بھائی تعجب ہو رہا ہے، حیرت کی بات ہے۔

بھائی ریاض میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔

نہیں اسلم بھائی آپ مذاق کر رہے ہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔

میں مذاق نہیں کر رہا ہوں کئی روز سے اپنے میکے آوارہ نگر گاؤں میں تھی اور کل صبح وہ اپنی خالہ کے گاؤں "پکڑی" گئی ہے۔

☆

جہیز

مدن لال نے اپنی لڑکی کی شادی کی پوری تیاری کر رکھی تھی۔ تاریخ مقررہ پر بارات لے کر لڑکے والے پہنچ گئے۔ مدن لال پریشان تھے کہ وعدہ کے مطابق شادی سے پہلے انہیں دلہا کے والد کو ۴۰ ہزار روپیہ کرنا تھا مگر ۴۰ ہزار روپیوں کا انتظام نہیں ہو پایا

مدن لال نے دلہا کے باپ سے بار بار کہا کہ شادی ہو جانے دیجیے، ایک دو مہینے بعد پورا روپیہ مل جائے گا۔ لیکن لڑکے کے باپ نے ایک نہ سنی اور بولے "تمہارے جیسے لوگ میں نے بہت دیکھے ہیں۔ جب تک روپیہ نہیں ملتا لڑکا منڈپ پر نہیں جائے گا۔

پھر کیا تھا مدن لال بھی باراتیوں کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ لڑکی سے یہ سب برداشت نہ ہو سکا اس نے اپنے کلاس فیلو ساتھی جو اسی شہر میں ڈی ایس پی تھا فون کر دیا اور پوری باتیں کہہ دیں۔ ڈی ایس پی سے کہا کہ آپ آ جائیں مگر لڑکے اور اس کے والد کو گرفتار نہیں کریں گے۔ صرف آپ کا آنا ہی کافی ہے۔

لڑکے کے والد سے لڑکی نے کہا کہ آپ بے شک بارات واپس لے جائیں مجھے شادی نہیں کرنی ہے۔ اسی درمیان ڈی ایس پی پہنچ گئے لڑکا اور اس کے باپ ان کو دیکھ کر ڈر گئے اور مدن لال سے معافی مانگنے لگے۔ ڈی ایس پی لڑکے کے باپ کو ایک طرف لے گئے اور اپنے پاس سے ۴۰ ہزار روپیہ دیا اور کہا کہ یہ میری بہن ہے جہیز کے ۴۰ ہزار روپیہ لے لیجیے اور شادی کر کے جائیے۔ مگر لڑکے اور اس کے باپ روپیہ لینے سے انکار کرتے رہے اور مدن لال سے معافی مانگ رہے تھے۔

آخر لڑکے اور اس کے باپ بغیر جہیز لئے شادی کرنے کو تیار ہو گئے۔ شادی دھوم دھام سے ہو گئی۔ ڈی ایس پی نے اپنی منہ بولی بہن کو ڈولی میں بٹھا کر روانہ کر دیا۔ لڑکے کے باپ کی گردن ندامت سے جھکی ہوئی تھی اور لڑکا بھی پشیمان تھا۔

☆☆☆

Unfiled Notes Page 48

کتابوں کے شہر میں

(تبصرے کے لئے دو کاپیوں کا آنا ضروری ہے)

اگر اپنی کتابوں کا اشتہار بھی دیں تو تبصرہ ترجیحی بنیاد پر جلد شائع کیا جائے گا۔ ایک صفحے کے اشتہار کی شرح ایک ہزار روپے ہے۔ تبصرے کے لیے کافی کتابیں جمع ہو چکی ہیں۔ ان پر تبصرہ ترتیب وار شائع ہوتا رہے گا۔ (ادارہ)

کتاب کا نام: نئے مزاج کا ساون (شعری مجموعہ)

شاعر: ارشاد مظہری مبصر: سعید رحمانی

ارشاد مظہری صاحب کا تعلق مغربی بنگال کے مردم خیز خطہ شہر کولکاتا سے ہے جسے عرف عام میں شہر نشاط کہتے ہیں۔ اس خطے سے ان گنت شاعروں اور ادیبوں کا ظہور ہو چکا ہے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ انھیں شاعروں میں ایک ابھرتا ہوا نام ارشاد مظہری کا بھی شامل ہے۔

زیر نظر مجموعہ ان کی اولین پیش کش ہے۔ اس کی ابتدا حسب معمول حمدِ باری، نعتِ پاک اور منقبت سے ہوئی ہے۔ ان تقدیسی اصناف میں ارشاد مظہری کے جذبِ دروں اور عقیدت مندانہ جذبات مترشح ہیں۔ بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

تری قادری، تری ماجدی، تری اکبری، ترا مظہری
اے مرے خدا، اے مرے خدا، مرا فن بھی تیرا کمال ہے
وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا جس میں صدیاں جذب ہوئیں
اس لمحے کی عظمت کیا ہے، پاکر ہم کھو جائیں گے
سینچا ہے اپنے خون سے گلزارِ مصطفےٰ۔ اسلام کی بنا ہے شہادت حسین کی
منقبت ارشادؔ لکھنا اس قدر آساں نہ تھا
دے گئی پرنور لمحہ ذات غوثِ پاک کی

ان کی غزلیہ شاعری کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ وہ اپنی آنکھوں کھلی رکھتے ہیں اور اردگرد رونما ہونے والے واقعات و سانحات کو شعری پیکر عطا کر کے اپنی عصری حسیت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں جمالیات کی جاذبیت بھی ہے تو سماجیات کی وسعت بھی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ان غزلوں میں دل کو ٹھنڈک پہنچانے والی کیفیت کے ساتھ ساتھ دماغ کو حرارت دینے والی تمازت کا احساس بھی ہوتا ہے۔ انھوں نے سیاحتِ فکر کے دوران منظروں کے جو بیش قیمت موتی جمع کیے ہیں، انھیں خوبصورت لفظوں کا پیکر عطا کر کے عمرِ دوام بخشا ہے۔ اس ضمن میں نمونے کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

میں جس کی جستجو میں بھٹکتا ہوں دربدر
میرے بدن میں مجھ سے ہی چھپ کر وہی ہے کیا
ابھی تو بے ہوا جانے کی بات کرتے ہو۔ ذرا سا ٹھہرو ذرا دل بہلنے والا ہے

تمہارے اک نہ ہونے سے سب چراغ بجھے
اندھیرا ان کے ڈراتی ہے زندگی مجھ کو
میں بھی تنہائیوں سے لڑتا ہوں۔ وہ بھی میری طرح اکیلی ہے
اک تری تصویر میری ڈاک سے کیا ملی
ساری دنیا سے ہوئی پھر دشمنی تیرے لیے
نئے مزاج کا ساون ہے آگ برسے گی
تمہاری یاد کا جنگل بھی جلنے والا ہے

جب وہ جمالیات کی ٹھنڈی فضا کے ماحول سے باہر نکلتے ہیں تو عصری حالات کی تمازت کا احساس ہوتا ہے اور ان کی نوک قلم سے اس طرح کے اشعار ڈھلنے لگتے ہیں:

مجروح دل ہے اور نظر اشک بار ہے۔ انسانیت کے خوں کا رواں آبشار ہے
الزام اس پہ کون لگائے مرے عزیز۔ بستی جلانے والا بہت پروقار ہے
دھوپ ڈر جاتی ہے آنگن میں اترتی ہی نہیں
کون رکھ جاتا ہے چھپر میں نئی اک الجھن
پھول کیوں کر کھلیں سچ کی شاخوں میں اب
کام راون کا جب رام کرنے لگے
میری قسمت بوڑھے مزدوروں سی ہے۔ تھک چکی تھی بیٹھتے ہی سو گئی

غزلوں کے بعد چند قطعات اور منظومات بھی شامل ہیں، جن میں میرے خدا، ماں اور خریدار جیسی نظمیں شاعر کی فکری جہت سے روشناس کراتی ہیں۔

مذکورہ اشعار کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ ارشاد مظہری کی شاعری عصری زندگی کا ایک ایسا آئینہ خانہ ہے جس میں زندگی اور اس کے بطن سے پھوٹنے والے مسائل عکس ریز ہیں۔ مختصر کہنا چاہوں گا کہ ان کی اولین پیش کش ان کے درخشان مستقبل کی ضامن ہے اور ہمیں امید ہے ان کی اگلی پیش کش اور بھی شاندار ہوگی۔

۱۳۶ رصفحات کو محیط اس مجموعے کی قیمت ہے ۹۸ روپے اور شاعر کا پتہ ہے:

25/1/2Topsia Road.Kolkata-700039(W,B)
Mob:9902214//8240099069

Unfiled Notes Page 49

کتاب کا نام: ذائقۃ الموت (منظومات)

شاعر: منیر سیفی　　مبصر: سعید رحمانی

قطعہ ایک ایسی مختصر نظم ہے، جس میں اشعار کی تعداد متعین نہیں ہوتی۔ عموماً چار مصرعوں پر مشتمل نظم کو قطعہ کہا جاتا ہے۔ اس کی کوئی متعین بحر بھی نہیں ہوتی ہے۔ اس میں عام طور سے کسی خاص خیال یا تجربے کو پوری شدت اور وحدت تاثر کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

کلاسیکی شاعروں نے جو قطعات کہے ہیں ان میں غزل رنگ اشعار پائے جاتے ہیں۔ اس طرح کے قطعات میں دو یا اس سے زیادہ اشعار میں کسی مضمون کو تسلسل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ بعد میں شعرا نے قطعہ کو مزید وسعت دی اور اسے ایک علاحدہ مقام عطا کیا۔

قطعہ چونکہ غزل سے برآمد ہوا ہے اس لیے اسے غزل کی ہیئت میں ہی کہا جاتا ہے۔ اس کے ہر شعر کے دوسرے مصرع میں قافیہ ضرور ہوتا ہے۔ مگر غزل کی طرح اس میں مطلع کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس صنف کو جن شعرا نے استحکام بخشا ان میں وحید اوین سلیم اور نریش کمار شاد کا نام پیش پیش ہے۔ انھوں نے اس صنف کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

ماضی اور حال میں جن شعرا نے اس فن کو مزید جلا بخشی ان کے نام ہیں: میر تقی میرؔ، دردؔ، غالبؔ، برقؔ، رشکؔ، امیر مینائی، جلال لکھنوی، جلیل مانک پوری، محسن کاکوروی، سلیم لکھنوی، پنڈت برج نرائن چکبست، عزیز لکھنوی، شبلی، اکبرالہ آبادی، شاد عظیم آبادی، فانی بدایونی، تلوک چند محروم، علامہ اقبال، اختر شیرانی، جوش ملیح آبادی، فراق گورکھپوری، روش صدیقی، احمد ندیم قاسمی، مومن، آرزو لکھنوی، یاس لکھنوی، ذاکر حسین، آنند نرائن ملا وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ بالا کوائف کی روشنی میں منیر سیفی صاحب کی کتاب ''ذائقۃ الموت'' میں شامل قطعات قطعہ گوئی کے معیار میں پورے اترے ہیں اور یہ بھی قطعات در اصل تعزیت نامے ہیں۔ جن حضرت نے شعر و ادب اور معاشرتی میدان میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں یہ قطعات ان کے سانحۂ ارتحال کی تاریخ پر مبنی ہیں۔ پروفیسر انیس امام کی وفات پر یہ قطعہ ملاحظہ فرمائیں:

ہیں ابھی تک تازہ زخموں کے گلاب۔ لب پہ سب کے ہے وہی 'حرف خودی'
'وہ تھے ''کوزے میں سمندر'' علم کا۔ بانٹتے تھے علم کو جو روشنی
آگ تھی دل میں تو آنکھوں میں دھواں۔ ہم نے جو تاریخ رحلت یہ کہی
2013

ایک اور قطعہ ملاحظہ فرمائیں جو کریم نگر کے معروف شاعر حفیظ انجم کریم نگری کی وفات پر مبنی ہے۔

تو اپنے اشعار میں ہے زندہ غزل تری گنگنا رہے ہیں
ہوائیں اہل چمن یہ چھر نے حفیظ انجم کریم نگری
ندا دی ہاتف نے غیب سے یہ منیر تاریخ رحلتش کہہ
''مقیم باغ بہشت میں ہے'' حفیظ انجم کریم نگری
2015

قطعہ کی صورت میں تاریخ گوئی کا ارتقا مغلیہ دور میں ہوا تھا۔ اس زمانے میں تاریخ گوئی پر مبنی قطعات فارسی زبان میں کہے جاتے تھے۔ اس کے بعد اردو میں بھی قطعہ گوئی کا آغاز ہوا۔ آج کل یہ فن رو بہ زوال ہے کیونکہ تاریخ پر مبنی قطعہ کہنے میں دماغ پاشی کرنا پڑتی ہے اور ساتھ ہی ایک ہی قطعہ کہنے میں بہت غور و فکر کرنا پڑتا ہے اور وقت بھی زیادہ لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غالب جیسے جید اور استاد شاعر بھی قطعہ کہنے سے گریز کرتے تھے۔

بہر حال یہ کہنے میں باک نہیں کہ منیر سیفی صاحب نے ان تعزیتی قطعات کو کہنے میں یقیناً عرق ریزی کی ہوگی۔ اس کتاب میں ۱۱۹ر قطعات کے علاوہ آخر میں چند مشاہیرِ ادب پر مبنی منظومات شامل ہیں۔ ان قطعات کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ اس فن پر موصوف کو دسترس حاصل ہے۔ رواں دواں اور سلیس زبان میں کہے گئے یہ سبھی قطعات نہ صرف لائق تعریف ہیں بلکہ اردو شعر و ادب کے ذخیرے میں بیش قیمت اضافے کا باعث بھی ہیں۔ ۱۶۸ر صفحات کو محیط اس کتاب کی قیمت ہے ۴۰۰ر روپے جسے مصنف کے درج ذیل پتے سے حاصل کیا جاسکتا ہے:

Muneer Saifi.At Malik Lane.Samanpura
B.V.C.Patna-800014(Bihar)

☆☆☆

کتاب کا نام: شاعرِ وقت (دیوان)

شاعر: عمران راقم　　مبصر: سعید رحمانی

عمران راقم صاحب کا تعلق شہر نشاط کولکاتا سے ہے، جسے اردو کا ایک زرخیز علاقہ بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہاں اردو کے انگنت شعراء و ادبا موجود ہیں، اردو کے ذخیرے کو مالا مال کرنے میں دن رات مصروف رہتے ہیں۔ متعدد اردو اخبارات و رسائل بھی یہاں شائع ہو رہے ہیں۔ احمد سعید ملیح آبادی، اعزاز افضل، احمد رئیس، احمد کمال حشمی، انجم عظیم آبادی، اختر بارکپوری جیسے قدیم شعراء کے علاوہ نئی نسل کے بہت سارے شعراء و ادباء اور صحافی زبان و ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ انہیں شخصیتوں میں ایک معروف نام عمران راقم کا بھی ہے جو شعر و ادب، نقد و تحقیق اور صحافت کے میدان میں فعال ہیں۔ ایک ادبی رسالہ بنام 'صورت' ان کی ادارت میں شائع ہو رہا ہے۔ ان کی گرانقدر خدمات کے اعتراف میں بہار اردو اکاڈمی، اڈیشا اردو اکاڈمی اور متعدد ثقافتی ادارے انہیں انعام و اکرام

Unfiled Notes Page 50

سے سرفراز کر چکے ہیں۔ان کا ادبی سفر ۲۰۰۰ء سے جاری ہے۔اس دوران ان کے جو مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں ان کے نام ہیں ''نئی آواز'' ''نئی زمین'' اور غزل زار۔

زیر نظر مجموعہ ''شاعر وقت'' دیوان کی صورت میں ان کی تازہ ترین تخلیق ہے جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے تین سو سے بھی زائد غزلیں شامل ہیں۔اس میں شک نہیں کہ عمران راقم ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں اور اس کا اعتراف کرنے والوں میں ڈاکٹر انور خنجر بلال بھارتی' ڈاکٹر رؤف خیر، ڈاکٹر محمد کلیم رضا، سید نسرین نقاش، ایم نصراللہ نصر، ڈاکٹر اکرم نقاش اور رہبر گیاوی جیسی معروف شخصیتیں شامل ہیں۔

اس کتب میں شامل غزلیں عصری حالات کا ایک ایسا آئینہ خانہ ہیں جس میں جمالیات' معاشرتی ناہمواریوں اور اخلاقی گراوٹ کے ساتھ ساتھ شاعر کے اپنے مشاہدات و تجربات بھی عکس ریز ہیں۔متفرق موضوعات پر مبنی ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

سمجھا تھا جسے ناخدا امید کا ساحل۔ کشتی کو اسی نے مری غرقاب کیا ہے

وہ میرا دوست ہے قاصر ہے اپنی فطرت سے
مرے خلاف وہ شامل عدو میں رہتا ہے

منزل انھیں مراد کی ملتی نہیں کبھی۔ ہمت جو ہار جاتے ہیں مشکل کے روبرو

لباس جن کے بدن پر بہت ہی اجلے تھے۔انھیں کے دل تو مگر کوئلے سے کالا تھا

اچھا ہے وہ سماج جہاں اچھے لوگ ہیں۔انسان ہی بناتا ہے اچھے برے سماج

ہر سمت ہے چلا ہوا قاتل کا یہ نظام۔اب ایک ہی مقام پہ مقتل نہیں رہا

فرصت نہیں ہے آج کسی آدمی کے پاس
کچھ دیر رک کے سانس لے جو زندگی کے پاس

ہر اک شعر میں راقم کے ہے وہی شامل
جو تذکرے میں سدا گفتگو میں رہتا ہے

اسلوب ترا طرز سخن سب سے ہے جدا
ہے ذہن پہ راقم یہ ترے اس کی عطا خاص

مذکورہ بالا اشعار سے ظاہر ہے کہ عمران راقم اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں اور اردگرد رونما ہونے والے واقعات و سانحات کو شعری پیکر عطا کر کے اپنی عصری حسیت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

ڈاکٹر خنجر بلال بھارتی صاحب نے بجا فرمایا ہے کہ ''عمران راقم کے پاس ان گنت ساعتوں کا نچوڑ اور تجربات و مشاہدات ہیں کہ خیالات عمومی ہو کر بھی خصوصی ہو جاتے ہیں۔وہ معمولی سی معمولی بات کو غیر معمولی بنانے کا ہنر جانتے ہیں۔اس لیے ان کے اشعار بسا اوقات ہمیں فکری بلندی کی طرف لے جاتے ہیں''۔

آج کے اس تیز رفتار دور میں دیوان جیسی صنف کی تخلیق کے لیے وقت ملنا دشوار طلب بات ہے۔اس لیے آج کل دیوان کی تصنیف نفی کے برابر ہو چکی ہے۔عمران راقم صاحب نے اس کا احیا کر کے دیوان گوئی کو ایک نئی زندگی دینے کی کامیاب کوشش کی ہے اور یہ دیوان دیگر شعرا کے لیے تحریک کا باعث ہو سکتا ہے۔آخر میں اتنا کہنا چاہوں گا کہ عمران راقم صاحب نے دیوان کے لوازم کا پورا پورا خیال رکھ کر پیش کیا ہے جس کے لیے وہ لائق مبارکباد ہیں۔۳۱۶ صفحات کو محیط اس ضخیم کتاب کی قیمت ہے 450 روپے اور شاعر کا پتہ ہے:

Imran Raaqim.
SooratPublications.3.Grant
Street.Kolkata-13(West Bengal)

کتاب کا نام: الف کے بعد (حمد نعت و منقبت)
شاعر: مدہوش بلگرامی مبصر: سعید رحمانی

اردو شعر و ادب کے منظر نامہ میں مدہوش بلگرامی منفرد شناخت کے حامل ہیں۔ان کا تعلق بلگرام سے ہے جو اتر پردیش کا ایک مردم خیز خطہ کہلاتا ہے اور جس کی سرزمین سے متعدد معروف شعرا و ادبا کا ظہور ہو چکا ہے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔جن شعرا و ادبا نے شعر و ادب کے ذخیرے کو مالا مال کیا ہے ان میں سے چند نام ہیں مرتضٰی علی بلگرامی' مولانا حمد بلگرامی' وصل بلگرامی' ہوش بلگرامی' شاداں بلگرامی جیسے اساتذہ پیش پیش رہے ہیں۔یہاں کے شاعروں نے غزل کے مقابلے میں حمد و نعت اور منقبت کے علاوہ رباعی، قطعات، نوحہ و مرثیہ جیسی اصناف کو بام عروج تک پہنچایا۔ یہاں میلے ٹھیلے، نورانی مجلسیں اور تعزیہ داری کا اہتمام بھی بڑے جوش و خروش سے کیا جاتا ہے۔

اسی مردم خیز خطے میں مدہوش بلگرامی نے آنکھیں کھولیں۔وہاں کے ادبی ماحول نے انہیں شاعری کی تحریک دی اور وہ طالب علمی کے زمانے سے ہی شاعری کرنے لگے۔اگر چہ وہاں کے شعراء کلاسیکی اور رومانی شاعری کے رسیا تھے' مگر مدہوش بلگرامی صاحب نے جدید شاعری کو ترجیح دی اور جدید لب و لہجہ کے شاعر اختر شاہجہانپوری صاحب سے اصلاح لینے لگے۔وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اختر شاہجہان پوری صاحب سے وابستگی کے نتیجے میں ان کی شاعری برگ و بار لانے لگی اور وہ ترقی کی راہوں پر گامزن ہو گئے۔۳۵ سالہ ادبی سفر کے دوران ان کی سات عدد کتابیں منظر عام پر آ کر اہل ادب سے خراج حاصل کر چکی ہیں۔ان کتابوں کے نام ہیں تلاش و تعبیر'

Unfiled Notes Page 51

ترسیل، حرف آگہی، مہرباں کیسے کیسے، بزم چراغاں اور حرف بحرف وغیرہ۔ زیر نظر تصنیف "الف کے بعد" نعتوں اور منقبتوں کا مجموعہ ہے۔ نعتیہ شاعری کے لیے شریعت پر گہری نظر اور قرآنی علم سے آشنا ہونا ضروری ہے۔ یہ ایک مشکل صنف ہے، ذرا سی چوک پر قدم لڑکھڑانے کا خطرہ رہتا ہے۔ اسی لیے عرفی نے نعت کہنے کو تلوار کی دھار پر قدم رکھنے کے مماثل قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

مدہوش بلگرامی صاحب اس حقیقت سے آشنا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے رہ سنبھل کر نعتیں کہی ہیں۔ اس کے باوجود وہ اعتراف کرتے ہیں کہ "میں اردو زبان کا ایک ادنیٰ سا طالب علم ہوں، ایک خادم ہوں۔ رہی بات نعتیہ شاعری کی جو میں مٹی کا پتلا ہوں، انسان ہوں کوئی فرشتہ نہیں ہوں لغزش، خامی وکوتاہی ممکن ہے، میں نے اس گلدستہ میں صرف اپنے دل کے جذبات و خیالات 'حضورؐ اکرم سے عشق و محبت اور صفات و کرم کا اظہار کیا ہے"۔ بطور نمونہ ان کے چند نعتیہ اشعار پیش ہیں۔

رحمت تمام کردی ہے میرے نبیؐ کے نام
خالق بھی اپنے پیارے پہ کتنا فدا ہوا
دکھا کر اپنے کردار و عمل کا آئینہ مدہوشؔ
عطا کی ہے مرے آقا نے نادانوں کو دانائی
قدم جب آئے طیبہ میں حبیب کبریا کے
فضائیں گونج اٹھیں خیر مقدم کی صدا سے
طیبہ کی زمیں کو جب آقا نے شرف بخشا
ہر گام پہ صحرا میں گلزار نظر آئے
عشق آقا میں مدہوش رہتا ہے جو
زندگی صرف اس کی قرینے میں ہے
بدلا دعا سے دیتے تھے ظالم کے ظلم کا
تھی کیسی بے مثال یہ فطرت رسول کی
بلا تفریق سب پر لطف ہے مشرق سے مغرب تک
انہیں رحمت کا اک ابر رواں کہنا ہی پڑتا ہے

مشتے نمونہ از خروارے یہ اشعار پیش کیے گئے ہیں ورنہ اس قدر بہت سارے اشعار اس مجموعے میں ہیں جو مرکز توجہ بنتے ہیں۔ اس مختصر سے تبصرہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ مزید اشعار کا حوالہ دوں۔ بہر حال آخر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ مدہوش بلگرامی صاحب ایک خوش فکر اور باصلاحیت نعت گو کی حیثیت سے ہمارے سامنے آئے ہیں اور نعتوں کا گلدستہ پیش کیا ہے جو بہر طور لائق ستائش ہے۔ مجموعہ کے آخر میں نعتیہ رباعیات، قطعات، منقبت، سلام اور متفرق اشعار بھی شامل ہیں جو مدہوش بلگرامی صاحب کے جذبۂ دروں کے آئینہ دار ہیں۔ امید واثق ہے کہ نعتیہ شاعری کے گنجینہ میں یہ مجموعہ ایک بیش قیمت اضافہ ہوگا۔ ۱۴۴ صفحات کو محیط اس کتاب کی قیمت ہے ۱۵۰ روپے اور شاعر کا پتہ ہے۔

Madhosh Bilgrami,224-Behera Saudagar
East-Hardoi (UP)

☆☆☆

پروفیسر مشہود حسن رضوی
53/Model town.Acbn No:498
Bhawalpur.Pakistan

ایک غزل

دریچہ گھروں کا تو کب سے کھلا ہے
ذرا دیر میں آنے والی ہوا ہے
سمجھ میں نہ آئے اسے کیسے دیکھوں
کہ دربار اس کا جو بند ہو گیا ہے
اسے لوگ پہچان پائیں گے کیسے
نقابوں میں چہرہ جو اس کا چھپا ہے
کیا اس نے کرتوت ایسا جہاں میں
وہ سب کی نگاہوں سے اب گر گیا ہے
کیا تھا جو احسان مجھ پر بہت ہی
مرا دل اسے یاد کرتا رہا ہے
مری مشکلوں کو تو آسان کر دے
خدا سے اے مشہودؔ یہ التجا ہے

Unfiled Notes Page 52

طرحی مشاعرہ

مصرع طرح "ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا" پر غزلیں پیش ہیں۔ اگلے شمارے کے لیے طرح نوٹ فرمائیں: "میں ایک شخص کو اپنے پہ مہرباں دیکھوں" (شاعر۔ صہبا وحید۔ قوافی: مہرباں، امکاں، قدرداں وغیرہ۔ ردیف: دیکھوں۔ پانچ اشعار پر مشتمل آپ کی طرحی غزل ۱۵؍جون ۲۰۲۵ء کے اندر ہمیں مل جانی چاہیے۔ رسالہ اگر تاخیر سے ملے تو وصول یابی کے ایک ہفتے کے اندر ارسال کر سکتے ہیں۔ ادارہ

افضل مظفر پوری۔ بہار

Mob-9955029167

بدگمانی اپنے دل میں بدگماں لے جائے گا
داد اور تحسین لیکن حق بیاں لے جائے گا

موت آئے گی کہانی ختم ہو جائے گی بس
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

اہلِ فن اہلِ قلم سب دیکھتے رہ جائیں گے
لوٹ کر محفل کوئی شیریں زباں لے جائے گا

دل ہی لے کر جاؤں گا میں بھی دیارِ یار میں
چاند پر جائے گا کوئی کہکشاں لے جائے گا

بات منوانی ہے افضل تو زباں شیریں کرو
لوگ تیرے ساتھ جائیں گے جہاں لے جائے گا

عظمت علی عظمت (کرنول)

Mob-9866792509

کیا خبر یہ راستہ ہم کو کہاں لے جائے گا
کون سی منزل کی جانب کارواں لے جائے گا

لمحہ میری عمر کا پل پل گزرتا ہے جواب
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

رہبری پر تیری ہے مجھ کو بھروسا اس قدر
میں چلوں گا ساتھ تیرے تو جہاں لے جائے گا

فکر میں ڈوبا ہوا ہے جو پرندہ آجکل
شاخِ نازک سے کہاں وہ آشیاں لے جائے گا

جان نہ پائے گا کوئی حالِ دل عظمت یہاں
میرا ہر اک راز میرا رازداں لے جائے گا

فرحت صابری۔ مظفر پور، بہار

Mob-9199092786

جو جبینِ دل پہ سجدوں کا نشاں لے جائے گا
گویا وہ اپنا مقدر ضو فشاں لے جائے گا

یاد رکھ شہرِ خموشاں کے اندھیروں کی گھٹن
کیا اجالوں کا وہاں بھی کارواں لے جائے گا

سب کریں گے رشک اس کی سرفرازی دیکھ کر
جو عمل اپنا وہاں تاب و تواں لے جائے گا

چھوڑ کر نقشِ وفا اہلِ جہاں کے درمیاں
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

رنگ لائے گا ہمارا عشق فرحت صابری
فاصلے جو ہیں ہمارے درمیاں لے جائے گا

سمیع احمد ثمر۔ سارن (بہار)

Mob-7488820892

میری یادوں کا حسیں وہ گلستاں لے جائے گا
ساتھ اپنے پیار کی اک داستاں لے جائے گا

ایسا اک طوفان برپا ہونے والا ہے یہاں
جو اڑا کر ساتھ اپنے آشیاں لے جائے گا

رہنما کی شکل میں آئے گا پیغامِ اجل
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

جو تحفظ دے رہا ہے زندگانی میں مجھے
منزلِ مقصود تک وہ پاسباں لے جائے گا

رونقیں ہونے لگیں ہیں ختم دنیا سے ثمر
آسمانِ فکر سے وہ کہکشاں لے جائے گا

نظیر راہی۔۔۔کولکاتا

Mob-9831951871

ساتھ میں میری نشانی وہ جہاں لے جائے گا
یہ سمجھ لیجے کہ وہ آہ و فغاں لے جائے گا

کیا خبر تھی دے کے تاریکی مجھے وہ ایک دن
وہ چھپا کر ساتھ اپنے کہکشاں لے جائے گا

موسمِ گل کی تمنا دل میں رکھتا ہے مگر
ساتھ تجھ کو دیکھنا دورِ خزاں لے جائے گا

ایک لمحہ آئے گا پیغام لے کر موت کا
ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا

وہ مجھے گر بھولنے کی ضد میں ہے راہی نظیر
چھوڑ کر تنہا مجھے وہ دو جہاں لے جائے گا

شمیم القادری، مظفر پور بہار

Mob-9507632100

صرف چھپر ہی نہیں سارا مکاں لے جائے گا
درد دل دے جائے گا آہ و فغاں لے جائے گا

وقت ایسی لے رہا ہے کروٹوں پر کروٹیں
ہر زباں رہ جائے گی اردو زباں لے جائے گا

ٹھوکروں پر ٹھوکریں دیتا رہا جو روز و شب
باندھ کر زنجیر جانے اب کہاں لے جائے گا

جانے والا جائے گا جب آنکھ اپنی موند کر
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

یہ کلام عمدہ سے عمدہ ہے شمیم القادری
یہ تجھے اہلِ سخن کے درمیاں لے جائے گا

نظام پھولیاوی۔ مظفر پور بہار

Mob-9973047938

جو یہاں گزری ہے اس پر وہ بیاں لے جائے گا
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

چل پڑا ہوں میں اکیلا راستہ دشوار ہے
ساتھ مجھ کو کیا امیرِ کارواں لے جائے گا

چاروں جانب ہی دھندوں کا ہے پہرا جانِ من
اب مجھے اس سے بچا کر تو کہاں لے جائے گا

پوچھتا کتنا بھی ہے سب کے دلوں کا حال جو
دل سبھوں کا جیت کر وہ مہرباں لے جائے گا

رکھتا رغبت ہے بھلائی سے نظام الدین جو
دامنِ دل میں وہ ناصح کا بیاں لے جائے گا

سید خادم رسول عینی، کرنول

Mob-9527865833

جو مقدر میں تھا اس کو بے گماں لے جائے گا
دے کے صحرا کوئی تم کو گلستاں لے جائے گا

نیکیاں کر لے یہی پونجی ہے تیرے واسطے
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

جائے گا اک روز خالی ہاتھ تو سوئے عدم
مال اور دولت بچا کر تو کہاں لے جائے گا

بیٹھ جاتے ہیں سفینے پر خدا کے نام سے
جانے ہم کو کس طرف آبِ رواں لے جائے گا

فرض ہے اپنا یہی چلتے رہیں گے بے جھجک
جس طرف بھی عینی میر کارواں لے جائے گا

تنویر پھول۔ امریکہ

Mob-0015182217060

یار اپنا آئے گا کوئے بتاں لے جائے گا
جانتا ہوں گمرہی ہے وہ جہاں لے جائے گا

موت کا ہرکارہ آئے گا خدا کے حکم سے
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

نت نئی تبدیلیوں پر عقل بھی حیراں ہوئی
آنے والا دور دنیا کو کہاں لے جائے گا

نسلِ نو کی تربیت ہے لازمی رکھو خیال
ناخلف جو ہے وقارِ خانداں لے جائے گا

باغباں کے بھیس میں آیا ہے گلشن لوٹنے
پھول کلیاں اور سارا گلستاں لے جائے گا

عارف محمد عارف۔ بھدرک اڈیشا

Mob-7504136004

تم جہاں سے آ نہ پاؤ گے وہاں لے جائے گا
لیں بربادی کی جانب مہرباں لے جائے گا

تم بھی ترسو گے ستاروں کے لیے میری طرح
جب تمہارے سر سے کوئی آسماں لے جائے گا

جو نہ مل پائے اسی کی جستجو میں دوستو
میرا یہ دیوانہ پن جانے کہاں لے جائے گا

دن بدن بڑھتی چلی جاتی ہے ساقی کی ہوس
لگ رہا ہے مجھ سے وہ سارا جہاں لے جائے گا

جانتے ہیں اتنا عارف دور ہے منزل کہیں
ہم کو جاتا ہے جدھر یہ مہرباں لے جائے گا

Unfiled Notes Page 53

ڈاکٹر ممتاز منور۔ پونے (انڈیا)

Mob-9881469520

وقت کا طوفان ماضی کے نشاں لے جائے گا
تھے سنبھالے عمر بھر جو نا گہاں لے جائے گا

ہے تلاطم خیز دریا پھر بھی دل کو ہے یقیں
ڈال دی کشتی بھنور میں پاسباں لے جائے گا

آزمائش زندگی میں ہر قدم پر ہر گھڑی
کیا خبر ہم کو کہاں یہ امتحاں لے جائے گا

چل دیے تقلید میں اس کی نہیں سوچا کبھی
راہ بر پہ ہے بھروسا وہ جہاں لے جائے گا

جس کے دم سے ہر خوشی ہے وہ بچھڑ جائے اگر
"ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا

سبطین پروانہ، کٹیہار۔ بہار

Mob-9472217246

عزم محکم رہبر منزل نشاں لے جائے گا
مرحلہ بھی خوبصورت درمیاں ہو جائے گا

اس کی ہمت کو کرے گی ساری دنیا پھر سلام
جب وہ اپنے ہر قدم پر کہکشاں لے جائے گا

اشک پی کر مسکرانے کا ہنر رکھتا ہے جو
ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا

درد کا قصہ سنا کر میرا ہمدم ایک دن
زندگی سے ہر خوشی کی داستاں لے جائے گا

بات یہ پروانہ میں تو کبھی سوچی نہ تھی
شاخِ گل سے توڑ کر گل باغباں لے جائے گا

سعید قادری، مظفر پور۔ بہار

Mob-9262934249

آئے گا شیریں سخن شیریں زباں لے جائے گا
فکر کی دہلیز سے لفظ و بیاں لے جائے گا

کل گزشتہ سرخیاں تھیں سب یہی اخبار میں
شاخِ گل رہ جائے گی گل باغباں لے جائے گا

بعد میں احساس ہوگا دیکھ لینا آخرش
جیب خالی کر کے جب پیرِ مغاں لے جائے گا

ہوگا رخصت اس جگہ سے کاروانِ شوق جب
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

خوب لکھی ہے غزل تو نے سعید قادری
مانگ کر تجھ سے کوئی شیریں زباں لے جائے گا

یونس عاصم۔ کٹک

Mob-9090156995

چھین کر جب وہ مری شیریں زباں لے جائے گا
غیر ممکن ہے مرا حسن بیاں لے جائے گا

زرد موسم کا گزر صحن چمن سے ہوگا جب
پھول کی نکہت کلی کی شوخیاں لے جائے گا

رات دن کرتا ہوں میں جس آستاں کی جستجو
یہ جنونِ دل مرا مجھ کو وہاں لے جائے گا

منتظر ہیں ہم تو اس سورج کے یارو آج بھی
جو ہمارے عہد کی تاریکیاں لے جائے گا

اپنی یادوں کے تحائف دے کے عاصم ایک دن
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

بدر محمدی، ویشالی، بہار

Mob-9939311612

آگ سے جھونکا ہوا کا یوں دھواں لے جائے گا
چھوڑ کر جیسے یقیں کوئی گماں لے جائے گا

گو پسند اس کو نہیں سر پر ہمارے کہکشاں
دور لب کتنی مگر وہ آسماں لے جائے گا

لامکاں تھا تو یہاں رہنے دیا اس نے مجھے
دوسری دنیا میں کر کے بے مکاں لے جائے گا

بر سرِ منزل پہنچنا طے ہے میرا ایک دن
جا نہ پاؤں میں جو تنہا کارواں لے جائے گا

آخرت کو جنت و دوزخ میں ہے بانٹے ہوئے
بنتے ہیں وہ دو جگہ یہ اک جہاں لے جائے گا

رضاالباری اظہر۔ کٹیہار (بہار)

Mob-9931164932

تجھ کو قربِ رب ترا عشق نہاں لے جائے گا
اور دوزخ کی طرف تیرا گماں لے جائے گا

گر برے کاموں سے تو بھی واسطہ رکھتا نہیں
ساتھ اپنے نیکیاں ہی نیکیاں لے جائے گا

اور کچھ نہ لے سکے گا اس زمانے سے مگر
ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا

قوتِ باطل کے آگے حق بیانی یوں نہ کر
تجھ کو تختِ دار تک تیرا بیاں لے جائے گا

جس کو اظہر مہرباں اپنا سمجھتا تھا وہی
لوٹ کر تیری خوشی کا وہ جہاں لے جائے گا

منور علی تاج۔ اجین (ایم۔ پی)

Mob-7000447654

ہر بشر اپنے عمل کی داستاں لے جائے گا
جب جہاں سے جائے گا نام و نشاں لے جائے گا

کس نے سوچا تھا کہ اک دن آئے گا ایسا کبھی
ہر کنول اس دیش کا امن و اماں لے جائے گا

آئے گا جب عزرائیل روح لینے کے لیے
"ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا"

یہ نہیں ممکن کبھی کوئی کہے یہ آپ سے
اپنے احساں مہربانی مہرباں لے جائے گا

کہہ رہا ہے ہم سبھوں سے تاج سانسوں کا سکوں
وہ جب بھی جائے گا آہ و فغاں لے جائے گا

احمد ندیم مور سنڈوی۔ کٹیہار (بہار)

Mob-7488538928

ایسا لگتا ہے کہ سر سے آسمان لے جائے گا
دیکھیے کیسا ہے میرا مہرباں لے جائے گا

درد دل اپنا سناؤں گا اسے میں جب کبھی
میرے دل کے درد کی وہ داستاں لے جائے گا

اس نے جو تعریف کی ہے اس قدر میری یہاں
اس کے بدلے میرا تحفۂ قدرداں لے جائے گا

جانتا ہوں ایک دن آئے گا وہ میرا رقیب
چھین کر میری خوشی جو نا گہاں لے جائے گا

یوں تو تنہا ہی رہا دنیا میں اب تک وہ ندیم
ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا

عدیل منصوری بارہ بنکی

Mob-9415189119

جو بھی ماتھے پر عبادت کا نشاں لے جائے گا
بندگی و عشق کی وہ داستاں لے جائے گا

ظلم کی جو ساتھ اپنے داستاں لے جائے گا
پھر یہ طے سمجھو کہ وہ ناکامیاں لے جائے گا

کیوں حصول زر میں تو مشغول رہتا ہے سدا
آخرش یہ مال و دولت تو کہاں لے جائے گا

فکر کی پرواز اس کی اور بلند ہو جائے گی
عزم دل جو بھی برائے امتحاں لے جائے گا

تیرے اوصاف حمیدہ سے یہ لگتا ہے عدیل
ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا

اشفاق علی خیرآبادی، سیتاپور

Mob-9807307077

پوچھتے ہو فکر کا طائر کہاں لے جائے گا
ہوگی جب پرواز سوئے آسماں لے جائے گا

تجھ کو اس دنیا سے جانا ہے یقیناً ایک دن
اس حقیقت کو چھپا کر تو کہاں لے جائے گا

چن لیا ہے میں نے اس کو آگہی کے واسطے
دیکھنا ہے کس طرف یہ کارواں لے جائے گا

کتنی ملت تھی ہمارے ملک کے اقوام کی
آج کا ماحول تو امن و اماں لے جائے گا

جب بہار آئے گی گلشن دیکھتے رہ جاؤ گے
موسم گل آئے گا دور خزاں لے جائے گا

Unfiled Notes Page 54

رفیع احمد آفتاب، موتیہاری بہار

Mob-9934166376

ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا
عمرِ رفتہ کی طرح عمرِ رواں لے جائے گا

ہم نے بچوں کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا بیار
کون ہے جو ساتھ اپنے آشیاں لے جائے گا

چال کوئی روشنی سے تیز تر ہوتی ہے کیا
گردشِ دوراں کو اک دن سائباں لے جائے گا

کیا بتائے گا کوئی کیسے بدلتا ہے مزاج
رات دن کو ساتھ اپنے گل فشاں لے جائے گا

مختلف راہیں لیکن ہم چلے ہیں ساتھ ساتھ
اپنے ہی ہمراہ ہمیں وہ مہرباں لے جائے گا

ہمکر شیام، رانچی۔ جھارکھنڈ

Mob-9430358234

چل پڑوں گا ساتھ اس کے وہ جہاں لے جائے گا
دیکھتا ہوں کس طرف یہ کارواں لے جائے گا

دوست کہتے ہیں نہ بولوں دورِ حاضر کے خلاف
کھینچ کر میری زباں بھی حکمراں لے جائے گا

دم ہمارا گھٹ رہا ہے نفرتی ماحول میں
دیکھیے اس کا جنوں ہم کو کہاں لے جائے گا

ایک دن کوئی فرشتہ آئے گا بے شک حضور
مسکراہٹ بانٹ کر آہ و فغاں لے جائے گا

وہ چلا جائے گا دنیا دیکھتی رہ جائے گی
ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا

رمیش کنول، پٹنہ۔ بہار

Mob-8789761287

دل کے تہہ خانے سے کہکشا آسماں لے جائے گا
دے کے اپنا غم خوشی کا کارواں لے جائے گا

میری آنکھوں میں بسے گا ان کے دلکش خواب جو
دل کے دفتے سے جذبوں کا نشاں لے جائے گا

کیا خبر تھی کاسۂ دل سے لہو پی کر مرے
غم لکھے گا اپنا، میری داستاں لے جائے گا

آشنا کر دے گا ہم کو چاند تاروں سے مگر
یہ زمیں عشق کی لذت کہاں لے جائے گا

رہنمائی میں چلو جو راہبر کے تم کنول
رفتہ رفتہ سوئے منزل مہرباں لے جائے گا

اکرم حسین، کولکاتا

Mob-9836682396

ڈوبتا سورج پرندوں کو کہاں لے جائے گا
عافیت جس آشیاں میں ہے وہاں لے جائے گا

روزِ فردا پہلے میرے لب سیئے گا اور پھر
خونچکاں آنکھوں سے میری داستاں لے جائے گا

رات کا منظر کرے گا مجھ پہ دیرینہ ستم
میری کھڑکی سے رو پہلا آسماں لے جائے گا

چھوڑ جائے گا نشاں وہ یہاں ممکن نہیں
"ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا"

قافلے کا میر صادق ہے اگر تو خوف کیا
ہم چلیں گے ساتھ اس کے وہ جہاں لے جائے گا

Unfiled Notes Page 55

Unfiled Notes Page 56

A.MAHAZ APR-JUN 25

Tuesday, April 08, 2025
5:24 PM

بیاد پروفیسر سید منظر حسن دسنوی مرحوم
اور سید شکیل دسنوی مرحوم
شعروادب کی صالح قدروں اور عصری رجحانات کا ترجمان
سہ ماہی ادبی محاذ کٹک

ہمارے سرپرست
علامہ حضرت سید اولاد رسول قدسی مصباحی (امریکہ)
جناب خادم رسول عینی (کرنول)
جناب تنویر پھول (امریکہ)
جناب نظام پھولپاوی (بہار)

مدیر اعلیٰ: سعید رحمانی
موبائل۔ 07978439220 (صرف SMS کے لیے)

مدیران	معاون	مدیر
عبدالمتین جامی	سید نور الٰہی ناطق	سید نفیس دسنوی
Mob-9938905926	Mob:9237427933	Mob:9437067585

منیجنگ ایڈیٹر
سمیع الحق شاکر موبائل 9861148800
کمپیوٹر کمپوزنگ:۔ یونس عاصم موبائل۔ 9090156995

مجلس مشاورت
ڈاکٹر اسلم حنیف، ظفر اقبال ظفر، شارق عدیل، غلام ربانی فدا، اشفاق نجمی، حیرت فرخ آبادی، شیخ منور حبیبی، شیخ قریش، ڈاکٹر معصوم شرقی، ڈاکٹر قمر افرمال، یوسف جمال، مولانا مطیع اللہ نازش، ارشد جمیل، محمد عبدالوحید (پروف ریڈر اور صلاح کار)

قانونی مشیر: محمد فیض الدین خاں (ایڈوکیٹ ہائی کورٹ)

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ
سعید رحمانی۔ دیوان بازار۔ پوسٹ۔ بخشی بازار، کٹک۔ 753001 (اڈیشا)
09437067585 (ضروری جانکاری کے لیے)
E-mail: adbimahaz@gmail.com
E-mail: Sayeedrahmani@gmail..com
Website:
http//www.sayeedrahmani.blogspot.com

قیمت فی شمارہ: 35 روپے زر سالانہ: 130 روپے
رجسٹری ڈاک سے زر سالانہ۔ ۳۰۰ روپے
خصوصی زر سالانہ: ۲۰۰ روپے بیرونِ ممالک: ۲۵ امریکی ڈالر
(چیک یا ڈرافٹ پر نام کی جگہ صرف MohammedSayeed لکھیں۔ پتہ نہ لکھیں۔ چیک کے ذریعہ زر سالانہ ۱۵۰ روپے ارسال کریں۔ بیرونِ ملک کے لئے ۳۰ امریکی ڈالر)
Name Of Account Holder:Mohammed Sayeed
IndianOverseasBank-A/CNo.172201000001688

پبلیشر و پرنٹر شیخ قریش نے ہما پریس قاضی بازار سے چھپوا کر دفتر ادبی محاذ دیوان بازار کٹک۔ 753001 سے شائع کیا۔

یادوں کے جھروکے سے
سید شکیل دسنوی مرحوم



کھو کر پونجی سانس کی خوب کیا بیوپار
سید جی کچھ پاپ ہی لے کر چلے اُدھار

دن دو دن یا چار دن سب کا یہاں پڑاؤ
اس بستی میں خواب کے خیمے لاکھ لگاؤ

جب سے پہنا جسم کا خاکی ایک لباس
ہم تو اپنے آپ کی بھول گئے بو باس

ہم نے کاٹا عمر کا کیسا یہ بن باس
یہ رامائن کون لکھے کہاں ہیں تلسی داس

دنیا میں کس کام کے یہ دھنوان بخیل
چھاؤں دے کیسے تاڑ کا اونچا پیڑ شکیل

پیش کش
ڈاکٹر سید نبیل حسن۔ کٹک

ہمارے خصوصی معاونین

اپنی پنشن کی رقم سے ''اخبار اڑیسہ'' کا لگایا ہوا پودا اب اللہ کے فضل و کرم سے برگ و بار لا کر سہ ماہی ''ادبی محاذ'' کی صورت میں ارتقائی سفر طے کرنے لگا ہے۔ میری تنہا ذاتی کوششوں سے شروع کیا ہوا یہ سفر اب 'لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا' کے مصداق ایک ادارے کی شکل اختیار کر گیا ہے جس میں مقامی احباب کے دامے درمے سخنے تعاون کے ساتھ ہی کل ہند اور عالمی سطح پر بھی محبان اردو نے اپنی طرف سے ایک ہزار سے پانچ ہزار تک کے عطیات دیے ہیں اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ ان میں سے بعض نے وقفے وقفے سے رقم بھیجتے رہنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ تمام محبان اردو سے گزارش ہے کہ ''ادبی محاذ'' کی خریداری قبول فرمائیں اور اس کی بقا کا ضامن بنیں۔

خصوصی معاونین کے اسمائے گرامی

الحاج محمد ایوب خاں	بھوبنیشور
الحاج سیّد عطائی الدین	بھدرک
الحاج سیّد ڈاکٹر مشتاق علی	کٹک
الحاج مولوی سیّد نذیر الدین صدیقی (ایڈوکیٹ)	کٹک
جناب محمد شاہنواز	بھوبنیشور
جناب عبدالمجید فیضی	سمبل پور
جناب ایم اے احد	بھوبنیشور
جناب محمد اسلم غازی	ممبئی
ڈاکٹر محمد قمر الدین خاں	کٹک
جناب ایس این شیخ	ممبئی
مولوی محمد مطیع اللہ نازش	کٹک
جناب شیخ منور احمد حبیبی	دھام نگر (اڑیسہ)
جناب محب الرحمٰن وفا	یوڈا اعہار اشٹر
جناب وکیل نجیب	ناگپور
جناب سیّد محمود رضی الدین	راجستھان
جناب اقبال سلیم۔	بنگلور
جناب ایم حمید الدین ناز	بیدر
پالوجی ڈاکٹر جاوید حسین	ممبئی

مس انجم ممتاز سلطانہ	بیدر
جناب رفیق شاہین	علی گڑھ
جناب سمیع الحق شاکر	کٹک
ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمی	رانچی
ڈاکٹر جمال الدین احمد	بھوبنیشور
ڈاکٹر کرشن بھاوک	پٹیالہ
سید فرید منظر حسن	کٹک
ڈاکٹر وصی بکرانی واجدی	نیپال
ڈاکٹر قمر الزماں	دھنباد
مولانا پھول محمد نعمت رضوی	مظفر پور (بہار)
جناب ارشد قمر	ڈالٹن گنج
ڈاکٹر ملک خورشید	لکھنؤ
حاجی اختر حسین	تیل پہاڑ۔ جھارسوگڑا
جناب جمال قدوسی	سدھارتھ نگر (یوپی)
جناب شمس الحق شمس (ایڈوکیٹ)	دیوپور (کٹک)
ابوالکمال ظفر احمد (ایڈوکیٹ)	بالیسر
جناب ارشد جمیل	کٹک
جناب شیخ بشیر احمد	کشمیر

جناب نظام مجھولیاوی	مظفر پور (بہار)
جناب رمیش پرساد کنول	پٹنہ
جناب اسحاق عابد	چنئی
ڈاکٹر مختار شمیم	بھوپال
ابرار نعمی	رائسین (ایم پی)
بانو مہر سلطانہ بنت حمید الدین	بیدر (کرناٹک)
جناب جاوید ندیم	ممبئی
جناب فیروز احمد سیفی	نیویارک (امریکہ)
پروفیسر سید محمد استخار الدین	بجنور (یوپی)
الحاج سید عطائی الدین	بھوبنیشور
جناب سید اولاد رسول قدسی	امریکہ
جناب سید خادم رسول عینی	بھساول
سبطین پروانہ	کٹیہار (بہار)
محسن عظیم انصاری	لکھنؤ (یوپی)

گزارش

محترمی! السلام علیکم

پرنٹنگ چارج کے ساتھ ساتھ ڈاک خرچ میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ رسالے کی قیمت میں مجبوراً اضافہ کرنا پڑا ہے۔ آئندہ قیمت فی شمارہ 35/ روپے اور زر سالانہ 130/ روپے کر دی گئی ہے۔

امید ہے ہماری مجبوری کا خیال رکھتے ہوئے آپ یہ معمولی سا اضافہ گوارہ کرتے ہوئے اپنا تعاون جاری رکھیں گے۔ ادارہ

اس شمارے میں

حمد و نعت

عبدالمجید فیضی سمبلپوری
12/106,Nayapara,Samblpur,Odisha,

حمد باری تعالیٰ

رحمتِ رب العلیٰ ہے جو بہ ہو   اس کا فیضانِ کرم ہے کو بہ کو
اس کی قدرت کے کرشمے جابجا   اسکے جلووں کے نظارےسو بہ سو
مستتر ہے وہ نگاہوں سے مگر   ہے رگِ جاں سے قریں تر دو بہ دو
ماہ و خاور کہکشاں در کہکشاں   اس کی طلعت سے منور ہو بہ ہو
جلوہ ساماں ہیں زمین و آسماں   آئینہ در آئینے رو بہ رو
ربِ ارنی کا تقاضائے کلیم   لن ترانی ہے جواب دو بہ دو
ہم طریق و ہم خصال و ہم صفات   اہلِ ایماں سارے باہم خو بہ خو

منظرِ شام و سحر ہے دل نشیں
کیجئے فیضی نظارہ دو بہ دو

محمد طفیل احمد حافظ
At Sonapali,WardNo-33,
HouseNo-382.P.O:Dhankauda
Dist:sambalpur768006(Odisha)

نعتِ پاک

مدحتِ سیدِ انام کرتےہیں روز و شب غلام   کروبیانِ عرش بھی کرتے ہیں نذر انھیں سلام
پیشِ نظر رہے مدام سرورِ دیں کا احترام   ان پہ درود اور سلام لحہ بہ لحہ صبح و شام
ان کے لیے ہیں برکتیں ان پہ خدا کی رحمتیں   جن کے لبوں پہ ہے درود جن کے لبوں پہ ہے سلام
فخرِ جہاں ہے ان کی ذات ان سے وجودِ کائنات   ان کے ہی دم قدم سے ہے بزمِ جہاں کا انتظام
سدرہ سے آگے جبرئیل ہرگز نہ ہوسکے دخیل   جانبِ عرش تھے رحیل تنہا حضور ذی مقام
مژدہ ترے درود کا ہر اک رسول نے دیا   جملہ صحف گواہیاں دیتے رہے بالالتزام
دنیا میں ان کی سروری نبی میں ان کی برتری   دونوں جہاں میں ہے مچی ان کے کرم کی دھوم دھام
رنج و الم سے ہے گھری آج ہماری زندگی   آقا نگاہِ لطف سے کیجئے ہم کو شادکام

حافظ خستہ حال کی لیجئے کچھ خبر نبی
کیجئے چشمِ التفات بگڑے ہیں اس کے سارے کام

عبدالمجید فیضی سمبلپوری
12/106,Nayapara,Samblpur,Odisha,

نعتِ پاک

خونابِ چشمِ درفشاں لعل و گہر کی آبرو   یادِ رسولِ دوجہاں دردِ جگر کی آبرو
ان کا جمالِ ناز ہے ذوقِ نظر کی آبرو   ان کا خیالِ جاں فزا جذب و اثر کی آبرو
صبحِ ازل کی روشنی شامِ ابد کی چاندنی   حسنِ ملیحِ شاہِ دیں شام و سحر کی آبرو
گردِ سفر ہے کہکشاں عرشِ بریں کے میہماں   نقشِ قدم ہیں آپ کے شمس و قمر کی آبرو
مکہ کی فتح بے مثال بے کشت و خوں بلاقتال   اذنِ امان و عفوِ عام فتح و ظفر کی آبرو
ہو میرے حالِ زار پر لطفِ یتیم کی نظر   آپ ہیکے فیض سے خیر و خبر کی آبرو
ان پر درود ہو مدام ان پر سلام صبح و شام   ان کا جمالِ لازوال ہے خشک و تر کی آبرو

ان کی شبیہِ ناز کا فیضی خیالِ جاں فزا
فرحتِ جاں سرورِ دل لطف و نظر کی آبرو

تنویر پھولؔ (امریکہ)

نعتِ پاک

سوزِ دل نے دل میں پیدا ایسا جلوہ کردیا   عکسِ یار اور جذبۂ الفت کو یکجا کردیا
وہ ہوا محوِ تکلم گل کی بارش ہوگئی   کیا ہے وہ سحر البیاں قطرہ کو دریا کردیا
جب ہوا محوِ خرامِ ناز وہ رشکِ بہار   اس کے قدموں نے بیاباں کو حدیقہ کردیا
جامِ جم کی اب ضرورت کچھ نہیں اس قلب کو   ذکرِ حق نے دل کا آئینہ مجلیٰ کردیا
جو مخالف تھے انھیں بھی فیض پہنچاتا رہا   اس شجر نے کاٹنے والوں پہ سایا کردیا
دل میں جو پنہاں تھا ظاہر ہوگیا اس شوخ پر   کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کردیا

گلشنِ ہستی میں یہ نغمہ سرائی پھولؔ کی
یوں کھلا غنچہ کہ اس نے زخم تازہ کردیا

تنویر اختر رومانی
59,ChunaShahColony
P.O:Mango.Jamshedpur-831012
Mob-7004384853

نعتِ پاک

بنائے دو جہاں اور ابتدا و انتہا تم ہو
قسم اللہ کی لاریب وہ نورِ خدا تم ہو

کلیم اللہ سے تو لن ترانی کہہ دیا رب نے
وہ جس کی شانِ والا میں کہا لفظِ دنیٰ تم ہو

ثنا میں جس کی کنکر بول اٹھے بند مٹھی میں
شجر جس کی شہادت دیں وہ ختم الانبیا تم ہو

عیاں والشمس کے جلوے ہوئے ہیں جس کے عارض سے
وہ جس کی یا نبی واللیل ہے زلفِ دوتا تم ہو

چلے آؤ کہ اب تو فاصلہ بس دو کماں کا ہے
بلایا جس کو رب نے یوں وہ محبوبِ خدا تم ہو

وہ جس کے اتی بننے کی خواہش کی ہے نبیوں نے
شہنشاہِ امم بے شک وہ فخرِ انبیا تم ہو

بچایا جس نے کفر و شرک کی لعنت سے ہم سب کو
وہ جس نے درسِ رب کی شانِ وحدت کا دیا تم ہو

فروزاں ہے وہ جس کے پرتوِ تنویر سے جنت
وہ جس کا نام ہر اک برگِ طوبیٰ پر لکھا تم ہو

اکبر چنوری
H.No-1-14-753/1,
NearKausarMasjid.
KaghazBagar-504296(Telegana)

نعتِ پاک

لو نام مصطفیٰ کا نہایت ادب کے ساتھ
تحریر عرش پر ہے محمد بھی رب کے ساتھ

توہین جو کرے گا رسولِ انام کی
اللہ پیش آئے گا غیض و غضب کے ساتھ

اپنا ہو یا پرایا ہو دشمن کہ دوست ہو
رحمت کا ہے معاملہ ان کا تو سب کے ساتھ

آقا کی سنتوں کو جو اپنائے گا یہاں
پہنچے گا خلد میں بھی وہ شاہِ عرب کے ساتھ

جو بھی درود پڑھتا ہے رب کی عطا سے وہ
پہچانتے ہیں اس کو حسب اور نسب کے ساتھ

دنیا و آخرت میں بھلائی وہ پائے گا
جو زندگی گزارے گا آقا کے ڈھب کے ساتھ

احمد ندیم مورسنڈوی
At/P,O:Morsanda.Via:Korha
Dist:Katihar-854108(Bihar)

نعتِ پاک

میرے لبوں پہ نام نبی صبح و شام ہے
سرتاجِ اولیا وہی خیر الانام ہیں

محتاج اور دکھیوں پہ کرتے ہیں وہ کرم
سب کے لیے زمانے میں رحمت بھی عام ہے

کلمہ انھیں کا رہتا ہے میری زبان پر
میری کتابِ دل میں لکھا ان کا نام ہے

ہر لفظ لفظ میں ہے بصیرت کی روشنی
جو ہے کلامِ حق وہی ان کا کلام ہے

جو ان کے نام لیوا ہیں دنیا میں اے ندیم
مخصوص ان کے واسطے کوثر کا جام ہے

مختار راہی
At:Nala Road.Hasanpur
Rourkela-769001(odisha)
Mob-9861030141

نعتِ پاک

بصد خلوص بصد احترام کہہ دینا
صبا حضور سے میرا سلام کہہ دینا

قرارِ دل کو نہ آنکھوں میں نیند رہتی ہے
تڑپتا رہتا ہوں میں صبح و شام کہہ دینا

دعائیں کیجئے غم سے نجات مل جائے
مصیبتوں میں گھرے ہیں غلام کہہ دینا

پکارے جائیں جو ان کے غلام محشر میں
خدارا اس میں ہو میرا بھی نام کہہ دینا

غمِ فراق میں جینا محال ہے آقا
مدینے جانے کا ہو انتظام کہہ دینا

انھیں کی مدح و ثنا کرتے کرتے دم نکلے
اسی میں عمر ہو میری تمام کہہ دینا



علامہ حضرت سید اولادِ رسول قدسی مصباحی (امریکہ)
سرپرست ادبی محاذ

نعتِ پاک

ان کو سیاحِ لامکاں کہیے — بے بدل شاہِ کن فکاں کہیے
ان کے فیض و کرم کو ہر لمحہ — دو جہاں میں رواں دواں کہیے
بدر و انجم سے بھی کہیں بڑھ کر — گردِ طیبہ کو ضو فشاں کہیے
سوئے عشقِ نبی جو لے جائے — قربِ حق کا اسے نشاں کہیے
دیکھ کر ان کے در کی تابانی — ہیچ ہے خلد کا سماں کہیے
دورِ حاضر میں جو ہے حق پہ ڈٹا — فضل کا اس کو آسماں کہیے
فرش تا عرش ذرّے ذرّے میں — نورِ سرکار ہے عیاں کہیے

قدسی القاب کی ضرورت کیا
ہم کو صرف ان کا مدح خواں کہیے

نعتِ پاک

ایسے ذیشاں ہیں صاحبِ قرآں — روحِ قرآں ہیں صاحبِ قرآں
فرش تا عرش سب ہیں چشم براہ — رب کے مہماں ہیں صاحبِ قرآں
ہے محبت ہی ان کی نورِ نجات — اصلِ ایماں ہیں صاحبِ قرآں
ہر مسافر کے ہیں وہی منزل — دل کے ارماں ہیں صاحبِ قرآں
ان کی رحمت کے سائے میں ہے جہاں — غم کے درماں ہیں صاحبِ قرآں
وہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا کہیں — خلق کی جاں ہیں صاحبِ قرآں
ان سے توحید ہوگئی واضح — رب کا عرفاں ہیں صاحبِ قرآں
کیسے کردے کوئی ہمیں پامال — جب نگہباں ہیں صاحبِ قرآں

ہے یہ قدسی خصوصیت ان کی
نورِ رحماں ہیں صاحبِ قرآں

غزل

تمدیدہ اک جلتا ہوا جو چراغ تھا — ڈوبے ہوئے گھروں کا وہی ایک داغ تھا
گردن مروڑ دی ہے شفق نے غرور کی — انوار سے فلک پہ سحر کا دماغ تھا
امواج جھک رہی تھیں عقیدت سے روبرو — پھولوں کا تاج پہنے جو ساحل پہ باغ تھا
حملہ کیا تھا برہنہ خنجر سے باد نے — افسردہ شاخِ زخم پہ اک سرخ زاغ تھا
سورج کا تیر لگ گیا دھرتی پہ بہہ گیا — دستِ قمر پہ روشنیوں کا ایاغ تھا
بادل نے کھینچ دی تھیں جو اشکوں کی چادریں — پوشیدہ آسماں پہ ستاروں کا داغ تھا

بڑھتا میں کیسے قدسی قدم پر تھے آبلے
پرچھائیوں کا سامنے گرچہ سراغ تھا

غزل

جامِ کیف و طرب رات کے بستر میں تھا — رقص تاروں کا مگر ڈوبتے منظر میں تھا
چاندنی کے متلاشی تھے سمندر میں مگر — جلوۂ عکسِ قمر کوہ کے پتھر میں تھا
جسمِ مقتول پہ غم خوار لہو کیا پاتے — موج زن خون تو قاتل ہی کے خنجر میں تھا
کیسے کرتا میں حوالے ترے اے بادِ بہار — غم کا طوفاں مرے ارماں کے کبوتر میں تھا
چہرۂ گلشنِ دل کش تھا کبیدہ خاطر — اوس کا قطرۂ تابندہ گلِ تر میں تھا
اس کی یادوں کا تھا صحرا میں کھڑا تھا بھوت — درد وحشت بڑی شدت سے مرے سر میں تھا

آتشِ دہر بجھاتا کوئی آ کر کیسے
قدسی مسرور ہر اک آدمی گھر میں تھا



جناب سید خادمِ رسول عینی
سرپرست ادبی محاذ
مستقل پتہ: خانقاہِ قدوسیہ۔ قدوسی نگر۔ مرزاپور۔ بھدرک (اڈیشا)
Present Address:
Address:FlatNo-103.VishnuApartment.BirlaGate
KURNOOL-518001(A.P)
Mob-9527865833

حمدِ باری تعالیٰ

جامِ وحدت مجھے پلا یارب — جلوۂ جانِ جاں دکھا یارب
ختم ہو جائے ہر بلا یارب — ان کے دربار میں بلا یارب
میں غمِ ذات کو بھلا ہی دوں — کردے میرا تو یوں بھلا یارب
جس سے بجھ جائے آتشِ نفرت — بھیج طیبہ سے وہ ہوا یارب
چرخ نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا — سامنے تیرے جو جھکا یارب
رات تیری نشانیوں میں ایک — اور تجھ سے ہی دن بنا یارب
تیری رحمت غضب پہ غالب ہے — رحم کا کر معاملہ یارب

حشر میں اس کا حشر خوب رہ
ہے یہ عینی کی التجا یارب

نعتِ پاک

دل تار کو یوں صفائی ملی — ہمیں ان کے در تک رسائی ملی
ثنائے شہہ دو جہاں کے لیے — قلم کو مرے روشنائی ملی
فرشتے بھی کرتے ہیں مدحِ نبیؐ — فلک پر بھی محفل سجائی ملی
سلام ان پہ پڑھتے ہیں سارے حروف — درودوں میں مشغول اکائی ملی
حبیبِ خدا سے ملقب ہیں جو — نثار ان پہ ساری خدائی ملی
یہ فیضان ہے شاہِ کونین کا — کلی شبنموں سے نہائی ملی

میں کرتا ہوں عینی نبیؐ کی ثنا
شب و روز کی یہ کمائی ملی

غزل

اس کی حکومتیں رہیں اقلیم کے بغیر — سب جھک رہے تھے سامنے تکریم کے بغیر
معیارِ علم دیکھیے دورِ جدید کا — ملتی ہیں ڈگریاں کسے تعلیم کے بغیر
اب نظم وضبط ان کو کہاں راس آئے گا — ہوتے ہیں کام ملک میں اسکیم کے بغیر
اے ناسمجھ! زمانہ بدل جائے گا اگر — روشن رہے گا دیں مرا ترمیم کے بغیر
شیطاں تھا شرمسار اس انساں کے فعل پر — بے حس تھا وہ گناہ پہ تندیم کے بغیر

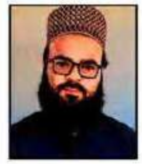
عینی اسے تو دیکھ محبت کی آنکھ سے
اس میں انوکھا حسن ہے تفہیم کے بغیر

غزل

خشکی میں رہنے والا مجھے تر بتر لگا — خود بحر اس کے سامنے رشکِ نظر لگا
زندہ دلی کے نام سے زندہ تھا وہ مگر — اس کا ہر ایک حال مجھے خستہ تر لگا
مشہور تر تھا کذب بیانی میں وہ بشر — لیکن مجھے وہ آج بڑا معتبر لگا
واویلا اس کے حسنِ وفا کا تھا ہر جگہ — کیا جانے مجھ کو کیوں وہ سراپا ضرر لگا

عینی مجھے تھی فکر زمانے کے ظلم کی
پر خوف ناک آج مجھے اپنا گھر لگا

حافظ نظام الدین رضوی
سرپرست ادبی محاذ
At Ramdas Majhauli
P.O+PS:Bochahan
Dist:Muzaffarpur-843103(Bihar)
Mob-8229049186



مناجات

ہے نہیں مصطفےٰ جدا یارب　وہ تو محبوب ہے ترا یارب
رکھ تو ممتاز مجھ کو دنیا میں　کردے محبوب کا گدا یارب
کر رہے ہیں عدو مرا پیچھا　ان سے مجھ کو بچا سدا یارب
جس کو پی کر قدم مرا سنبھلے　جامِ حق وہ مجھے پلا یارب
میں سکندر بنوں مقدر کا　مجھ پہ ایسی بھی ہو عطا یارب
رائگاں اس کی ہر عبادت ہے　جس سے ہوجائے تو خفا یارب
میری اولاد کو بنا دیندار　راہِ حق پر انھیں چلا یارب
چاند سورج میں نور ہے تیرا　ہو نہ روشن ترے بنا یارب
میرے ماں باپ کی حیات بڑھا　میرے حق میں کریں دعا یارب

خوش فہم ہے ترا نظامؔ بہت
درد کو کہتا ہے دوا یارب

نعتِ پاک

حشر تک یہ نسبت کا سلسلہ نہ ٹوٹے گا　میرا اپنے آقا سے رابطہ نہ ٹوٹے گا
مصطفےٰ کے روضے پر حاضری کی نیت سے　قدسیوں کی آمد کا سلسلہ نہ ٹوٹے گا
آپ نے کیا روشن جو چراغ دنیا میں　حشر تک اجالوں کا سلسلہ نہ ٹوٹے گا
گردنِ منافق کو کاٹ کر عمر بولے　کر دیا نبی نے جو فیصلہ نہ ٹوٹے گا
آپ کے وسیلے سے ہم مراد پاتے ہیں　آپ کے وسیلوں کا سلسلہ نہ ٹوٹے گا
جس قدر کرے ہم پر ظلم قوتِ باطل　آپ کے غلاموں کا حوصلہ نہ ٹوٹے گا

صنفِ نعت گوئی سے ہے نظامؔ کو نسبت
نعتِ مصطفےٰ کا یہ مشغلہ نہ ٹوٹے گا

غزل

دن مصیبت کا اس طرح ڈھلتا رہا　آسماں روز سورج بدلتا رہا
رب نے موسیٰ کو ایسا دیا تھا عصا　جادوئی سانپ کو وہ نگلتا رہا
صاف شفاف ہے جب ترا دل جناب　پھر قدم تیرا کیسے پھسلتا رہا
وصل کا اک بھی لمحہ نہ مجھ کو ملا　آتشِ ہجر میں یوں میں جلتا رہا
وہ بھی مجھ سے جدا ہو کے مایوس تھا　میں بھی افسوس کا ہاتھ ملتا رہا
پھر بھی منزل محبت کی مل نہ سکی　میں تو امید لے کر ہی چلتا رہا
جس کو اپنا سمجھتا تھا نکلا وہ غیر　میرے بارے میں وہ زہر اگلتا رہا

پھر لیں اس نے نظروں کو مجھ سے نظامؔ
میری آنکھوں سے آنسو نکلتا رہا

غزل

چاہت ہے پھول کی مجھے الفت ہے باغ سے　بلبل سے ہے غرض نہ تو مطلب ہے زاغ سے
میری دعا بھی ہے خدا سے کہ خدایا　محفوظ رکھنا مجھ کو تو شاطر دماغ سے
سادہ لباس دیکھ کے دھوکہ نہ کھائیے　محفوظ کوئی بھی نہیں عصیاں کے داغ سے
کیا کیا وہ بات کرتا ہے میرے خلاف میں　سب کچھ مجھے خبر ہے مکمل سراغ سے

سنتا تھا اے نظامؔ مگر آج سچ ہوا
"اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"

جنابِ تنویر پھول۔ نیویارک (امریکہ)
سرپرست ادبی محاذ
Mob-+1(518)221-7060



حمدِ باری تعالیٰ

وہ ہے جبّار اور قوی بے شک سامنے اس کے سب کی قوت ہیچ
عظمتِ ذوالجلال کے آگے ساری مخلوق کی عبادت ہیچ
نام اس کا ودود و رحماں ہے، اپنے بندوں پہ اس کی ہے شفقت
مائیں ستر بھی کم ہیں الفت میں، سامنے اس کے ہر محبت ہیچ
جو عزازیل تھا بنا شیطاں، اس کو بہکایا نفس نے اس کے
نفسِ امارہ ہے بڑا دشمن، اس کے آگے ہے ہر شرارت ہیچ
وہ غفور الرحیم ہے بے شک، بخش دیتا ہے سب خطاؤں کو
اس نے لا تقنطو ہے فرمایا، اس کے آگے گنہ کا پربت ہیچ
لوگ ایسے بھی اس جہاں میں ہیں، جن کے دل میں ہے جذبۂ ایثار
دوسروں کی مدد جو کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں اپنی حاجت ہیچ
رب سے بندوں کا ایسا رشتہ ہے، جس میں حائل نہیں کوئی پردہ
وہ ہے شہ رگ سے بھی قریں بے شک، جس کے آگے ہر ایک قربت ہیچ
بو لہب گرچہ تھا چچا شہ کا، آئی اس کی برائی قرآں میں
پھولؔ اللہ نے ہے فرمایا بد عمل کی ہر ایک نسبت ہیچ

نعتِ پاک

باغ کے سارے گل مسکرانے لگے
نغمہ صلی علیٰ کا سنانے لگے
جو سنا مژدۂ آمدِ مصطفٰے
طائرانِ چمن چہچہانے لگے
ہوگیا سرد فارس کا آتش کدہ
اور شیاطین سب منہ چھپانے لگے
عبد معبود کا رابطہ ہوگیا
دیکھ جبریل بھی آنے جانے لگے
جام کوثر کا جب تذکرہ سن لیا
"میکشوں کے قدم ڈگمگانے لگے"
روضۂ پاک پر جوں ہی حاضر ہوئے
ان کو سب زخمِ دل ہم دکھانے لگے
کرسکا تو نہ مدحت کا حق کچھ ادا
پھولؔ ہیں گرچہ تجھ کو زمانے لگے

غزل

جسے دل نے سمجھا کہ تسکینِ جاں تھا — اسی کو مرا ساتھ بارِ گراں تھا
ہوئی ہم کو محسوس خالق کی قربت — جہاں بھی گئے ہم وہاں آسماں تھا
گلہ اس میں طوفان و بارش کا کیا ہے — ترا شاخِ نازک پہ ہی آشیاں تھا
نظر اس کی محدود، وسعت سے عاری — وہ دیوانہ محصورِ کوئے بتاں تھا
وہ مخمور نظریں، وہ پرکیف منظر — "بغل میں صنم تھا خدا مہرباں تھا"
خدا نے دیا عزم و ہمت کا جذبہ — ہمیں ہر قدم پر ملا امتحاں تھا

یہ ہے پھولؔ دستِ خزاں کا تشدد
بیاباں جو ہے وہ کبھی گلستاں تھا

غزل

الٰہی مجھ کو عطا کر وہ طاقتِ پرواز — کروں جہان کو حیراں بہ شوکتِ پرواز
خدا سے ملنے گئے شب میں صاحبِ معراج — ملی براق کو رب سے تھی سرعتِ پرواز
روایتوں میں ہے یہ مور پہلے اڑتا تھا — سزا میں چھن گئی اس سے قوتِ پرواز
ملا ہے جذبہ اسے دور دور اڑنے کا — پرِ عقاب میں موجود وسعتِ پرواز
لیے نگاہ میں عزمِ جواں اڑا اونچا — بلند ہو کے وہ پائے سکینتِ پرواز

خدا کا شکر ہے اس نے ہے دی بہر لمحہ
سخن کے چرخ پہ پائے پھولؔ رفعتِ پرواز

سید نفیس دسنوی
Plot No:1481/B,Sector-6.C.D.A
Bidanasi.Cuttack-753014(Odisha)
Mob-9437067585



ترجمہ نگاری: لسانی رابطے کا خوبصورت فن

ترجمہ نگاری کا فن ایک ایسے دریچے کی مانند ہے جس سے دیگر زبان وادب کی گہرائیوں میں جھانکنے کا موقع ملتا ہے اور دوسری تہذیب وتمدن سے شناسائی بھی ہوتی ہے۔اس سے مختلف قوموں کے درمیان رابطے کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں ۔بقول ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی ''چراغ سے چراغ جلتا ہے'' یہ مقولہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر صادق آتا ہے چنانچہ ابتدائے آفرینش سے اب تک انسانی سماج نے جو ترقی کی ہے وہ اپنے ارضی خطوں میں محدود رہ کر نہیں کی بلکہ ایک خطے کے لوگوں کے طرزِ زندگی ، رہن سہن ،لباس ،ادب ،تہذیب ،عقائد اور نظریات کے اثرات دوسرے خطے والوں نے قبول کیے ہیں ۔اور اسی لین دین نے آج مختلف خطوں اور ملکوں کے لوگوں کو اپنی انفرادیت رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب ترلانے کی کوشش کی ہے۔خصوصاً علوم اور سائنس کے شعبوں میں اس عمل کا زیادہ دخل رہا ہے۔آج یوروپ اور ایشیا نے سائنس کے میدان میں جو ترقی کی ہے وہ ترقی ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کا نتیجہ ہے اور یہی کیفیت لسانیات اور ادبیات میں نظر آتی ہے۔مختلف زبانوں کے ادبیات اور علوم وفنون کے جواہر پارے تراجم کے ذریعے
ایک زبان سے دوسری زبان تک پہنچے ۔اور مختلف قوموں کے علوم وفنون ایک دوسرے سے مستفید ہوئے ۔اور ان کے اثرات سے نہ صرف علم وادب ،طب وحکمت ،تاریخ وفلسفہ ،مذہب وسیاست ،طبعیات وفلکیات ،علوم وفنون ،سائنس اور ٹیکنالوجی کو فروغ حاصل ہوا بلکہ تہذیب وتمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسانی شعور کو بھی تقویت پہنچی ۔خصوصاً زبانوں کی ترقی میں تراجم نے بڑا کردار ادا کیا ہے۔

نثر سے نثر کا ترجمہ تو آسان ہے مگر ایک زبان کی شاعری کو دوسری زبان میں منتقل کرنے میں کافی دشواریاں ہیں۔ تخلیقی ادب خصوصاً شاعری ایک وجدانی عمل ہے جس کا ترجمہ اگر غیر وجدانی طریقے سے کیا جایے تو وہ بے رس اور بے اثر ہوکر رہ جاتا ہے۔شاعری تو درحقیقت انسانی جذبات کا پرتو (Reflection) ہوتی ہے ۔اور ان جذبات کا ترجمہ میکانکی انداز میں نہیں کیا جاسکتا۔ڈاکٹر جانسن کا یہ دعویٰ بڑی حد تک حقیقت
پسندانہ ہے کہ شاعری کا پورا پورا یعنی سو فیصد ترجمہ ہو نہیں سکتا۔معیاری شاعری میں نظریے کی معنویت اور جمالیات کی فنکارانہ آمیزش ایک مخصوص وجدانی کیفیت پیدا کرتی ہے۔اور ترجمہ کے دوران تھوڑا سا عدم توازن بھی شعریت کی روح کو مجروح کرسکتا ہے۔شاعری کا ترجمہ نثر کے ترجمہ کے مقابلے میں زیادہ مشکل اور نازک فن ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ شعر کلامِ موزوں ہے اور نثر کلامِ ناموزوں یعنی شاعری اور نثر نگاری میں بنیادی فرق (BasicDifference) لَے اور آہنگ یعنی ردِم (Rhythem) کا ہے۔قاری یا سامع سب سے پہلے شعر کی موزونیت ،لے اور آہنگ سے ہی متاثر ہوتا ہے۔بعد ازآں اسے شعر کی موضوعاتی ،جذباتی اور جمالیاتی خصوصیات متوجہ کرتی ہیں ۔ظاہر ہے کہ ترجمہ نگاری کے دوران شاعری کی روح کو دوسری زبان میں پورا پورا نہیں ڈھالا جاسکتا۔اس کے برعکس ان مراحل سے گزرے بغیر نثر کی موضوعاتی ،معنوی اور جمالیاتی کیفیت تک ترجمہ نگاری میں کسی حد تک رسائی ممکن ہے ۔ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ شاعری میں ابہام اور تہہ داری کی خصوصیات شامل ہوتی ہیں جبکہ نثر میں اکہرا پن ہوتا ہے۔

عام طور پر ترجمہ نگاری کے جو بنیادی طریقے رائج ہیں ان میں پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ ہر لفظ کے نیچے اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے ۔اس طریقۂ کار کو ''ترجمہ تحت اللفظ'' کہا جاتا ہے ۔جبکہ دوسرے طریقے میں پوری عبارت کو پڑھنے اور اس پر غور وفکر کرنے کے بعد ہی عبارت کے مفہوم کو رعایتِ لفظی کے لحاظ سے بامحاورہ بیان کیا جاتا ہے۔اس طریقۂ کار کو ''بیان حاصل المعنیٰ'' کہا جاتا ہے ۔اور یہ طریقہ ترجمانی زیادہ مقبول اور کارآمد ہے۔لفظی ترجمے سے حتی

الامکان گریز کرنا چاہئے۔اگر لفظی ترجمہ کریں تو جملہ مضحکہ خیز ہو جائے گا۔ مثلاً انگریزی کا ایک مقولہ ہے (It is rainnigCats and Dogs) اس کا لفظی ترجمہ ہوگا "بلی اور کتوں کی بارش ہو رہی ہے" مگر بامحاورہ کا ترجمہ ہوگا موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔عبارت میں تسلسل اور روانی قائم رکھنے کے لئے اصل عبارت کو جہاں تک ممکن ہو سکے آسان اردو زبان میں پیش کرنا چاہئے۔ایک اچھا اور کامیاب ترجمہ نگار ترجمے کو تخلیقیت کا درجہ عطا کر دیتا ہے۔منظوم ترجموں میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ مفہوم کا بھی ادا ہونا ترجمہ نگار کی کامیابی کی دلیل ہے۔

اردو میں ترجمہ نگاری کے تین مراکز ابھرے ہیں۔مشرق میں فورٹ ولیم،جنوب میں حیدرآباد میں عثمانیہ یونیورسٹی اور شمال میں متفرق ادارے خاص کر راجستھان کی سابق ریاستیں فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد اردو ترجمہ نگاری کے باب میں اہمیت کے حامل ہیں۔ترجمہ نگاری کا باقاعدہ سلسلہ ۱۸۵۵ء سے شروع ہوا۔سب سے پہلے انجیل مقدس کا ترجمہ اردو میں شائع ہوا۔ انیسویں صدی کے آغاز میں فورٹ ولیم کے تراجم کا بڑا ذخیرہ داستانوں کی تخلیق ہے۔باغ و بہار اور فسانۂ عجائب جیسی داستانیں وہاں معرض وجود میں آئیں۔

اسی طرح اٹھارویں صدی میں راجستھان کے مختلف ادبی مراکز میں عربی، فارسی اور دیگر زبانوں کے ترجموں کا سلسلہ جاری رہا۔راجستھان سابق راجپوتانہ میں ۱۸۵۷ء کے بعد لکھنؤ اور دیگر مقامات سے ارباب علم وادب کی تواتر سے آمد اور سکونت کے سبب وہاں علم وادب کے چھوٹے بڑے گہوارے بنتے گئے۔جن میں ریاست جے پور، جودھ پور، ٹونک، جھالور اور اجمیر کمشنری اہم مراکز ثابت ہوئے۔راجستھان میں اردو تراجم اور تحقیق کے موضوع پر سب سے پہلے مولوی عبدالحق نے "جائزہ زبانِ اردو" مرتب کر کے ۱۹۴۰ء میں "انجمن ترقی اردو" کے توسط سے شائع کرایا جس میں راجستھان کی قدیم دیسی ریاستوں میں اردو کی صورت حال کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔فورٹ ولیم کالج کے بعد راجستھان ہی کو ترجمہ نگاری کا دوسرا بڑا مرکز سمجھا جاتا ہے۔جہاں عربی زبان کی کئی کتابیں، فارسی کی ۵۹ کتابیں اور انگریزی کی ۲۳ کتابوں کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ بہت ساری سنسکرت اور ہندی کتابوں کو اردو میں منتقل کیا جا چکا ہے۔

روئے زمین پر علم و ہنر اور تہذیب و تمدن کی جھیلیں اور جزائر تو بہت ہیں مگر انہیں ملا کر ہموار اور وسیع سمندر میں تبدیل کرنے والا فنکار ترجمہ نگار ہی ہوتا ہے۔گویا ترجمہ نگاری کا فن علم و ہنر،تہذیب و تمدن کے گراں مایہ خزانے تک پہنچنے میں "کھل جا سم سم" کا درجہ رکھتا ہے۔

☆☆☆

گوشۂ احباب

(مراسلہ نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں)

☆ خادمِ رسول عینی (کرنول۔ آندھرا پردیش)

ادبی محاذ کا تازہ شمارہ برائے جنوری تا مارچ 2025 نظر نواز ہوا۔ الحمدللہ۔ سارے مشمولات پسند آئے۔ فیضی سمبلو پوری کی غیر مردف نعت'' آپ کے در کے بھکاری صاحبان تخت و تاج'' بہت ہی مرصع و مزین ہے۔ غزل کے باب میں سلیم انصاری' عزیز بلگامی' ڈاکٹر نذیر فتح پوری' ڈاکٹر بدر محمدی' شارق عدیل' شفیق رائے پوری' ڈاکٹر خلیل صدیقی قاضی' عبدالسلام کوثر کی غزلیں بہت پسندیدہ ہیں۔

فن و شخصیت کے باب میں قطب سرشار کا مقالہ' امعانِ عزیز اللہ شیرانی'' بہت ہی معلوماتی اور لطف اندوز ہے۔ شفیق رائے پوری کا مقالہ'' بلگام کا شاعر اور تنقید نگار۔ عزیز بلگامی'' بھی خوب ہے۔ یقیناً عزیز بلگامی مشتر کہ غزل کے موجد ہیں اور دورِ حاضر کے منفرد شاعر' قلم کار' نقاد اور مفکرِ اسلام ہیں۔ عبد المتین جامی کا مضمون'' اظہر نیر کی شعری جہات'' بہت ہی دل نشیں ہے۔ عبدالحق بیتاب کی شاعری پر مطیع اللہ نازش کی تحریر بہت ہی دل کش ہے جس میں تحریکِ رومانیت پر عمدہ بحث کی گئی ہے۔ بیتاب کے یہ اشعار بہت پسند آئے:

پیشِ نظر رکھا جو ترے خد و خال کو\
موزوں غزل کے تازہ کچھ اشعار ہو گئے

ہوئی ذہن میں جب سے بارود شامل\
غزل نے بھی بیتاب بندوق اٹھالی

ڈاکٹر زاہد کی غزل ایک عمدہ کاوش ہے۔ 'نہ' 'وجہ' 'کہ' کو درست وزن پر باندھا نہیں گیا ہے اور سہارے، کنارے کا مقفیٰ نعرے درست نہیں ہے۔ ڈاکٹر مسعود جعفری کی غزل کے مقطع میں'' تری' اور'' کرلیں'' کے استعمال کے سبب شترگربہ در آیا ہے۔ ڈاکٹر وصی بکرانی واجدی نے ایک شعر میں'' شمع'' کو بروزن فعلن باندھا ہے جب کہ یہ فاع کے وزن پر درست ہے۔

میری کتابیں'' شام و سحر'' اور'' اجالوں کے شجر'' کی رسم اجرا کی رپورٹ شائع کرنے کا بہت بہت شکریہ۔

☆☆☆

ادب پیما

معروف شاعر خادمِ رسول عینی کو

علامہ اقبال ایوارڈ دینے کا اعلان

جناب انور ہادی جنیدی' صدر نشین امیر النساء ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر فاؤنڈیشن' کڈپہ نے صحافتی اعلامیہ جاری کرتے ہوئے بتایا کہ ہر سال کی طرح اس سال بھی فاؤنڈیشن نے سالِ گزشتہ (جنوری تا دسمبر ۲۰۲۴ء) کے دوران شائع شدہ مطبوعات پر مختلف زمروں میں ایوارڈ کے لیے مصنفین' شعرا' مرتبین سے کتابیں داخل کرنے کی گزارش کی تھی۔ موصولہ تمام کتابوں کے جائزہ کے بعد انعامی کمیٹی کے ذمہ داران نے مندرجہ ذیل کتابوں کو یوارڈ برائے سال ۲۰۲۴ء کے لیے منتخب کیا ہے۔ گورمنٹ کالج برائے ذکور (خود مختار ادارہ) کڈپہ کے شعبۂ اردو میں منعقدہ خصوصی اجلاس میں شعبۂ اردو' شعبۂ تواریخ' شعبۂ اقتصادیات کے اساتذہ ڈاکٹر سید وصی اللہ بختیاری' ڈاکٹر اقبال خسرو قادری' جناب غیاث شارب' جناب ریڈی باشا کے علاوہ معروف ادیب' محقق اور ناقد ڈاکٹر ظہیر دانش عمری نے شرکت کی۔ فاؤنڈیشن کے مشیر محترم ڈاکٹر قبال خسرو قادری نے انعام یافت گان کی فہرست جاری کی۔ صدر نشیں انور ہادی جنیدی نے فاؤنڈیشن کی جانب سے انعام یافتگان کی خدمت میں میارکباد پیش کی۔ انعامات کی تقسیم کا اعلان جلد ہی کیا جانے والا ہے۔

مختلف شعبوں میں عمدہ کارکردگی کے اعتراف میں مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ کے مستحق حضرات کی فہرست:

۱۔ ڈاکٹر محمد یاسین گنائی۔ (پلوامہ جموں وکشمیر)\
۲۔ جاوید اختر علی آبادی۔ لکھنو ۳۔ ڈاکٹر نثار احمد ڈار (پلوامہ جموں وکشمیر)\
۴۔ جناب شہاب اختر خاں (اورنگ آباد' مہاراشٹر) ۵۔ ڈاکٹر ارشد سیانوی (میرٹھ)\
۶۔ ڈاکٹر ندیم احمد (چنئی) ۷۔ محفوظ الرحمٰن عادل (موناتھ بھنجن) ۸۔ ڈاکٹر پی محمد داؤد محسن (داؤد نگر' کرناٹک) ۹۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری' مدیر (سنت کبیر نگر)\
۱۰۔ رخشندہ رشید (سری نگر کشمیر) ۱۱۔ ڈاکٹر مبارک لون (جموں وکشمیر)\
۱۲۔ سید خادم رسول عینی (کرنول' آندھرا پردیش)

☆☆☆

فن وشخصیت

ڈاکٹر علی عباس امید
Qalamkar House
Bright Colony IdgahHills
Bhopal-462001(MP)

میں اور میرا فن

پچھلے دنوں میرے انگریزی شعری مجموعہ اسپرے (Spray) کی تقریب رونمائی کو میڈیا نے خاصی اہمیت دی اور تحریر و تصویر کے ذریعہ انگنت لوگوں کو اس میں شامل کرلیا۔ چنانچہ مسلسل جانے انجانے علم دوستوں کے فون، میسج اور خطوط کی نوازش جاری رہی۔ اسی کڑی میں وہ اعزازی جلسہ بھی تھا جو لائنس کلب نے منعقد کیا۔ اسے میں اس لیے اہم مانتا ہوں کیوں کہ وہاں لوگوں نے انگریزی شاعری سے زیادہ اردو شاعری پر گفتگو کی اور جس موضوع میں خصوصی دلچسپی لی وہ رہا میرا مجموعہ "میں اور میرا فن"۔

ایسے مواقع ہمیشہ مجھے الجھن میں ڈال دیتے ہیں کیوں کہ اپنے اور فن کے درمیان میں آج تک کوئی خط کھینچ ہی نہیں سکا ہوں۔ میرے لیے یہ ممکن بھی نہیں ہے، کیوں کہ ابتدا سے میں نے جو کچھ دیکھا، جیسا محسوس کیا اور جس طرح جیا اسی کا اظہار مختلف زبانوں خصوصاً اردو اور اس کی مختلف اصناف بالخصوص شاعری میں کرتا رہا ہوں۔ چونکہ اردو میری مادری زبان ہے، اردو کی تہذیب میرے خمیر میں ہے لہٰذا اظہار کی زبان کوئی بھی ہو مگر تخلیق پر اردو کے گہرے اثرات لازمی ہیں۔ اس کو میں اپنی شناخت بھی مانتا ہوں۔

موضوع پر کچھ کہنے سے قبل میں واضح کرتا چلوں کہ تخلیق کو تمغہ بنانے کی بے شعوری یا وقتی اعزازات کی چمک میرے مزاج کو کبھی راس نہ آئی۔ بھیڑ کے ساتھ چلنے اور اگلے ہوئے نوالے نگلنے سے مجھ کو ہمیشہ پرہیز رہا۔ ستائش کی تمنا اور صلے کے پرواہ سے بے نیازی کو میں نے اپنا شعار بنایا۔ شاید اسی لیے اپنے فن کے ساتھ پورا انصاف بھی کرسکا۔

یہاں یہ اعتراف بھی مناسب ہوگا کہ ترقی پسندی کے دور حکومت میں میری آنکھیں کھلیں، پھر جدیدیت کی بغاوت کا منظر ان کا نصیب بنا اور مابعد جدیدیت ان کے روبرو رہا۔ ہر چند کہ میں ان میں کسی سے بھی بے نیاز نہیں رہا مگر کبھی مجھ پر کوئی جنونی کیفیت بھی طاری نہیں ہوئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ قدروں کے ٹوٹنے، روایات کی پامالی، اسالیب کی نفی، لہجہ کی تبدیلی، زبان کے مسلسل بدلاؤ ان سب کے بعد بھی یہ اعتماد ہمیشہ میرے ساتھ رہا کہ چونکہ سات آسمان رات دن گردش میں ہیں لہٰذا تبدیلی ناگزیر ہے۔ ایک کے بعد دوسرا منظر آنا لازمی ہے لیکن جس مرکز پر سماج ہے اس کا وجود بہر حال قائم رہے گا۔ گھبراہٹ، خوف یا عجلت میں توازن کو کو ہاتھ سے نہ جانے دینا حال اور مستقبل دونوں کے لیے مفید ہے۔ کسی تحریک اور کسی لیبل کے زیر اثر جنم لینے والی تخلیقات کی عمریں بہت تھوڑی ہوتی ہیں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے میرے لیے میں اور فن کے بیچ کسی طرح کا فرق کر پانا یوں ممکن نہیں ہے کہ میں تخلیق کو ایک ایسا ذہنی عمل مانتا ہوں جس کی خود اپنی صداقت ہے۔ ایک ایسا فعل ہے جو داخلی اور خارجی فصیلوں کو توڑ دیتا ہے۔ میرے نزدیک تمام انسانی تجربات اہم ہیں بس شرط اتنی ہے کہ ان میں انسان کو غیر اہم نہ قرار دیا گیا ہو۔ میں نے جو قدریں وضع کی ہیں ان میں عقل اور جذبات دونوں کی آمیزش ہے اس لیے کہ یہی انسانی برتری کے معیار ہیں

سیاہ رات کے آنگن میں سوچتا ہوں میں
نکل کے شہر سے سورج کا کیا بنا ہوگا

میرے اس شعر کے حوالے سے ڈاکٹر راہی معصوم رضا صاحب نے لکھا تھا "یہ سورج وہ استعارہ ہے جسے ترقی پسندوں نے آزادی کے لیے استعمال کیا تھا۔ یہ سیاہ رات وہ استعارہ ہے جو غلامی کا اظہار کرتی ہے۔ اگر ان دونوں کے تاریخی استعمال کو آگے بڑھا کر اس شعر کو پڑھا جائے تو پتہ چلے گا یہ شب گزیدہ سحر سے آگے کی بات ہے"، ان کی یہ رائے میرے لیے حوصلہ افزا رہی۔

میرا ایمان ہے کہ اگر پہلے سے ادب کا وجود نہ ہو تو کسی بھی شاعر کے لیے کچھ لکھنا ممکن نہیں ہے۔ ہمارا جو فن پارہ ہے دراصل پچھلے پر ایک اضافہ ہے کوئی بھی چیز مجرد طور پر اوریجنل نہیں ہوتی اس لیے کہ ہر خیال کا خمیر کہیں نہ کہیں سے مستعار ہوتا ہے۔ ثقافت، زبان اور ادبی روایات کا فکر پہ اثر انداز ہونا ناگزیر ہے۔ میں نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں، جس ثقافت کی انگلی تھام کے آگے بڑھا اور جن صالح ادبی روایات نے میری فکر کو جلا بخشی ان سے علیحدہ میرا وجود کچھ بھی نہیں ہے۔ میرا اپنا ایک مخصوص زاویۂ فکر ضرور ہے۔ اس میں نہ تو کسی ازم کو دخل ہے اور نہ کسی وقتی تحریک سے متاثر ہوتا ہے۔ اس کی تعمیر مکمل طور پر میرے اپنے تجربات اور احساسات سے ہوتی ہے۔

خواجہ احمد عباس صاحب نے میرے فن کے بارے میں لکھا ہے کہ "سورج دراصل ایک استعارہ نہیں ہے بلکہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے، زندگی کا مظہر اور

منبع ہے اور زندگی کا سرمایہ ہے۔ یہ شاعری کا عرفان ہے۔ یہ سوشلزم کی سوچ ہے یہی انسانیت کی سوجھ بوجھ ہے"۔ ظاہر ہے کہ اس تحریر نے مجھے طمانیت کے احساس سے سرشار کیا۔

میں نے کبھی بھی اضافہ کے لیے شعر نہیں کہے، جو کہے ان کے سلسلہ میں بھی "این دفتر پارینہ ...." کی روایت کو آگے بڑھایا۔ یہ حقیقت ہے کہ میرے سامعین، قارئین اور ناقدین ہر سہ نے میرے تخلیقی عمل کے نتائج کو بھرپور Response دیا اور یہی وہ قوت ہے، جو مجھ کو خوب سے خوب تر کی راہوں پر گامزن کرتی ہے اور مجھے سفر میں رکھتی ہے۔

ہمارے زمانے کا یہ المیہ ہے کہ ہر چند کہ اس کی آنکھوں میں چمک ہے مگر اس کے پیچھے مایوسی، محرومی اور خوف کا گہرا اندھیرا پر تول رہا ہے۔ انگنت صدیوں میں پروان چڑھنے والی اجتماعیت مسلسل زوال پذیر ہے۔ سوچ کی دوڑ بس ذات تک محدود ہے۔ یہ سب میری نظر میں ہیں، تخلیق کا ان سے متاثر ہونا لازم ہے مگر چونکہ مایوسی میری فطرت نہیں ہے اس لیے ہر آنے والے پل سے پر امید رہتا ہوں۔ میں نہ تو خواب دیکھنے والوں میں ہوں اور نہ ہی ہیجان پیدا کرنے والوں میں ہوں۔ چونکانے والی اور مترنم شاعری کا منکر بھی نہیں ہوں مگر اس کی حیات مختصر کا قائل ہوں۔ سچائی یہ ہے کہ زندگی صرف حقیقی شاعری کو ملتی ہے، اور حقیقی شاعری کا خمیر تجربہ، واردات، ادراک، طرز احساس مطالعہ اور زبان کے فنکارانہ استعمال سے تیار ہوتا ہے۔ دراصل اسی حقیقت کے مکمل احساس نے مجھے شناخت بخشی ہے۔ نصف صدی پہلے میں نے کہا تھا۔

میں بھی بندہ ہی تھا خدا کی قسم۔ یہ الگ ہے کہ برگزیدہ نہ رہا

یہاں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ میری شاعری میں ہمیشہ "میں" کی حیثیت جمع متکلم کی رہی ہے لہٰذا اگر اسے واحد متکلم سمجھا گیا تو ترسیل مکمل نہ ہو پائے گی۔ ویسے واردات شعری تو خود ہی "میں" کو ہم میں تبدیل کر دیتی ہے۔

۱۹۸۳ء میں ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا "ان کی شاعری کا مرکزی کردار سورج ہے، یہ کردار بہ یک وقت دائرے کا نقطہ بھی اور روشنی پھیلانے پر معمور بھی گویا سورج دائرے کے حصار میں محبوس رہنے کے باوجود ہمہ وقت اس حصار کو عبور کر کے چاروں طرف پھیل جانے کی آرزو سے سرشار بھی ہے۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ امید نے چالیس کے مقدس سن کو چھونے سے قبل ہی روشنی کی اس کارکردگی کا عرفان کیسے حاصل کر لیا!! مگر دنیائے ادب میں قبل بلوغت کی مثالیں ناپید نہیں ہیں"۔ انہوں نے میراجی اور ٹالسٹائی کے ناموں کی نشاندہی بھی کی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ خیال میرے نظریات، میرے فن کی بہتر توثیق کرتا ہے۔ میرے شعری مجموعہ "لب گویا" کی آخری نظم کا عنوان ہے علی عباس امید۔ یہ میری آج کی گفتگو پر دال ہے۔ ملاحظہ ہوں اس کے چند مصرعے۔

میں ان راہوں کا مسافر ہوں، جن پر منزل کبھی نہیں آتی
چلتے رہنا میرا مقدر ہے اور سفر کی گرد میری ہم سفر ہے
نس نس سے روشنی نچوڑ کر ان راہوں کو اجالا بخشنا میرا مشغلہ ہے
لفظوں کی آنچ پر احساس کو سینکنا
اور پھر وقت جو میرا کاغذ ہے
اس پر اپنے عہد کے اور آنے والے زمانے کے
تمام انسانوں کے لیے
اپنے معصوم خوابوں کے منشور تحریر کرنا ہی میری زندگی ہے

سفر نوید منزل بھی ہے، سفر بہر حال سفر ہی ہے۔ وقت کی طرح اسے بھی ٹھہراؤ نہیں لہٰذا اس کو فراموش کرنا یا غیر اہم سمجھنا ہر اعتبار سے غیر دانشمندانہ ہے۔ میں نے ہمیشہ ہی کوشش کی ہے کہ میری آواز کی حدود میں آنے والے اس سچائی کو ذہن میں رکھیں کہ اسی میں فرد اور سماج کی بہتری ہے۔ میرا یہ اصرار رہا ہے۔

کھڑکیاں ہی کھول لیں گر بند دروازہ رہے
آتے جاتے موسموں کا کچھ تو اندازہ رہے

شری کرشن رائے ہر وقش نے ایک جگہ لکھا ہے "امید صاحب نے اپنے عہد کی ٹریجڈی (Tragedy) کو گہرا رنگ دینے کی کوشش نہ کر کے سورج، اس کی حرارت اور اسکے تعمیری ظرف میں پورا اعتبار ظاہر کر کے اپنے لفظوں کو سیاہ کوٹھری میں بند نہیں کیا بلکہ ان کی سیاہی کو سنہری روپہلی رنگ برنگی کرنوں سے پر نور کیا ہے۔ ایسی ہی امید صاحب سے امید بھی کی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ سورج کا نمائندہ جو ٹھہرا"۔ مجھے اپنی کم سوادی کا پورا احساس ہے۔ جب بھی اپنی تخلیقات کا جائزہ لیتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ ابھی ایک آنچ کی کسر رہ گئی ہے۔ چنانچہ پھر نئے سرے سے سرگرداں ہو جاتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہی تشنگی مجھ کو زندگی کی نئی جہتوں سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ دیتی ہے اور میرے فن کو مجھ سے مزید ہم آہنگ کرتی ہے۔ نوبل انعام یافتہ ادیبہ ناڈین گارڈیمر کا خیال ہے کہ "ہم نے کئی طریقوں سے یہ جان لیا ہے کہ موجودہ دور انسانی لغویت کی انتہا کا دور ہے جس میں سارے معانی چرا لیے گئے ہیں"۔

میں اس سچائی کا منکر نہیں ہوں پھر بھی اتنا مایوس نہیں۔ اس سلسلے میں ایک مطلع، ایک شعر اور ایک مطلع پر اس گفتگو کو تمام کرنا چاہوں گا۔

لمحہ لمحہ مجھ کو مارا ہے مگر زندہ ہوں میں
زندگی تیری قسم تجھ سے تو شرمندہ ہوں میں
میری آنکھوں میں ہے شیشہ اور پتھر ہاتھ میں
یہ صدی میری ہے اور اس کا نمائندہ ہوں میں
نصب ہوگا خیمۂ شب پشتِ فردا میں امید
میں نویدِ صبح لاؤں گا کہ آئندہ ہوں میں

☆☆☆

ڈاکٹر غلام ربانی ایاز
EAC Colony
Behind the court
Raipur(CG)

ڈاکٹر شمیم ہاشمی کا مجموعۂ غزلیات ”ٹوٹتے پتوں کا دکھ“ پر تنقیدی نظر

شاعر شمیم ہاشمی کا اصلی نام سید محمد شمیم الدین ہے۔ان کی تاریخ ولادت ۱۴؍اگست ۱۹۴۷ء ہے۔انہوں نے پی ایچ ڈی بھی کی ہے۔ سہرام بہار میں پیدا ہوئے ہیں اور جناب ابر احسنی اگنوری سے شرف تلمذ حاصل کیا۔اب تک پانچ کتابیں لکھ چکے ہیں اور پانچ کتابیں زیرِ طبع ہیں ۔موجودہ مجموعۂ کلام ”ٹوٹتے پتوں کا دکھ“ پر نظر ڈالیں تو شاعر کی ہندی زبان کے تئیں جانب داری کا پتہ چلتا ہےاور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کو بحیثیت ہندوستانی ہونے پر فخر ہے۔اس کتاب میں نہ صرف شاعر کی مقبول غزلیں ہیں بلکہ مشاہیر ادب کے تاثرات کا بھنڈار بھی موجود ہے، جنہوں نے گہرائی میں جا کر کلام کو کسوٹی پر کس کر اپنے خیالات پیش کیے ہیں۔

مثال کے طور پر شمس الرحمن فاروقی کے مطابق ڈاکٹر شمیم ہاشمی کے یہاں علم اور خدا شناسی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ پروفیسر محمد حسن کی رائے میں ان کی غزلوں کی تازہ کاری، خونِ جگر کی رنگ آمیزی ان کے کلام کو نئی اور نمایاں آب وتاب بخشتی ہے ۔ڈاکٹر سید امین اشرف کہتے ہیں کہ شمیم ہاشمی کی زبان شاداب اور تر وتازہ ہے ۔ان کا سوز وگداز کا اظہار رنج وملال کو حدت بخش بناتا ہے۔ان کا لب ولہجہ انوکھا، خوش نما اور خوب تر ہے۔ پروفیسر قمر رئیس کے مطابق شاعر کا غنائی لب ولہجہ سادہ ہے لیکن بے تکلف انداز بیان شاعری میں جان ڈالتا ہے۔ڈاکٹر رئیس نعمانی کہتے ہیں کہ شروع سے آخر تک پر معنی اشعار پر نظر مرکوز ہوتی ہے ۔اس سے ہر حال میں زندہ رہنے کی خواہش جاگتی ہے ۔ظہیر غازی پوری اس بات سے محظوظ ہوتے ہیں کہ شمیم ہاشمی کے لفظوں کے پھول فکر کی خوشبو بکھیرتے ہیں۔ پروفیسر نادم بلخی کے مطابق شمیم ہاشمی کو حق وباطل کا احساس ہے ،ان کے نئے تیور کو غزل کی باریکیوں کی خاصی سمجھ ہے۔ پروفیسر طلحہ رضوی برق کہتے ہیں کہ شمیم ہاشمی کی شگفتہ زبان وبیان اور ہندی لفظوں کا خسروانہ انداز بڑا دلکش ہے۔ پروفیسر حسین الحق کے مطابق ”ٹوٹتے پتوں کا دکھ“ میں قنوطیت نہیں رجائیت ہے۔ کرشن کمار طور نے بھی شاعر کے منفی بلکہ مثبت انداز کو سراہا ہے ۔مناظر عاشق ہرگانوی کے مطابق شمیم ہاشمی کی شاعری معنی یابی کی گہر تلاشتی ہے۔نامی انصاری کہتے ہیں کہ شمیم ہاشمی کا نیا طرز احساس قابل توجہ ہے۔ بقول اقبال انصاری ”شاعر نے دور حاضر کو بڑی شدت سے محسوس کیا ہے۔ حضرت مولانا صادق ضیائی سہرامی نے کہا ہے کہ شاعر کے کلام کی سادگی، روانی، نغمگی، حسن بیانی خوب تر ہے۔ سید شاہ تقی الدین احمد نے کہا ہے کہ شمیم ہاشمی کی شاعری قدیم اور جدید اسلوب کا سنگم ہے۔ شمیم قاسمی کے مطابق شاعر نے اپنی ذات اور شعری کائنات کا روشن شناخت نامہ مرتب کیا ہے۔ ڈاکٹر معین تابش کے مطابق موصوف کی شاعری ایک بیدار ذہن کی شاعری ہے۔ سید عبید اللہ ہاشمی کے مطابق شمیم ہاشمی داغ اسکول کے استاد شاعر ابر احسنی گنوری کے شاگرد رشید ہونے کے ناطے پامال راستوں سے گریزاں ہو کر اپنی الگ راہ متعین کرنا ان کی شاعری کا وصف خاص ہے۔ ڈاکٹر امین رہبر بجا فرماتے ہیں کہ اردو فارسی کے ساتھ ساتھ موصوف ہندی الفاظ کا برمحل استعمال کرنے پر قادر ہیں۔ ڈاکٹر مبین الدین قریشی نے واضح کہ کیا ہے کہ شمیم ہاشمی کی شاعری میں اسلامی تصوف کے عناصر حد درجہ پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال حسین نے اس بات پر زور دیا ہے کہ شمیم ہاشمی نے طرز ادا واسلوب کی ندرت اور جدت کی وجہ سے اپنی الگ راہ بنائی ہے، جس میں جمالیاتی پیکر تراشی کی مثال بدرجہ اتم موجود ہے۔

مذکورہ بالا مشاہیر ادب کے تاثرات کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد قاری کو اپنی رائے پیش کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ وہ اپنی رائے رکھے۔ تاہم میں نے اس کتاب کی تقریباً بیانوے غزلوں کی چھان بین کر کے اپنی رائے قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔اس کار نمایاں کی کامیابی کا اندازہ تو اس مضمون کے بغور مطالعہ کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔

اگر ہم اس غزلیات کے مجموعہ کے مرکزی خیال پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ شاعر کا ذاتی غم عالمی غم میں تبدیل ہو گیا ہے۔ شاعر کی آپ بیتی جگ بیتی لگتی ہے۔ شاعر نے غزل کو اپنی گرفت میں رکھ کر غزل کا شاعر ہونے کا معقول ثبوت دیا ہے۔ موصوف کو زبان وبیان کی تخلیقی پیش کش میں ملکہ حاصل ہے الفاظ کی حرمت کو برقرار رکھنے میں موصوف بڑے محتاط اور اعتدال پسند ہیں۔

مزے کی بات یہ ہے کہ شاعر کے چند اہم خیالات بار بار سامنے آتے ہیں۔ مثلاً نیند، یاد، صحرا، دکھ، غزل، شعروشاعری وغیرہ کی کثرت بہت زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں شاعر نے اپنی بات کو زور دینے کے لیے ایک ہی لفظ کو دوبارہ دہرایا ہے جیسے کہ نس نس، لمحہ لمحہ، بال بال، زخم زخم، دور دور، نفس نفس، قدم قدم، موڑ موڑ، اک اک، سمٹا سمٹا، آدمی آدمی، بات بات، چاک چاک، ساتھ ساتھ، شہر شہر، گاؤں گاؤں، کبھی کبھی، چپ چپ، سمٹا سمٹا، پیچھے پیچھے، گھٹ گھٹ، سوکھا سوکھا، کالی کالی، نکھرا نکھرا، سویا سویا، سونا سونا، اپنی اپنی، اداس اداس، چیخ چیخ وغیرہ۔ شاعری کی نمایاں صفات مثلاً تشبیہ، استعارہ، تضاد وغیرہ کا برمحل استعمال کر کے شاعر نے اپنے کلام میں چار چاند لگائے ہیں۔ ہندی کے بہت سارے الفاظ اور محاورے کے صحیح استعمال نے اشعار کے حسن میں مزید اضافہ کیا ہے۔ کہنا نہ ہوگا کہ اچھا شعر اپنی کیفیت خود طاری کرتا ہے۔ سخن آرائی کے لیے نئے نئے زیورات زیب تن کرنے سے شاعری منزل عروج تک پہنچ جاتی ہے۔

یقیناً شاعرِ موصوف کو شعری لوازمات کے استعمال میں ملکہ حاصل ہے۔ اس کی رعایت اور پابندی کرتے ہوئے وہ عمدہ اشعار کہتے ہیں۔ اور فصاحت و بلاغت کا حسن پیدا کرتے ہیں۔ فنِ شاعری کے صنعات کا مناسب طریق سے استفادہ حاصل کرتے ہیں اور شاعری کو سرخرو کرتے ہیں۔ جو کیفیت خود محسوس کرتے ہیں وہی کیفیت بیان کرتے ہیں۔ ان کے صوفیانہ اشعار صرف رسمی اور روایتی نہ ہو کر ذاتی مشاہدات اور تجربات پر مبنی ہیں۔ کتاب کے عنوان پر کہا گیا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں۔

کیسے سمجھاؤں میں ان ٹوٹتے پتوں کا دکھ
جسم میں جن کے ہوا نشتر لگا کر سو گئی

شاعر نے انگریزی الفاظ کا استعمال بخوبی کیا ہے۔

رفتہ رفتہ زندگی خود بھی ادھوری ہو گئی
میری اپنی شخصیت جب فائلوں میں کھو گئی

شدت سے یاد آتی رہی مجھ کو اے شمیم۔ پچھلے برس کی بات کلنڈر کو دیکھ کے
رونے سے حادثہ ٹلتا ہے ٹرین کا۔ ہو حادثے کا خوف تو زنجیر کھینچ لے

تشبیہات کا نمونہ دیکھیں۔

ممکن ہے ان کی لب پہ ٹکا سا جواب ہو۔ پھر بھی نہ ہچکچائیے ہم اپنے سوال میں
یہ اور بات، اسے آپ سمجھ نہ سکے۔ ہماری بات کا مطلب تو صاف سا ہے جناب
اگلا سا وہ خلوص کہاں ان کی بات میں۔ ہاں بے رخی ضرور ہے کچھ التفات میں

تلمیحات کا نمونہ بھی کم نہیں ہے۔

سوکھی زبان پیاس کی شدت سے جل گئی
موجیں تڑپ کے رہ گئیں نہر فرات میں
کربلا اپنا مقدر ہے مراسر لے لو۔ میرا کنبہ بھی شہیدوں کا گھرانا ہے

مراعات النظیر یا رعایتِ لفظی کا استعمال بھی بڑا شاندار ہے۔

امتحاں رازِ ترقی، کامرانی امتحاں۔ یا اگر سچ ہے تو لو گو امتحاں دکھ ہی تو ہے

پھول کا دل، کلی کی تمنا، مری دعا۔ کام آئے زنگ بن کے تمہارے جمال میں

غزلیات کی فہرست سے استعارات کی شان دیکھیں:۔ یاد کی نشتر جو تنہائی کھیلا کر گئی، شگفتگی کی کرن ذہن میں اترنے لگی، تشنگی کی باہوں میں زیست مسکرانے لگی، گرتا رہا خرد کا مکاں ٹوٹ پھوٹ کر، موت زندگی کو جب بازوؤں میں کستی ہے۔ اس میں بے جان چیز میں بھی جان ڈالی گئی ہے۔ محاوروں کا برمحل استعمال بھی دیکھیں:۔ ناز خوب اٹھائے ہیں ہم نے زیست کے لوگو،، کچھ اور کھو سکوں مرے دل میں نہیں ہے تاب،، اے دوست سبز باغ نہ اب تو دکھا مجھے،، کس واسطے ہے کام سے پہلے ہی پیش و پس،، تکمیل پا ہی جائے گا پہلے کمر تو کس،، لے جانے والے لوٹ کے سب کچھ چلے گئے،، ہم سوچتے ہی رہ گئے کالا ہے دال میں۔

شاعر نے شاعری پر بھی رائے زنی یوں کی ہے۔

بے سبب سر کھپانے سے کیا فائدہ۔ فکر و فن چاہیے شاعری کے لیے
دل اگر پگھلے تو اشعار میں ڈھلنے دو شمیم۔ اس کو آنکھوں سے نہ بے وجہ بہایا جائے
بکھرے ہوئے خیال کی پژمردگی شمیم۔ سلجھے ہوئے شعور کو الجھا گئی تو کیا
تیرا وجود ہی نہ سلگ اٹھے اے شمیم۔ اپنی غزل میں سوز کا اتنا نہ گھول رس
جس بات پہ سب اہلِ سخن جھوم رہے ہیں۔ ممکن ہے شمیم آپ کی وہ شیریں سخن ہو
جب چاہا وہ لکھوں جو ہے مرے خیال میں۔ معنی الجھ کے رہ گئے لفظوں کے جال میں
لغاتِ عقل لیے ڈھونڈتی رہی دنیا۔ تمہارے لفظ معانی سے لاجواب رہی
خوب غزل لکھی ہے تم نے بے شک آج شمیم
اس کے اک اک شعر میں آیا چکیلا آہنگ

شاعر امن پسند اور انسان دوست ہے، وہ نہیں چاہتا کہ بے سبب خوں خرابہ ہو۔

بنام امن ہمیشہ چلی ہیں تلواریں۔ بنام صلح یہاں قتل و خون برپا ہے
اس طرف سیکڑوں تلوار، ادھر ایک شمیم۔ فتح کا جشن کدھر ہوگا یہ نہیں معلوم
کوئی دیوانہ کسی دیوانے سے لڑتا نہیں۔ کاش فرزانے بھی چل پڑتے شمیم اس راہ پر
ہر طرف قتل و خوں، لوٹ غارت گری۔ زندگی چیخ اٹھی آدمی آدمی
نفاق بانٹ رہے ہیں بنام حسن سلوک
ہوں مندروں کے برہمن کہ مسجدوں کے امام

میری نظر میں "ٹوٹتے پتوں کا دکھ" ظاہر کرنے والے ہمدرد شاعر ڈاکٹر شمیم ہاشمی دکھ درد کے شاعر ہیں۔ انہیں ایک ایسے تریاق کی تلاش ہے جو بیتاب تڑپتی زندگی کو موت سے پہلے زہرِ غم سے نجات دے سکے۔ خضر و مسیحا سے ملاقات کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ ان اشعار کو دیکھیں۔

من کے اوچھے من کے چوکھے کب یکساں ہوتے ہیں شمیم
وہ اوروں کو دکھ دیتے ہیں، یہ ہیں آپ سراپا درد
اور بھی چیزیں گننے کی ہیں، اور بھی غم ہیں سہنے کے
لوگوں کے دکھ گن لیتے، کیوں تارے گن کر کاٹی رات

میرے دروازے پر دستک کس کی ہے۔ دیکھو کوئی دکھ آیا ہے، آنے دو

ویسے تو شاعر اور اس کی شاعری پر لکھنے کو بہت کچھ ہے لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے صرف اس کی ایک جھلک دکھلا کر اکتفا کرنا پڑ رہا ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ موصوف کی شاعری میں چند الفاظ علامات کے طور پر بار بار وارد ہوئے ہیں جیسے کہ نیند، صحرا، یاد، دکھ وغیرہ پھر بھی شاعر زندگی کے الجھنوں کو سلجھانے میں حیران و پریشان نظر آتا ہے۔ تبھی تو زندگی کے بارے میں جو رائے قائم کرتا ہے اس میں تضاد پایا جاتا ہے مثلاً دیکھیں۔

مسئلے زیست کے سلجھا الجھے۔ زندگی گزری معمے کی طرح

اجنبی حرف و معنی کا مجلا تو نہیں ۔ زندگی ایک حقیقت ہے معمہ تو نہیں

شاعر نے اپنی اردو شاعری میں ہندی لفظیات کا استعمال اس چابک دستی سے کیا ہے کہ یہ کہنا مشکل ہوگا کہ ڈاکٹر شیم ہاشمی اردو کے شاعر ہیں یا ہندی کے۔ دراصل انہیں ہندوستانی زبان کا شاعر کہنا زیادہ اچھا ہوگا۔ جس طرح روح کو قالب سے الگ کرنا مشکل ہے اسی طرح ہندی کو اردو سے الگ کرنا بھی محال ہے ۔ شاعر نے ہندی اور اردو کے بارے میں اپنی رائے اس شعر میں دے دی ہے۔

جب بھی اردو کو وہ ہندی سے الگ کردیں گے
نقش ہندی کا نظر آئے گا نقشِ برآب

☆☆☆



منیر ارمان نسیمی
1173,SadduColony.
JharpadaMuslimBasti
Bhubaneswar-751006
Odisha

ایک غزل

میں نے تو اپنے بغض کو دل میں جو تھا جھٹک دیا
تو ہی بتا کہ کیوں مرا دستِ وفا جھٹک دیا
کھا رہا ہے ڈر ہمیں دھرتی کے خداؤں کا
ہم نے اپنے دل سے جب خوف خدا جھٹک دیا
میرے خلاف شازشیں کرنے لگا ہے جب سے وہ
میں نے بھی دل سے پونچھ کر حرف وفا جھٹک دیا
آج ہر اصول کو بھلایا اپنے بیٹوں نے
دختروں نے جذبۂ شرم و حیا جھٹک دیا
مجھ پہ ارماں ہوگیا رحمتوں کا سائباں
میں نے بصد خلوص جب عزمِ خطا جھٹک دیا

خلیق الزماں نصرت
861/ 203, Zeenat Aprtment.
Opp.Salahuddin Ayyubi School,
BHIWANDI
Mob: 9923257606

علامہ اقبالؔ نے آنے والے کل کے لئے جو کچھ کہا سچ کہا

اقبالؔ نے شاعری کو جزویست از پیغمبری کہہ کر جو فلسفیانہ حقیقت بیانی کا رُخ دیا ہے اس نے ان کی پوری شاعری کو غیر معمولی شاعری بنا دیا ہے۔ فلسفہ کے ساتھ ساتھ فکر و فن کا ساتھ ہو جائے تو وہ عظیم شاعری جنم لیتی ہے جو زبان و مکان کی حدود و قیود سے آزاد، آفاقی، غیر فانی شاعری ہو جاتی ہے اور شاعر چاہے باقی نہ رہے مگر اس کی صداؤں کی بازگشت صدیوں پر محیط ہوتی ہے۔

علامہ اقبالؔ ایک عظیم فنکار اور ایک مسلمہ فلسفی تھے۔ ان کی شاعری میں اپنے عصر کی چیخ بھی موجود ہے۔ ماضی کا کرب بھی ہے اور مستقبل کی ایسی پیشن گوئیاں بھی ہیں، جو فکرِ اقبال کا منطقی نتیجہ ہیں۔ اقبال اپنے دور کی تاریخ، ادب اقتصادیات، سیاسیات، قانون اور فلسفہ کو اچھی طرح جانتے تھے وہ ان فنون میں خلاقانہ عبور رکھتے تھے عصری فلسفہ میں ان کا مقام و مرتبہ بہت ممتاز تھا اس کا اعتراف آج کے فلاسفر بھی کرتے ہیں۔ اقبالؔ نے اپنی فکر کی اساس فلسفۂ خودی پر رکھی ہے، اور فلسفۂ خودی ان کے یہاں عرفانِ نفس یا عرفانِ ذات کی حیثیت سے موجود ہے۔ انہوں نے فلسفہ کو صرف شاعرانہ تخیل نہیں بنایا ہے، بلکہ اس کے ذریعے ایک مستقل نظام فکر و عمل کی تشکیل کی ہے، اور اس معاشرے کی پیشن گوئی کی ہے جو فلسفۂ خودی کی صداقت پر استوار کیا جا سکتا ہے۔ ان تمام فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے جو صدیوں سے انسان کی خودی کو زنگ آلود کرتے چلے آئے ہیں یا اسے کچلتے اور روندتے رہے ہیں۔ اقبالؔ نے ان پر زبردست تنقید کرتے ہوئے واشگاف لفظوں میں کہا ہے

کھول کر آنکھیں مرے
آئینۂ امروز میں
آنے والے دور کی دھندلی
سی ایک تصویر دیکھ

اقبالؔ ایک عبقری، نابغہ یا جینئس شاعر تھے، انہوں نے شاعری برائے شاعری نہیں کی بلکہ شاعری کو پیغمبری کے درجے تک پہنچا دیا۔ وہ دانائے راز تھے، مشرق و مغرب کے قدیم و عصری فلسفوں پر ان کو ناقدانہ عبور تھا۔ وہ مغرب کے فلسفوں پر تنقید ضرور کرتے تھے، لیکن ان کی تردید نہیں کرتے تھے، وہ مشرقی فلسفوں کے بارے میں نرم گوشہ ضرور رکھتے تھے لیکن ہمہ پہلو اس کو قبول بھی نہیں کرتے تھے۔ ان کی شاعری جہاں جذبات میں ارتعاش پیدا کرتی تھی تو وہیں حرکت و عمل پر آمادہ بھی کرتی تھی۔ ان کی شاعری میں تحریکیت تھی۔ حالات جو موجود ہیں اس کو بدل کر اس میں صحت مند انقلاب لانے کیلئے انہوں نے اپنی فارسی، اردو کی شاعری، اردو اور انگریزی کے خطبات میں جو کچھ لکھا ہے وہ غیر فانی سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کا شمار دنیا کے بڑے فلاسفہ میں ہوتا ہے۔

انہوں نے جب مغرب اور مشرق کے فلسفوں کا تقابلی مطالعہ کیا اور ان کو اپنی فکرِ قرآنی کی اساس پر جانچا پرکھا تو ان کا یقین قرآن اور اس کے فلسفے پر اور گہرا ہو گیا۔ جہاں جہاں مغربی فلسفے اور قرآنی فلسفے میں بعد اور دوری بلکہ مغائرت ملی انہوں نے کھل کر اس فلسفے پر تنقید کی اور مغربی تہذیب کو "دوں نہاد" تہذیب کا نام دیا اور اس کے بارے میں کھل کر پیشن گوئی کی۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دوکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہوگا

حالات و مشاہدات اور اُن سے متفرع ہونے والے تجربات جتنے تلخ اور انسانیت سوز تھے کہ ان کو دیکھ کر علامہ نے مغربی افکار و نظریات پر وہ ضرب کلیمی لگائی کہ ان کو تقریباً پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ مغرب کے نظریات کے زہریلے نتائج کو دیکھ کر انہوں نے برملا کہا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا

مغربی تہذیب و ثقافت کی خونچکالی کے بارے میں علامہ اقبالؔ دانندۂ اسرار تھے۔ انہوں نے بالِ جبرئیل میں اس پر تنقید کر کے واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ

شفق نہیں مغربی افق پر یہ جوئے خوں ہے یہ جوئے خوں ہے
طلوعِ فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہیں فسانہ
وہ فکرِ گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو

اس کی بے تاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

غالباً ۱۹۰۷ء میں کہے گئے ان اشعار میں انہوں نے مغرب کی بے خدا، بلکہ خدا بیزار تہذیب و معاشرے کے بارے میں جو کچھ کہا تھا آج مغربی تہذیب و معاشرت کی شکست و ریخت ٹوٹ اور بکھراؤ سے وہ پیشن گوئی حرف بہ حرف راست سامنے آ رہی ہے، وہ تہذیب جو خدا پرستی کی بجائے خدا سے بغاوت اور مادیت کی بنیاد پر استوار کی گئی تھی اس کا حشر آج دنیا چشم سر سے دیکھ رہی ہے۔ یہ کائنات، یہ آفاق کی کارگہہ شیشہ گری کسی ایسے فلسفے اور نظریے کی بنیاد پر چلائی نہیں جا سکتی جس کے بارے میں شیشہ گر سے ہدایت نہ لی گئی ہو، خدا کی بستی تجارتی نہیں، نہ انبوہ تاجراں ہے۔ اسے تو اسی کے اصولوں پر چلایا جانا ممکن ہے جو اس کا خالق۔ مالک اور حکمراں ہے۔ خدا کی یہ بستی خدا کے بتائے ہوئے اصولوں پر ٹھیک چلائی جا سکتی ہے۔ بے خدائی تہذیب کی ظاہری چمک دمک چاہے جتنی زیادہ نگاہوں کو خیرہ کرنے والی ہو لیکن اقبالؔ کی نظر میں اس کی حیثیت کیا ہے یہ ذیل کے اشعار میں دیکھئے

نظر کو خیرہ کرتی ہے، چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

مغرب کے فلسفے پر اس سے بہتر تنقید اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ ”جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے“ ان اشعار کے پس منظر میں اقبالؔ عالم انسانیت کو آگاہ کرتے ہیں کہ روحانیت اور خدائی بنیاد پر استوار تہذیبی محل کو چھوڑ کر مغرب کے مادہ پرستانہ اور بے خدا ایوانوں میں سرگرداں مت ہونا کیونکہ

وہ فکر گستاخ، جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اُسی کی بے تاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

یہ جدید مغربی افکار و نظریات ہی نہیں، تہذیب و معاشرت کے بارے میں ایک اور حکیمانہ پیشن گوئی ہے جو ناقابل تردید سچ بن کر سامنے آ گئی ہے۔ مغربی اجتماعیات کے ماہرین آج مغرب میں اجڑے ہوئے خاندانی نظام کے بارے میں سخت تشویش میں مبتلا ہیں۔ آزادانہ اختلاط اور بے قید و بے محابا میل جول نے مغرب میں نہایت دردناک مسائل پیدا کر دیے ہیں۔

ان کی نظر فرد کی انفرادی تعمیر و تربیت کے بغیر اجتماع، حکومت اور سلطنت کی تعمیر مشکل ہے اس لئے فرد کی خودی کو جب تک اتنی استوار اور صیقل نہ کر لیا جائے کہ

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اور شہنشائیت، جمہوریت اور اشتراکیت، ان تینوں میں وہ بنیادی خامی موجود ہے جن کی وجہ سے ان کا تباہ و نیست ہونا یقینی ہے، وہ نظامہائے حیات جو خدا کی بغاوت پر قائم ہوں، ان کی حیثیت یقیناً شاخ نازک پر بنے ہوئے آشیانوں کی سی ہے۔ اقبالؔ نے شہنشائیت کی بے بال و پری کو خود دیکھا تھا اور جمہوریت کے بارے میں کہا تھا

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
و سمجھتا ہے کہ آزادی کی ہے نیلم پری

☆

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیراز نوائے قیصری

شہنشائیت، اپنے تمام جاہ و جلال اور دولت کی فراوانی کے باوجود اپنی مطلق العنانیت کے سبب اور جمہوریت اپنی اصطلاحوں الیکشن، ممبری، کونسل، وزارت اور صدارت کی پرفریب اصطلاحوں سے جس طرح گمراہ کر رہی ہے اور چند چالاک، خوشحال اور موقع شناس لوگ جس طرح اس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر عوام کا استحصال کرتے ہیں اس کے پیش نظر اقبال نے اس کے بارے میں صاف صاف کہہ دیا ہے کہ دراصل یہ قفس ہے جسے آشیاں بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تو سراب ہے سراب

اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ! اے ناداں! قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

یہ جمہوریت کا وہ فرد جرم تھا آج جس میں جمہوریت پوری طرح ملوث ہو چکی ہے۔ دنیا کے تمام جمہوری ممالک کو دیکھ جائیے، کوئی ملک ایسا نہیں ملے گا جس کے ہاتھ انسانی شرف و مجد کو لہولہان کرتے ہوئے نہیں پائے جائیں گے۔ ویتنام، فلسطین، بوسنیا کہاں کہاں جمہوری ظلم و ستم نہیں ٹوٹ رہا ہے، دنیا کے جمہوری ممالک کے سربراہوں کے اسکینڈلوں سے دنیا پریشان ہو چکی ہے۔ واٹر گیٹ، بوفورس، ہرشد مہتا اسکینڈل وغیرہ وغیرہ۔

کرسٹن کیلر جیسی کال گرل کا اسکینڈل تمام جمہوری نظام کی چولوں کے ڈھیلے پن کی علامت بن چکے ہیں۔ کیا چند چالاک اور موقع شناس لیڈر وہی سب کچھ نہیں کر رہے ہیں جو شہنشاہوں اور سرمایہ داروں نے کئے تھے۔ اقبالؔ نے ابلیس کی مجلس شوریٰ میں جمہوریت، ملوکیت اور اشتراکیت تینوں عصری نظریات پر تنقید کی ہے اور محکوم قوموں اور مسلمانوں میں ابھرنے والی بیداری کے بارے میں پیشن گوئی کی ہے۔

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

اس کے علاوہ محکوم قوموں میں استحصال قوتوں کے خلاف باغیانہ جذبوں کی فراوانی کے بارے میں جو کمزوری کے باوجود نمایاں ہونے لگے ہیں۔ اقبالؔ نے اس طرح پیشن گوئی کی ہے

سفینہ برگِ گل بنالے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش، مگر یہ دریا کے پار ہوگا
میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری، نفسِ میرا شعلہ بار ہوگا

اقبال کی بصیرت کی یہ وہ انتہا ہے کہ آج ہم ساری دنیا میں یہاں تک کہ خود اشتراکی روس میں بھی استحصالی طاقتوں کے خلاف ہونے والی بغاوت کو چشم سر سے دیکھ رہے ہیں، اور ایران، افغانستان، الجیریا، مصر، ترکی وغیرہ میں اسلامی بیداری نشاۃِ ثانیہ کے جو آثار نمایاں ہونے لگے ہیں اس سے تثلیث زادے اشتراکیت گزیدہ اور اصنام پرست نظریات کے علمبردار سب خوفزدہ ہیں۔ اقبال نے ابلیس کی زبان سے اس کو کہلوا کر ایک طرح سے آج کے دور کی یہ عظیم پیشن گوئی کردی تھی ۔

ہے اگر مجھ کو کوئی خطرہ تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے، اب تک شرارِ آرزو

ایران، افغانستان، الجیریا، اسرائیل میں فلسطین کے مجاہدین کی تگ و تاز، روس میں خانہ جنگی، سب اسی شرارِ آرزو کی نمود ہے، جس کا ڈر شیطان کو تھا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اقبالؔ کا فلسفیانہ ذہن، دنیا کے لیے نئے نظام کے فلسفیانہ جواز کی بشارت دیتا ہے، جو نہایت والہانہ انداز میں دیتا ہے۔

من دریں خاکِ کہن گوہرِ جاں می بینم
چشمِ ہر ذرّہ، جو انجم نگراں می بینم
دانۂ راکہ بآغوش زمیں ست ہنوز
شاخ در شاخ برو مندو جواں می بینم
کوہ را مثلِ پرکاہ سبک می یا بم
پر کا ہے صفت کوہ گراں می بینم
انقلابے کہ نگنجد بہ ضمیرِ افلاک
بینم و ہیچ ندانم کہ چساں می بینم
خرم آں کس کے دریں گرد سوارے بیند
جو ہر نغمہ زلر زیدنِ تارے بیند

مجھے وہ انقلاب آتا ہوا نظر آرہا ہے جو ضمیر افلاک میں بھی نہیں تھا۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جو بلند ہوتی ہوئی دھول میں آنے والے سوار کو پہچان لے، اور تاروں کی لرزش میں جو سازش ہورہی ہے اس سے نغمے کا جوہر پہچان لے۔ یہ نظم غالبؔ کے شعر پر ختم ہوئی ہے۔

مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و خورشید نشانم دادند

مجھے اندھیری رات میں صبح کا مژدہ سنایا گیا ہے اور شمع بجھا کر سورج کی بشارت دی گئی ہے۔

اسلام نے ایک خدا، ایک انسان، ایک کتاب، ایک نظام کا جو نظریہ پیش کیا ہے دُنیا کے تمام نظریات آج اس کے سامنے ہیچ ثابت ہورہے ہیں، اور دنیا بڑی تیزی سے اس کی طرف قدم زن ہورہی ہے۔ اقبال نے جو پیشین گوئی کی تھی وہ حرف بہ حرف حقیقت عریاں بن کر سامنے آتی چلی جارہی ہیں۔ اقبالؔ نے کہا تھا کہ مسلمان بیدار ہوگا تو دنیا جاگ اٹھے گی۔ پوری دنیا میں بیداری کے سوتے پھوٹ پڑیں گے

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہوجائے گی
آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بزمِ گل کی ہم نفس بادِ صبا ہوجائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبینِ خاکِ حرم سے آشنا ہوجائے گی
نالۂ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور،
خونِ گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہوجائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی

اڈوانی، امریکہ، اسرائیل آج اسلامی بیداری، اسلامی بنیاد پرستی کے خلاف جوسر جوڑ کر بیٹھے ہوئے ہیں اور کھلے لفظوں میں کہنے لگے ہیں کہ ان کو دہشت گردی سے نہیں اسلامی بنیاد پرستی سے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ اسی بات کو اقبال نے نالۂ صیاد سے تعبیر کیا ہے۔ خونِ گلچیں سے کلی کے رنگین قبا ہوجانے کا مرحلہ ابھی کچھ دور ہے۔ لیکن اسلامی بیدار کا سیل سبک اس راستے پر مڑ چکا ہے۔ اسی طرح کلامِ اقبال میں کی گئی کتنی ہی پیشن گوئیاں آج حقیقت بن کر سامنے آرہی ہیں۔

☆☆☆

مجیب الرحمٰن
At:Firdos Nagar
P.O:Madaidih
Topchandi
Dhanbad-828402(Jharkhand)

سہ ماہی ''ادبی محاذ'' کا گوشۂ ڈاکٹر شمیم ہاشمی میری نظر میں

اردو زبان کی تاریخ ہمیشہ اتار چڑھاؤ سے عبارت ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ اردو کی تاریخ بھی نئی کروٹ لیتی رہی لیکن اس کے محافظوں اور خادمین کی بے لوث خدمات اور ہمہ جہت کوششوں سے اردو ہر عہد میں اپنی روشنی پھیلاتی رہی اور عوام و خواص کی زبان سے اپنے شگوفے نکالتی رہی۔ تحفظات کے مختلف طریقے اپنائے گئے، مورر ین اپنی زبان سے، مصنفین تصنیف و تالیف سے، مضمون نگار اپنی مضمون نگاری سے، کہانی کار اپنی کہانیوں سے، شعراء اپنے کلام سے گویا اہلِ قلم کا وجود بڑھتا گیا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ دوسری طرف مختلف اداروں سے جریدے اور شمارے نکلتے رہے جس میں اہلِ ادب اور اہلِ سخن کی تخلیقات زائع ہوتی رہیں اور یہ ایک محفوظ قلعہ ہے جس کا محاصرہ ہر دور میں جاری رہا لیکن پاسبانِ اردو تن من دھن کی بازی لگا کر اردو کے اس قلعے کو محفوظ رکھا۔

انہیں شماروں میں سے ایک شہر کٹک اڈیشا سے نکلنے والا سہ ماہی ''ادبی محاذ'' ہے جو پوری آب و تاب کے ساتھ زندہ و جاوید ہے۔ اور اردو کی ترویج و ترقی میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔

سہ ماہی شمارہ ''ادبی محاذ'' کے مدیر محترم سعید رحمانی صاحب مجھے پابندی سے بھیجتے رہے ہیں لیکن بروقت ڈاکیہ کے مجھ تک تاخیر کی وجہ سے شمارہ پہنچتا جو میرے لئے بڑی محرومی کی بات ہے۔

فی الوقت میرے ہاتھ میں ''ادبی محاذ'' کا گوشۂ شمیم ہاشمی ہے جس کو حرف حرف پڑھا۔ تمام لوگوں کی تحریریں اور کلام پڑھ کر یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ میز پر جتنے بھی شمارے آتے ہیں ادب کے نام پر لیکن ان تمام شماروں میں ادبی محاذ کا ایک الگ مقام ہے۔ اس شمارہ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں جن شعراء ادباء کا انتخاب ہوتا ہے وہ صحیح معنوں میں اردو داں اور زبان آشنا ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایسے کہنہ مشق ادیبوں اور شعراء کی تخلیقات اس شمارے کو باوقار اور معیاری بناتی ہیں ورنہ آئے دن مختلف شمارے شائع ہوتے ہیں جس میں معیار کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے غیر موزوں اور اثر انداز نہیں ہوتا ہے۔ نتیجتاً اہلِ ادب کی نگاہوں اور میز سے وہ شمارے غائب ہو جاتے ہیں۔

اس شمارے کا آغاز تقدیس و کبریائی شان رسالت میں نذرانہ جو کسی بھی تحریک کے لیے عقیدت سے ہوتا ہے، کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے۔ عبدالمجید فیضی، اختر رانچوی، اظہر نیر صاحبان کی حمدیہ نعتیہ شاعری کے لیے انہیں مبارک باد۔

بعدہٗ شمارہ میں شارق عدیل، مصداق اعظمی، تنویر پھول نے اپنے قطعات اور کلام سے معاشرہ کی فلاح بہبود کے لیے راہنما اصول مرتب کیے اور ادبی محاذ نے اس کی اشاعت کر کے معاشرہ کے تئیں اپنا دردِ دل کو اجاگر کیا ہے۔

''تحقیق اور اس کا بنیادی مقصد'' سید نفیس دسنوی کی تحریر ادب کے کئے دروازے وا کرتی ہے۔ تحقیقی فن کیوں ضروری ہے اور اس کا طریقۂ کار پر بڑی اچھی اور صاف ستھری زبان میں بحث کی ہے، جس کے لیے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

گوشۂ احباب...... جس میں مختلف ادیبوں کے تبصرے شامل ہیں۔ سبھوں نے کھل کر شمارہ کے وقار اور معیار کو اجاگر کیا ہے، خامیوں اور کوتاہیوں کی بھی نشاندہی کی ہے جو شمارہ کے لیے نیک فال ہے۔

ادبی محاذ کے مدیر اعلیٰ محترم سعید رحمانی صاحب نے شمیم ہاشمی صاحب کا تعارف اس انداز سے کیا ہے کہ ڈاکٹر شمیم ہاشمی صاحب کی فن کاری اور ان کی شخصیت کے ہشت پہلو نمایاں ہو گئے ہیں۔ ہر ترازو میں تول کر مکمل اعتدال کے ساتھ شخصیت پرستی سے اوپر اٹھ کر تعارف پیش کرنا مدیر محترم سعید رحمانی کی مبالغہ آرائی اور تصنعات سے پاکی کی دہائی دیتے ہیں۔

ڈاکٹر شمیم ہاشمی کا مجموعہ غزلیات ''ٹوٹتے پتوں کا دکھ'' پر تنقیدی نظر، ڈاکٹر غلام ربانی ایاز کی تحریر بہت جامع ہے، جنہوں نے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور بھرپور جائزہ لیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ نتیجہ خیز جملوں سے اپنی بات کو مستحکم کیا ہے، جس کے لیے انہیں مبارک باد۔

اس شمارہ کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں ادب اطفال کے تعلق سے بھی ایک تحریر شامل ہے۔ اس دور میں بلکہ کسی بھی عہد ادب اطفال کے ادیبوں کو

وہ اہمیت نہیں دی گئی جس کے وہ مستحق تھے اور نہ ہی ان کو حتی المقدور سراہا گیا۔ چہ جائیکہ ادب اطفال کاوشوں میں کئی بڑے نامور شخصیات ہیں اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ بچوں کے لیے لکھنا ان کے لیے تخلیق کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ۔بچہ ابھی زندگی کے ابتدائی مراحل میں ہے اس کو کیسے تیار کرنا ہے، ذہن سازی کیسے ہو یہ ہر ادیب اطفال کے لیے ایک بڑا چیلنج ہوتا ہے۔ محسن باعث حسرت صاحب نے ادب اطفال کے مایۂ ناز ادیب عبدالرحیم نشتر کی شخصیت کو اجاگر کیا۔ ادب اطفال میں ان کی کارناموں کی سراہنا کی، کہیں کہیں شخصیت پرستی سے اوپر اٹھ کر تنقید بھی کی جو ایک باعث فخر بات ہے۔ یہ صحیح الفکر ادیب کی پہچان ہے کہ ادبی محاذ نے اس کو جگہ دی اور ادب اطفال کی ٹمٹماتی لو کو جلا بخشا۔

اس شمارہ میں کئی بڑے ادیبوں کی تخلیقات ہیں ۔فرداً فرداً سب پر دو ہی سطر بھی اگر لکھوں تو مضمون کافی طویل ہو جائے گا۔ جی چاہتا ہے سب کی تخلیقات پر کچھ رقم کروں لیکن طوالت مانع ہے، ایمانداری کی بات یہ ہے کہ سب کو پڑھا اور محظوظ ہوا۔ من جملہ شمارہ ہر پہلو سے جامعیت لیے ہوئے ہے ۔کہنہ مشق ادیبوں کے گلدستہ کی خوشبو ہر ورق بلکہ ہر سطر میں محسوس کی جا سکتی ہے۔

شکر گزار ہوں مدیر اعلیٰ محترم سعید رحمانی صاحب کا کہ جنہوں نے ہر شمارے کے لیے مجھ ناچیز کو یاد فرمایا لیکن میں اپنی نالائقی اور کم مائیگی کی وجہ سے کچھ لکھنے سے قاصر رہا۔ دعا گو ہوں کہ بارالٰہی اس شمارہ کو یوں ہی روشن و تابناک رکھے۔ مدیران و منتظمین کو حوصلہ بخشے اور اردو کی خدمت کو قبول فرمائے، ذریعہ نجات بنائے.....آمین.....☆☆☆

عظیم الدین عظیم
PlotNo:78/427,LotusGarden
Jadupur.Bhubaneswar-753001

ایک غزل

شعلے جو بھڑکتے ہیں بجھانے کو میں چلا — مفلس کی جھونپڑی تھی بچانے کو میں چلا
نفرت کے گیت گاتے ہیں سب آج کل مگر — الفت کا راگ پھر بھی سنانے کو میں چلا
جو لوگ دشمنی پہ ہیں آمادہ ان سے ہی — رشتہ محبتوں کا نبھانے کو میں چلا
جو لوگ گمرہی میں بھٹکتے ہیں آج تک — نیکی کا سیدھا رستہ دکھانے کو میں چلا
دست دعا اٹھا کے در فخر انبیاء — بگڑا ہوا نصیب بنانے کو میں چلا
غیروں پہ انحصار کروں کس لیے عظیم — اپنی صلیب خود ہی اٹھانے کو میں چلا

قاری محمد اخلاق احمد
Mauza Mungra Mau
P.O:Itaili.Dist:Fatehpur
Haswa-212652(U.P)

نعتِ پاک

جب زمیں پر نورِ حق ظاہر ہوا پہلے پہل — ہر طرف تھا نغمۂ صلِ علیٰ پہلے پہل
تھا فلک حیرت میں فاراں تیری رفعت دیکھ کر — تجھ پہ جب چمکا تھا خورشیدِ حرا پہلے پہل
وہ گلِ یکتائے باغِ قدس کچھ ایسا کھلا — خوشبوؤں سے بس گئی ساری فضا پہلے پہل
مرحبا صد مرحبا کے تھے ترانے ہر طرف — شہرِ طیبہ میں جب آئے مصطفےٰ پہلے پہل
یہ عظیم الشان نومولود آخر کون ہے — سوئے خانہ جس کے خود کعبہ جھکا پہلے پہل
جب ظہور ان کا ہوا ابلیس بولا چیخ کر — ہائے میں دنیا میں اب رسوا ہوا پہلے پہل
ظلم کی دنیا میں ہے کہرام برپا دیکھ کر — قوتِ بازوئے شاہِ کربلا پہلے پہل
توڑ ڈالا خطبۂ زینب نے ظالم کا غرور — دیکھا قصرِ شام نے یہ زلزلہ پہلے پہل

بس نگاہِ فیضِ مرشد سے کسی قابل ہوا
ورنہ میں اخلاق کس مصرف کا تھا پہلے پہل

سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی نوری
Astana-e-Alia Nawabia.QazipurSharif
P.O:Mandua.Fatehpur.Haswa-212653(U.P)

ایک غزل

درِ خیال پہ یادِ خدا نے دستک دی — تو یوں لگا کہ مرے آشنا نے دستک دی
ترا بلاوا جو آیا تو یوں ہوا محسوس — کہ جیسے دل پہ کسی کربلا نے دستک دی
ابھی تو صبح کے آنے میں وقت باقی ہے — نہ جانے کس لیے بادِ صبا نے دستک دی
کھلے تھے جب تو مسلسل تھی شور کی آواز — کواڑ بند کیے تو ہوا نے دستک دی
یہ شب کے پچھلے پہر کون آیا ہوگا یہاں — میں سوچتا رہا کس نے نہ جانے دستک دی
وہی ہوا کہ مری نیند مجھ سے روٹھ گئی — میں سونے والا تھا جب اک صدا نے دستک دی
صدا کا قافلہ صحرا سے ہوگیا رخصت — تو بازگشت کی باگی لوا نے دستک دی
اک اضطراب کے عالم نے مجھ کو گھیر لیا — درِ نگاہ پہ کس نقشِ پا نے دستک دی



سراج زیبائی
1stFloor.Anandrao Badevane
Shivamogga-577205(Karnataka)
Mob-8296694020

ڈاکٹر پروین فاطمہ: ''جواز فکر'' کے آئینے میں

ٹملناڈو کے ایسے مشاہیر ادب جنھوں نے زبان اردو کی ترویج و اشاعت میں تاریخ ساز کارنامے انجام دے کر ادبی سرمائے میں گراں قدر اضافے کیے، جنھوں نے اپنی تمام زندگی زبان اردو کے ل؟ لکھنے کی ٹھان لی تھی، جو اپنے قلم کو خون جگر میں ڈبو کر لکھتے رہے، اور اپنی جان سے پیاری زبان اردو کو پروان چڑھانے میں اپنی تمام تر سانسیں وقف کر ڈالیں، بشہر چنئی ٹملناڈو کے ایسے ہی گنے چنے قلمکاروں میں ڈاکٹر پروین فاطمہ کا نام بھی نمایاں ہے۔ آپ ایک صاحب طرز نثر نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ہر دلعزیز شاعرہ کے روپ میں بھی جانی پہچانی جاتی ہیں۔ ابتدائی عمر ہی سے محترمہ کو شاعری اور نثر نگاری سے انتہائی شغف رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ درس و تدریس کے مصروف ترین شعبے سے منسلک رہنے کے باوجود ایسی نکھری ہوئی شاعری اور عمدہ مضامین لکھتی ہیں جن میں رچی بسی ہوئی فطری نغمگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ شاعری اور نثر نگاری میں ان کی ہنر مندی اور تخلیقی استغراق و انہماک نے بلاشبہ انھیں ادب میں ایک نمایاں اور قابل تحسین مقام دلایا ہے۔

"جواز فکر" ڈاکٹر پروین فاطمہ کے تحقیقی و تنقیدی مقالوں اور خاکوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں اکثر ایسے مضامین اور خاکے شامل ہیں جو انھوں نے مختلف مذاکروں اور سمیناروں میں پیش کر کے داد و تحسین حاصل کی ہے۔ اپنے اکثر مضامین میں ریاست ٹملناڈو کے علاوہ شمال کے کئی اہل قلم حضرات کی شخصیت اور فن کو ایک وسیع فکری پس منظر میں سمجھنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ محترمہ نے اپنی تحریروں میں ایسا اسلوب اور لہجہ اختیار کیا ہے جس میں ندرت و جدت کے ساتھ معنوی رکھ رکھاؤ بھی موجود ہے۔ اس تصنیف کے اکثر مضامین میں گفتگو کا لب و لہجہ اپنایا گیا ہے جو بلاشبہ ہر قاری کے دل کو چھو لیتا ہے۔ ان کی طرز تحریر ہر قسم کے تصنع سے مبرا ہے۔ انہوں نے جو دیکھا سنا اور محسوس کیا ہے اس کو بعینہ بیان کر دیا ہے۔ مختلف شخصیات پر ان کے یہ مضامین حقیقت پسندانہ اور غیر جانب دارانہ اور متوازن رویے کے حامل ہیں۔

پہلا مضمون ہمارے عہد کے ایک معروف اور صوفی منش شاعر حضرت نظیر اکبر آبادی کی شخصیت اور شاعری پر لکھا گیا ہے۔ دراصل موصوف کی شاعری انس ان دوستی اور اخلاقیات سے مزین تھی ڈاکٹر صاحبہ نے حضرت نظیر کے مختلف اشعار کے حوالے سے ان کی رواداری کو واضح طور پر اجاگر کیا ہے۔ دوسرا مضمون مرزا غالب سے متعلق ہے۔ ویسے غالب پر تا حال بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور ان پر لکھنے کا عمل ہنوز جاری ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ نے سچ فرمایا ہے کہ غالب ایک ایسا باب ہے جس کے پنے یا صفحات ان گنت ہیں لامحدود۔ یقیناً" غالب کا حسن بیان اعجاز نگارش اور کمال اظہار کی جزئیات کی فراواں مثال غالب سے قبل کہیں نہیں ملتی۔ تیسرا مضمون بعلامہ اقبال کی غزلیہ شاعری کی معنویت اکیسویں صدی میں۔ ویسے علامہ اقبال بنیادی طور پر نظموں ہی کے شاعر تھے لیکن غزلوں میں بھی موصوف کا انفرادی لہجہ نمایاں تھا۔ الفاظ کو خاص ڈھنگ سے برتنے میں ایسی مہارت کا ثبوت دیتے کہ ان کے صرف ایک شعر کو پڑھنے سے ہی صاحب شعر کا پتہ چل جاتا ہے

ہم بھی علامہ اقبال کی غزل گوئی کے تعلق سے علی سردار جعفری کے اس قول سے متفق ہیں کہ 'اقبال کی غزل میں حافظ شیرازی اور غالب کی بلندیء فکر اور رومی کے دل کی بے تابی اور اس کے سوا کچھ اور بھی ہے جو صرف اقبال کی اپنی دین ہے'۔

اردو شاعری میں لوک گیت کی روایت خاصی مستحکم رہی ہے۔ پروفیسر صاحبہ نے بجا طور پر کہا کہ لوک گیت ہماری زبان و تہذیب کا انمول سرمایہ ہیں۔ دراصل لوک گیتوں میں عوام شناسی کے علم کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ اس نوعیت کے گیت ثقافتی اور مذہبی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں گیت " دمادم مست قلندر" دنیا بھر میں کافی مقبول ہوا۔ ایک صوفی بزرگ لعل شہباز قلندر کی توصیف وعقیدت میں یہ گیت لکھا گیا تھا۔

ڈاکٹر صاحبہ نے اردو کی ظریفانہ شاعری سے متعلق بھی ایک جامع مضمون سپرد قلم کیا ہے۔ درحقیقت ظریفانہ شاعری ہمارے اردو ادب کی موثر ترین صنف ہے۔ اس کی گل افشانی دلوں کو مسخر کر لیتی ہے اور سرور و کیف اور نشاط

قلب و جاں کا وسیلہ ثابت ہو کر قاری پر وجدانی کیفیت طاری کر دیتی ہے۔ پروین فاطمہ صاحبہ نے بھی سچ کہا ہے کہ طنز و مزاح ایک ایسا آلہء کار ہے جس کے ذریعے ہمارے شعراء نے نہ صرف ہنسنے ہنسانے کا کام لیا ہے بلکہ اس سے قوم کو اصلاح کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اگلے مضمون میں اردو تاریخی ناولوں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ بقول ڈاکٹر صاحبہ تاریخی ناول نگاری کی ابتدا عبدالحلیم شرر سے ہوئی۔ ان تاریخی ناولوں سے بلا شبہ ہمارے اسلاف کے کارناموں سے واقفیت ہوتی ہے۔ ساتواں مضمون ہے تحریک آزادی میں اردو صحافت کا کردار۔ ویسے ہر دور میں ہمارا طبقہ اپنے خیالات و نظریات کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اردو صحافت کا سہارا لیتا ہے۔ انگریزوں کے دور حکومت میں ان کے ظلم و استبداد کے خلاف ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک ملازم نے جو آواز اٹھائی اس کا نہایت واضح طور پر جائزہ لیا گیا ہے۔ یقیناً" یہ ایک خوبصورت اور معلوماتی مضمون ہے۔

ان کے علاوہ علامہ اقبال کی مقبول عام نظم مسجد قرطبہ، اردو شاعری میں عورت کے اساسی رشتے، لسانی حیثیت سے اردو اور ہندی کا تقابلی جائزہ، دیپل کی نظم 'کائنات' کا تجزیاتی مطالعہ، تملناڈو کے اردو افسانوں میں تانیثی رجحانات، اصغر ویلوری کی شعری تصنیف 'خواب باقی ہیں ابھی آنکھوں میں'، اردو اور سائنس، پروفیسر ڈاکٹر نجم الہدیٰ شخصیت اور تحقیقی و تنقیدی خدمات، جسٹس بشیر احمد سعید، شخصیت اور کارنامے، ڈاکٹر حلیمہ فردوس کی انشاپردازی "بہر کیف" کے حوالے سے، "افادیات صحافت"، "ہم اور ہمارے ہیڈ" اور سر سید احمد کے فکری و عملی جہات ایسے مضامین ہیں جن کے مطالعے سے ڈاکٹر صاحبہ کی بے پناہ علمیت و قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔

الغرض تصنیف "جواز فکر" ڈاکٹر پروین فاطمہ صاحبہ کے تخلیقی و تحقیقی اور دیگر ادبی سرمائے کی روشنی میں ان کے ادبی مرتبے کا تعین کرنے کی ایک مخلصانہ کوشش ہے جس کو ہمارا ادبی حلقہ ضرور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے گا۔

☆☆☆

شاکر وارثی
Sutahat.P.O:Buxi Bazar
Cuttack-753001(Odisha)

ایک غزل



کہیں دغا، کہیں دھوکہ دکھائی دیتا ہے
چہار سمت ہی خطرہ دکھائی دیتا ہے
ہمیشہ دل میں جو رکھتا ہے بغض اور کینہ
اسی پہ سب کا بھروسا دکھائی دیتا ہے
صدف کی پیاس سمندر بجھائے، ناممکن
مجھے وہ خود ہی پیاسا دکھائی دیتا ہے
درندگی سے ہے معمور اس کا باطن، جو
بظاہر ایک فرشتہ دکھائی دیتا ہے
یقین رکھتا ہے جو شخص خاکساری پر
بلند اس کا ہی درجہ دکھائی دیتا ہے
پرائے درد کا احساس دل میں ہے شاکر
جو غیر بھی تمھیں اپنا دکھائی دیتا ہے

محمد اسداللہ

C/O:TausifAhmed
30,GulistanColony
JafarNagar-440013.Nagpur
Mob-9579591149

مہمانوں کا سیلاب

مہمان نوازی کی روایت بہت پرانی ہے۔صدیوں کے اس سفر میں مہمان بننے اور بگڑنے کا سلسلہ کئی مراحل سے گزر چکا ہے۔اس دوران اس نے میزبان کو سبق سکھایا ہو یا نہ ہو اس سے نپٹنے کا گر ضرور سیکھ لیا ہے۔اب مہمان یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کب کس میزبان کو فون پر اطلاع دے کر اسے گھر میں پابہ زنجیر کرنا ضروری ہے اور کہاں اچانک بارش کی طرح جا دھمکنا چاہیے کہ میزبان کو بھاگنے کی مہلت نہ ملے۔

بعض لوگ گھر میں قدم رکھتے ہی یہ پتہ لگا لیتے ہیں کہ گھر میں کس قسم کا نظامِ حکومت رائج ہے۔شوہر کے جہانِ دل پر بیگم کی حکومت ہو تو چائے اور کھانوں کی لگاتار تعریف میزبان کے دل اور گھر دونوں میں جگہ بنانے کے لیے کافی ہے۔گھر میں میاں کا سکہ چلتا ہو تو اس کے بچوں یا کتوں (جو بھی زیادہ عزیز ہو) کو سراہنا گھر میں ٹکے رہنے کے لیے ضروری ہے۔مہمان بارش کے قطروں کی طرح تنہا نہیں آتا۔بھلا بارش اپنے قطروں کو کسی اور مقام پر چھوڑ کر کیسے آسکتی ہے۔مہمان جب آتا ہے تو میزبان مرزا غالبؔ کی زبان میں کاتبِ تقدیر سے ایک چھوٹا سا سوال پوچھتا رہ جاتا ہے

کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

گرمیوں کی تعطیلات میں پانی کی قلت اور شادیوں کی کثرت عام ہے۔ہمارے علاقے میں شادی کے دعوت ناموں پر یہ شعر بھی لکھا جاتا ہے:

اے بادِ صبا کچھ تو نے سنا مہمان جو آنے والے ہیں
کلیاں نہ بچھا راہوں میں ہم پلکیں بچھانے والے ہیں

بس اس شعر کو پڑھ کر مہمانوں کا سیلاب امڈ پڑتا ہے۔عزیز و اقارب کو شادی میں مدعو کرنا میزبان کی مجبوری ہے کہ اسی رسمِ دنیا کو عزت سپلائی کرنے کا ٹھیکہ سماج کی جانب سے ودیعت ہوا ہے۔وہ غریب دل ہی دل میں ڈرتا ہے کہ تمام مہمانوں کو دعوت دی گئی اور سب شریک ہو گئے تو مہمانوں کا یہ سیلاب دیکھ کر اس کی آنکھیں مارے حیرت کے کتنی ہی کیوں نہ پھیل جائیں، پلکیں اس قدر ہرگز وسیع نہیں ہو سکتیں کہ ان پر تمام لوگ سما سکیں۔

بعض میزبان اس صورتِ حال کو ٹالنے کے لیے دعوت نامے اس خوبصورتی سے پوسٹ کرتے ہیں کہ نکاح ۳۰ مارچ کو ہے تو دعوت نامہ ایک اپریل کو مہمان کے ہاتھ لگے تاکہ مہمان بن کر میزبان کے سینے پر مونگ دلنے کی خواہش کے باوجود مہمان اس قابل نہیں رہ پاتا کہ وہاں پہنچ سکے۔اس صورت میں رقعے پر درج شعر کا مقصد مہمانوں کو مدعو کرنا نہیں بلکہ بادِ صبا کو اطلاع دینا ہے کہ اے بادِ صبا! ہم نے مہمانوں کا معقول بندوبست کر دیا ہے تم خواہ مخواہ راہوں میں کلیاں بچھانے کی زحمت کیوں کرو؟

مہمان سیلاب کی طرح آتے ہیں یا نہیں اس میں دو رائیں ہو سکتی ہیں لیکن اس سے کون انکار کرے گا کہ سیلاب مہمان کی طرح آتا ہے اور شرعی مہمان یا معمولی بخار کی طرح تین دنوں میں اتر بھی جاتا ہے۔البتہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ مہمانوں کی طرح آنے والا سیلاب زیادہ تباہی پھیلاتا ہے یا سیلاب کی طرح آنے والے مہمان؟

ہم اپنی روح کی گہرائیوں میں جھانک کر دیکھیں تو محسوس کریں گے کہ مہمانوں کی خاطر مدارات سے ہمیں ہزار دقتوں کے باوجود ایک عجیب سی روحانی خوشی ضرور ہوتی ہے۔مہمانوں کے قدرداں نکاح کے رقعوں پر مذکورہ شعر لکھوائے بغیر بھی مہمانوں کی راہ میں پلکیں بچھائے رہتے ہیں۔مہمان شکم سیر ہو جائے تو میزبان کی روح سیراب ہو جاتی ہے۔البتہ ان دنوں یہ ہونے لگا ہے کہ مہمان کے رخصت ہوتے وقت میزبان کے ہونٹوں پر سہما سہما یہ جملہ لڑکھڑانے لگتا ہے کہ شام کا کھانا کھا کر جاتے تو اچھا تھا۔اندر ہی اندر دل لرزتا رہتا ہے کہ اس کی یہ رسمی پیش کش شرفِ قبولیت سے نواز دی گئی تو یہ بلا ایک دن اور قہر برپا کرے گی۔اسی لیے وہ مہمان کے انکار کرتے ہی اسے گلے لگا کر خدا حافظ کہتا ہے اور سکھ کا سانس لیتا ہے یا اپنی پھولتی ہوئی سانس کو

درست کرتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اب ہمیں مہمانوں کے آنے سے مسرت کیوں نہیں ہوتی؟ اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ اس مادّہ پرستی کے زمانے میں روحانی مسرتوں کا کیا کام؟ کیا مادی ترقی کے اس عہدِ زرّیں میں بھی روح کا وجود باقی ہے؟ جی ہاں! روحانیت اب بھی زندہ ہے اور ثبوت اس کا یہ ہے کہ اپنے گھر کی دہلیز پر مہمانوں کا اُمڈتا ہوا سیلاب دیکھ کر جو چیز ہمارے اندر فنا ہونے لگتی ہے وہ ہماری روح ہی ہے۔

سنا ہے مادّہ فنا ہو جاتا ہے اور روح باقی رہ جاتی ہے، سو یہ بھی سچ ہے۔ روح کے بنا جہد للبقا کے مناظر ہمیں مہمانوں کے آنے کے بعد نظر آتے ہیں۔ ایثار، قربانی (جو کبھی جھلکے کی شکل بھی اختیار کر لیتی ہے) اور صبر و تحمل وغیرہ اخلاقی قدروں کو مہمانوں کے آنے کے بعد ہی فروغ حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً کسی دن آپ کے مہمان کا لائق فرزند جب دبئی سے آپ کے کسی عزیز کے بھیجوائے ہوئے ٹی سیٹ کو لے کر "جیک اینڈ جل، وینٹ اپ دی ہل" کہہ کر سیڑھیوں پر چڑھتا جاتا ہے تو آپ کا دل دہل جاتا ہے اور آپ جل تو جلال تو کا ورد کرنے لگتے ہیں۔ پھر اچانک اس ٹی سیٹ کو کمرے کی فرش پر پوری قوت سے دے مارتا ہے، تب اسے خبر ہی نہیں ہوتی کہ وہ ٹی سیٹ بلکہ آپ کا پیمانۂ صبر ہے جو چھلکنے سے پہلے ہی چور چور ہو گیا۔ آپ اپنے چہرے سے تلخی کو رفع دفع کرنے کی ناکام کوشش کر کے اس کھسیانیت کا ملمع چڑھاتے ہیں اور یہ کہہ کر رہ جاتے ہیں کہ کوئی بات نہیں بچہ ہی تو ہے۔ اور بچے کے والدین آپ کی زبان سے نکلی ہوئی اس ابدی سچائی کو صدق دل سے قبول کر لیتے ہیں۔

سیلاب کے آنے کا دن اور تاریخ بھلے ہی مقرر نہ ہو، موسم تو متعین ہے۔ مہمان اس قید سے آزاد ہے۔ جس مخلوق کے آنے کا وقت مقرر نہ ہو اس کے جانے کا دن کون طے کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب میزبان اپنے مہمانوں کا استقبال پھول جیسے ان دو سوالوں سے کرتے ہیں (ان دونوں سوالوں کے درمیان سانس لینے کا وقفہ تو قطعی نہیں ہوتا)

سوال نمبر ا "آیئے آیئے کب تشریف لائے آپ؟

میزبان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوتا ہے کہ وہ غریب ابھی ابھی ٹیکسی سے اتر کر اپنے حواس درست کر رہا ہے۔ (یہ سوال شاید اس لیے کیا جاتا ہے کہ میزبان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا کہ اتنی بڑی مصیبت اس کے گھر وارد ہو چکی ہے)

دوسرا سوال: کب تک قیام رہے گا؟

پہلے سوال کا جواب تو اسکے روبرو ہوتا ہے لیکن جس طرح طلسمی کہانیوں والے جادوگر کی روح طوطے کے جسم میں چھپی ہوتی ہے، میزبان اس سوال میں پھنسا رہتا ہے۔ یہ سوال لازمی ہوتا ہے تاہم گول مول جواب دے کر اپنا راستہ اور میزبان کی طبیعت صاف کرتے ہوئے کہتا ہے:

"جناب عالی! جب تک ہمارا دانہ پانی اس گھر میں ہے ہم یہیں رہیں گے بلکہ آپ بھگانا بھی چاہیں تب بھی نہ جائیں گے۔ سمجھے۔"

ایسا شاندار جواب پا کر میزبان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جاتے ہیں۔ یہ اس لحاظ سے اچھا ہے کہ کفِ افسوس ملنے میں آسانی ہوتی ہے۔ رہی بات دانے پانی کی تو اب ہمارے زمانے میں دانے اور پانی میں دغیرہ وغیرہ کی خاصی لمبی دم لگی رہتی ہے۔ عام آدمی اس دم کا جتنا سیدھا کرنا چاہے یہ اتنی ہی ٹیڑھی ہونے لگتی ہے۔ بن بلایا مہمان بیچارہ اس بات سے بے خبر ہوتا ہے کہ وہ کب اپنے دانے پانی کی سرحد پھلانگ کر صاحب خانہ کی مملکت میں بلا پاسپورٹ داخل ہو گیا ہے۔

اس دنیا میں انسان بذاتِ خود ایک بن بلایا مہمان ہے اور وہ بھی اس بات پر اڑا ہوا ہے کہ جب تک اس کا دانہ پانی اس دنیا میں موجود ہے وہ یہاں سے ٹلنے والا نہیں، خواہ اسے دھکے مار کر ہی کیوں نہ نکالا جائے۔ چنانچہ اب آدمی تلاشِ روزگار میں لوکل ٹرین اور منی بس کے دھکے کھاتا ہے اور بے تکان جیتا ہے۔ آج کل دانے دانے ہی پر نہیں بس اور ٹرین کے دھکوں پر بھی ہمارا نام لکھا ہوا ہے۔ ☆☆☆

الطاف نادر
Nadir Manzil.Quazi Sahi
Ward No-14.Bhadrak-756100
(Odisha(Mob-9937286011

ایک غزل

گر شہر میں ویراں کوئی منظر نہیں دیکھا
لگتا ہے ابھی تم نے مرا گھر نہیں دیکھا
معمار یقیناً ہوں، مگر آپ کی مانند
دیوار کسی گھر میں اٹھا کر نہیں دیکھا
تدبیر کے ناخن سے گرہ کھولی ہے میں نے
خود کو کبھی محتاجِ مقدر نہیں دیکھا
جس پیڑ کی کرتا رہا تا عمر حفاظت
موسم میں کبھی اس کو ثمر ور نہیں دیکھا
جینے نہیں دیتا کہ وہ مرنے نہیں دیتا
تم نے ابھی الفاظ کا خنجر نہیں دیکھا
ایوان ترے شہر کے کیا خوب ہیں نادر
دروازہ مگر قد کے برابر نہیں دیکھا

سبطین پروانہ
سالماری۔ کٹیہار (بہار)

''کشتِ سخن'' کا شاعر: محمد رضاء الباری اظہر

محمد رضاء الباری کا تعلق چھوٹا رگھوناتھ پور بارسولی ضلع کٹیہار (بہار) سے ہے۔ ان کی پیدائش ۱۱ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو ہوئی تھی۔ رضاء الباری اظہر شریف الطبع' اخلاص پرور اور انسان دوست شخص کا نام ہے جن کی جھولی میں پیار' وفا' ایثار اور قربانی ہی ہی قربانی ہے۔ دینی اور عصری تعلیم سے فراغت پانے کے بعد نجی طور پر ایک مدرسہ چلا رہے ہیں جس میں گرد و نواح کے طلبہ و طالبات دینیات کی تعلیم حاصل کرر ہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گونا گوں خوبیاں عطا کی ہیں۔ آپ جلسوں کی نقابت بھی بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں۔ ماشاء اللہ خطابت کا جوہر بھی قدرت نے آپ کو بخشا ہے۔ گھریلو معالج کی حیثیت سے لوگوں کے دکھ درد کا علاج بھی کرتے ہیں۔ ان خوبیوں کے علاوہ انھوں نے شعر و ادب کا رچا بسا ذوق بھی پایا ہے۔ خصوصاً حمد و نعت جیسی تقدیسی اصناف بڑے عمدہ پائے کی ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ غزل' نظم' منقبت اور قطعات وغیرہ بھی بڑی خوش اسلوبی سے کہتے ہیں۔ شاعری میں انھیں درجۂ کمال حاصل ہے' ایسا کہنا ابھی قبل از وقت ہوگا۔ البتہ اس بات سے انکار نہیں کہ ان کی شاعری کا کینوس بے حد وسیع ہے۔ ان کی شاعری میں عصری حسیت کے ساتھ ساتھ زندگی کے سرد و گرم لمحوں کی بازگشت سنی جا سکتی ہے۔ ساتھ ہی وطن کے بٹوارے کا المیہ' صالح اقدار کی شکست و ریخت' فرقہ پرستی جیسے موضوعات کو شعری پیکر عطا کر کے وہ اپنے عصری حسیت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اصلاحِ معاشرہ کی غرض سے بعض جگہ انھوں نے پند و نصائح سے بھی کام لیا ہے۔ اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

تمھیں جو رہنا ہے دنیا میں با اثر ہو کر۔ تو شرط کے کہ رہو تم بھی با ہنر ہو کر

بھیڑیے ہیں ہر جانب سازشوں ک موسم ہے
آج اپنے بھارت میں نفرتوں کا موسم ہے

زندگی تیری ہے پانی کا بلبلہ جیسے
تو سمجھتا نہیں کہ تیری حقیقت کیا ہے

جتن ہزار کیا آئے کچھ تو تبدیلی۔ وہ انقلاب کبھی انقلاب ہو نہ سکا

دیا بجھا کے مرے گھر کا وہ بہت خوش تھا
مگر وہ خود بھی کبھی آفتاب ہو نہ سکا

دیکھا جائے تو آپ کی شاعری میں زندگی کے نشیب و فراز کے سبھی پہلو بخوبی نظر آتے ہیں۔ ''کشتِ سخن'' موصوف کا اولین مجموعۂ کلام ہے جس میں ان کی شعری بصیرت مترشح ہے۔ زندگی اور اس کے بطن سے پھوٹنے والے سارے مسائل کی بازگشت اس میں سنی جا سکتی ہے۔ کربِ ذات کے ساتھ ساتھ کربِ کائنات کی دھڑکنیں بھی اس میں شامل ہیں۔ بعض جگہ انھوں نے اپنے تجربات و مشاہدات کو استعاراتی صورت میں بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ ثقیل لفظوں سے گریز کرتے ہوئے انھوں نے اپنی بات بڑی سلاست او سادگی کے ساتھ کہی ہے۔

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ زیرِ نظر مجموعہ تازہ کاری اور نئی فکری جہات کا ایک ایسا آئینہ خانہ ہے' جس میں حیات و کائنات کے سبھی پہلو عکس ریز ہیں۔

☆☆☆

مجیب اللہ خاں پرواز
PlotNo-9,Indraprasth.Phasr-1
Bhubaneswar-751020

ایک غزل

لے کے ماں کی دعا ہم نگر آ گئے
چھوڑ کر اپنے گاؤں کا گھر آ گئے
یہ ہے یکم جنوری نئے سال کی
تجھ سے ملنے کو ہم بے خبر آ گئے
ذہن میں تھی غضب کی کشش پیار کی
بے خودی میں تری رہ گزر آ گئے
میکدہ آ گئے اٹھ کے در سے ترے
تھا کدھر جانا ہم کو کدھر آ گئے
بیٹھ کر تیری صحبت میں پرواز روز
شاعری کے ہمیں بھی ہنر آ گئے

غـــــــــزلیـــــــات 28

منیر سیفی

RajaBazar.Pillar-49
Samanpura.Malik Lane
V.B.C, Patna-800014
Mob-9835268274



میرے اندر اک سناٹا در آتا ہے
صبح کا بھولا شام کو اپنے گھر آتا ہے
راس نہیں اس کو آیا عصمت کا لحاف
اوڑھ کے جو اک میلی سی چادر آتا ہے
کوشش تو ان کی تھی فاصلہ رکھنے کی
خود ہی میلہ اٹھ کے ہمارے گھر آتا ہے
نیند آنے پر ہر سو لاشیں دکھتی ہیں
مہا کنبھ کا خوابوں میں منظر آتا ہے
اس سے بچی کیا ہوگی جگ کی تصویر
ہنستا ہوا جب لاشوں پر جوکر آتا ہے
جہاں جہاں بھی حادثہ ہوتا ہے سیفی
سیدھا ہر الزام ہمارے سر آتا ہے

رفیع احمد آفتاب

Mohalla Khudanagar
P.O:Motihari
Dist:East Champaran.Bihar



زندگی کا یہ سفر اچھا رہا
ساتھ میرے چاند بھی چلتا رہا
ٹوٹ کر بکھرا پڑا ہے جانے کیا
رات دن جو پاؤں سے لپٹا رہا
اک نئی دنیا کی مجھ کو کھوج تھی
حوصلہ کچھ کم نہ تھا بڑھتا رہا
موسموں کا تذکرہ بے سود ہے
لمحہ لمحہ جو ہمیں چھلتا رہا
چلتے چلتے ایک دن وہ کھو گیا
دائروں سے دائرہ کٹتا رہا
آپ کی محفل میں کیا ہے آفتاب
بس اجالوں کا یہاں چرچا رہا

ڈاکٹر ساجد غازیپوری

UmarAshiyana.At Asi Nagar Colony
Nooruddinpura.Ghazipur-233001(U.P)



تو اگر قوتِ فولاد نہیں رکھ سکتا
پھر زمانہ تجھے آباد نہیں رکھ سکتا
آپ بیتی بھی جب لگنے لگے جگ بیتی
تو فسانہ بھی کوئی یاد نہیں رکھ سکتا
عبادتوں کے لیے کرتے ہیں وضو پہلے
مکان جیسے بے بنیاد نہیں رکھ سکتا
عزم محکم ہو اگر قوتِ پرواز بھی ہو
پھر قفس میں کوئی صیاد نہیں رکھ سکتا
خامیاں وہ مری انگلی پہ گنا سکتا ہے
خوبیاں وہ مری ہمزاد نہیں رکھ سکتا
زندگی یاد میں جس کی ہے گزرتی ساجد
ہے یقیں مجھ کو وہ ناشاد نہیں رکھ سکتا

آفتاب عالم شاہنوری

NearMadinaMasjid
A|Po,Karoshi,Tq.Cghikodi
Dist:Belgaon-591226

آنسوؤں کی بارش میں یاس کی نمائش میں عمر اک گزاری ہے
دیکھ کر یہ کہتے ہیں چیخ کر یہاں سارے اب تمہاری باری ہے
رائگاں ہوئی کوشش بے ثمر ہوئی محنت کس کو یہ بتاؤں میں
تجھ کو پانے کی میں نے جو لگائی تھی بازی آج میں نے ہاری ہے
میں جہاں بھی جاتا ہوں جس طرف بھی جاتا ہوں درد کی صدائیں ہیں
رنگ و بو کی دنیا میں تنہا تنہا جینے میں زندگانی بھاری ہے
کاش یہ سمجھتے ہم وقت سے بہت پہلے دھوکے اور فریبوں کو
بے وفا کی باتوں پر دل کو جو بھروسا تھا یہ خطا ہماری ہے
ساتھ ہیں سبھی میرے اپنے اور پرائے بھی چاہتوں کے سائے بھی
چین کیوں نہیں ملتا قلب مضطرب ہے کیوں کیسی بے قراری ہے
تیر میں کمانوں میں درد کی پناہوں میں زخم کی گھٹاؤں میں
الفتوں کے میداں میں تم نے جو لڑی عالم جنگ اب بھی جاری ہے

اکبر چنوری

KausarNagar KagazNagar
Dist.Asifabad-504296 (TS)

ترا عدو ترے پیروں میں آکے گر جائے
وجود اس کا وہیں خاک پر بکھر جائے
کیا ہے تو نے جو احسان یار اس کے عوض
خدا کرے ترا دامن گلوں سے بھر جائے
نہ کوئی گرد کو پہنچا نہ ان کی پہنچے گا
اگر چہ آدمی یہ چاند پہ اتر جائے
ترا وجود سوائے شرر کے کچھ بھی نہیں
ترے وجود سے جب تک نہ میں اتر جائے
رگوں میں دوڑ رہی ہے شراب وحدت کی
پکارتی ہے خدا کو جدھر جدھر جائے
یہ سر پہ چڑھتے ہی للکارتا ہے باطل کو
یہ وہ نشہ نہیں اکبر کہ جو اتر جائے

بے نام گیلانی

Katrabagh Nai SaraiBiharSharif
Nalanda-803101(BIHAR)

جس طرح سایہ ہو اجالوں پر
بندشیں لگتیں ہیں قوالوں پر
مفتخر ہم ہیں آج بھی لوگو
اپنے قدموں پہ ابھرے چھالوں پر
اس شجر کی طرح ہی ہے مسلم
پھل نہیں ہوں گے جس کی ڈالوں پر
حکم نامہ کا ذکر کیا کرنا
اب تو یلغار ہے قبالوں پر
دیوتا مسجدوں میں رہتے ہیں
یہ تو الزام ہے شوالوں پر
جن کے جذبات مرچکے بے نام
تف ہے ملت کے ان جیالوں پر

ڈاکٹر شیم ہاشمی

AfsanaCottageNearHashmiMasjid
HashmiaColonyHazariBag.825301

گہری نگاہ سامنے جب تک رکھی نہ جائے
آگے کے تجربے کی ڈگر پار کی نہ جائے
چہرے سے غم کی گرد کو دھونے کو دھوتو لوں
اس دل کا کیا علاج جہاں تک خوشی نہ جائے
لفظوں کا جال بن کے کروں بھی تو کیا کروں
مفہوم کی گرہ اگر اس میں کسی نہ جائے
یاد ان کی رہ گئی ہے سہارا مرے لیے
ڈر ہے کہ مجھ کو چھوڑ کے یہ بھی چلی نہ جائے
ماحول کھو گیا ہے تصنع کے دشت میں
اب سادگی کی بات کسی سے کہی نہ جائے
جو چیز اپنی آنکھوں میں جچتی نہیں شیم
بہتر ہے دوسروں کے لیے بھی چنی نہ جائے

ساغر ملارنوی

At/Post:Malarna Doongar
Dist:Sawai Madhopur
Rajasthan-322028



دل و نگہہ کو سدا بے قرار کرتے رہے
تمام عمر ترا انتظار کرتے رہے
شب فراق میں تارے شمار کرتے رہے
یہ آنکھیں غم میں ترے اشکبار کرتے رہے
تمہارے عشق میں کیا کیا نہ یار کرتے رہے
کہ نقدِ جان بھی تم پر نثار کرتے رہے
تری جبیں پہ جو غم کی پڑی شکن جاناں
مٹا کے خود کو تجھے پُر وقار کرتے رہے
ستم کے نرغے میں بھی حوصلہ نہ ہارا کبھی
ستم ہزار وہ ساغر پہ یار کرتے رہے

محمد طفیل احمد حافظ

Sona pally.Ward no33
Dhankunda.Sambalpur.768006

مثلِ سیارہ مدارِ وقت پر چلتا رہا
میں اندھیروں کو مٹانے کے لیے جلتا رہا
شوقِ منزل رہنما تھا حوصلہ زحمتِ سفر
آبلہ پا اک مسافر دھوپ میں چلتا رہا
آبِ خنجر سے ہوئے سیراب اربابِ وفا
ریگ زارِ کربلا تپتا رہا جلتا رہا
موسمِ باراں، خزاں، فصلِ بہاراں جو بھی ہو
نخلِ جاں خونِ جگر سے پھولتا پھلتا رہا
مجھ کو غافل جان کر اس نے اچانک ڈس لیا
آستیں میں میری ساری عمر جو پلتا رہا
سرخ روئی کے لیے حافظ ہمیشہ آدمی
اپنے ارمانوں کے چہرے پر لہو ملتا رہا

علیم الدین علیم

P-69,Mudiyali Road
P.O:Garden Reach
Kolkata-700024(W,B)



اگاتا ہے وہ اپنا عکس پانی پر ہمیشہ
مگر تنقید کرتا ہے روانی پر ہمیشہ
اسے کیا ہوگیا' آواز اس کی بند کیوں ہے
بڑا ہی شور کرتا تھا گرانی پر ہمیشہ
مرے ترکش سے سارے تیر لے کر ایک شاطر
کمر بستہ رہا ایذا رسانی پر ہمیشہ
جھکے گا کس طرح مومن بھلا باطل کے آگے
وہ جھکتا ہے خدا کی مہربانی پر ہمیشہ
جنوں کے معرکے میں ہوگیا ناکام وہ بھی
جسے تھا ناز اپنی کامیابی پر ہمیشہ
بہکتا ہے علیم اس عمر میں انسان اکثر
نظر رکھنا ذرا اس کی جوانی پر ہمیشہ

عزیز بلگامی

No,K-102,1-2,SaleemManzil
1stFloor.1stMain.2ndCross
VenkatgowdaLayout.
Bangalore-560024

اگرچہ درد کی شدت سے لوگ روتے ہیں
ہم اپنے زخم تو آب نمک سے دھوتے ہیں
جنہیں خبر نہیں ، ہے منصب امامت کیا
مقامِ رہبری اقوام کی وہ کھوتے ہیں
نہیں ہے سامنے جن کے پیامِ کشتیِ نوح
سفینے اپنے وہ صحراؤں میں ڈبوتے ہیں
خیال وفکر کے سب منتشر نگینوں کو
خلوص ومہر کے دھاگے میں ہم پروتے ہیں
میں مرشدوں کی جماعت کا ہوں امیر عزیز
مرید میرے فلک پر مقیم ہوتے ہیں

کے۔ انیس اظہر

Vanyambadi
Vellore(TN)

جلائے جتنے امیدوں کے سب چراغ بجھے
قدم قدم پہ جو روشن تھے دل کے داغ بجھے
نہ کوئی دوست نہ دشمن عجیب عالم ہے
وہ زندگی ہی نہیں ہے جہاں دماغ بجھے
عجیب شرط لگائی ہے اب کے اندھوں نے
منائیں جشن جہاں مشعلِ ااغ بجھے
ٹٹولتے ہوئے پہنچے تھے اپنی منزل تک
تلا تحنۂ تکمیل تھی چراغ بجھے
خطا کا اپنی کریں اعتراف اے اظہر
نہ جانے کون سی حالت میں اب چراغ بجھے



محسن باعشن حسرت

170|Keshabchndra
street.Kalkata700009

بعد مدت کے ہوا حاصل یہ اک لمحہ مجھے
آئینے سے بات کرنے کا ملا موقع مجھے
کل تلک جو پوچھتا تھا مجھ سے میری خیریت
آج لیکن اس نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا مجھے
پہلے مشکل سے میں سپنے دیکھتا تھا رات کو
اب تو دن میں بھی نظر آنے لگا سپنا مجھے
"وائرس" کے خوف سے میں گھر میں اپنے قید تھا
بیٹھنا یوں گھر میں لیکن کب لگا اچھا مجھے
وقت اور حالات نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا
اب تو شاید ہی کوئی پہچان پائے گا مجھے

احمد ندیم مورسنڈوی

At|Post-Morsanda
ViaKorha
Dist\Katihar854108(BIHAR)

اپنی دنیا اپنی محفل تم سجانے آئے ہو
چار دن کی زندگی ہے تم تو جانے آئے ہو
اس کی چنگاری تمہارے گھر تلک بھی جائے گی
تم پڑوسی ہو کے میرا گھر جلانے آئے ہو
میں بہت مغموم ہوں، رنجیدہ خاطر ہوں بہت
کس لیے نغمے مسرت کے سنانے آئے ہو
بے خبر ہو اپنی منزل سے ابھی تک رہبرو!
مجھ کو منزل کا پتہ پھر کیوں دکھانے آئے ہو
اب تلک تعبیر تو پائی نہیں ہم نے ندیم
پھر نئے خوابوں کو پلکوں پر سجانے آئے ہو

ڈاکٹر نلنی وبھا نازلی

Govt.PostGraduateCollege
Hamirpur.177005(H.Pardesh)



شہر پر شہر کا گمان نہ تھا
زندگی کا کوئی نشان نہ تھا
جاکے خود کیوں ہوئے اسیرِ قفس؟
کیا اڑانوں کو آسمان نہ تھا
لٹ رہے تھے چمن میں گل بوٹے
کیا گلستاں کا باغباں نہ تھا
شمعِ امید کی تھی لو لرزاں
کوئی طُبھی اس کا پاسبان نہ تھا
پرورش جن کی اپنے خون سے کی
ان کو بھی ہم سے اطمنان نہ تھا
تھی اناتھوں سی نازلی یہ حیات
سر پہ کوئی بھی سائبان نہ تھا



سبطین پروانہ

Dilalpur.P.O:Salmari
Katihar-311558
Bihar

دل کے ارماں روٹھ رہے ہیں
رشتے ناطے ٹوٹ رہے ہیں
جھوٹے وعدے کرکے نیتا
جنتا کو اب لوٹ رہے ہیں
پتھر کے بازار میں دیکھو
کتنے شیشے ٹوٹ رہے ہیں
میں نے کھولی پول جو اس کی
ہاتھ سے طوطے چھوٹ رہے ہیں
شمعِ الفت سے بھی اب تو
پروانے سب روٹھ رہے ہیں

پھول محمد نعمت رضوی

C/O Amjadi Kitab Ghar
Near High School
At/P.O:Sonbarsa.Sitamarhi
Bihar-843330



بھول نہ جانا کبھی کوئی بھی وعدہ کرکے
چھوڑ نہ دینا کبھی نیک ارادہ کرکے
جان کی بازی لگا دیتا ہے سچا عاشق
پیار سے دیکھے کوئی ایک اشارہ کرکے
عشق کہنے لگا جا کر یہ درِ جاناں پر
خود کو برباد کیا تجھ پہ بھروسا کرکے
جان تک اس پہ فدا ہر کوئی کر سکتا ہے
وہ اگر نکلے کبھی چہرے پہ غازہ کرکے
ساتھ میت کے گئے شہرِ خموشاں نعمت
لوٹے اے موت تری یاد کو تازہ کرکے

محبوب اکبر محبوب

1/7A/2,J.K.Ghosh Road
Begachia.Kolkata(W.B)



آج ہر سمت کیوں اجالا ہے
کون دنیا میں آنے والا ہے
رہ کے خاموش سختیاں جھیلیں
عزم جیسے مرا ہمالہ ہے
اس نے دیکھا ہے اب مری جانب
اب مقدر سنورنے والا ہے
ننھے ہونٹوں کو دوں ہنسی کیسے
مفلسی نے تو مار ڈالا ہے
خود کو اللہ کے حوالے کیا
جب بھی گھر سے قدم نکالا ہے
میں تو محبوب ہوگیا اس کا
وہ کہاں میرا ہونے والا ہے

ڈاکٹر مسعود جعفری

HIG3,AnandNagar.Adhartal
Jabalpur-482004(M.P)



تو اپنے پاس ہی رکھ لے تمام حکمت بھی
خدا کے واسطے ہم کو نہ کر نصیحت بھی
تیرا کمال جھلکتا ہے تیرے جملوں میں
مروڑ دیتا ہے تقریر میں حقیقت بھی
تمام ملک میں بے چین ہیں بہت سے لوگ
ہر ایک بات پہ دیتا ہے تو اذیت بھی
سڑک کا آدمی اچھا ہے آج تم سے تو
تمہاری سوچ میں "زیرو" رہی فضیلت بھی
ہزاروں سال کے قصے سنانے لگتا ہے
اٹھا کے رکھی ہے محراب میں شریعت بھی
یہ اور بات کہ مسعود ہے کہاں قائل
تمھیں تو مل گئی شیطان کی حمایت بھی

ڈاکٹر علی عباس امید

Qalamkar House.Bright Colony
Idgah Hills.Bhopal(M.P)



جب کبھی ترکِ غمِ دل کا سوال آتا ہے
ریت پر نام تھا میرا ابھی خیال آتا ہے
موجِ طوفان اٹھی بہہ چکے خوابوں کے صدف
اب برستے ہوئے بادل پہ زوال آتا ہے
جب سمٹ آیا ہے خود جسم ہی پیشانی پہ
کیوں دروِ دل پہ دبے پاؤں ملال آتا ہے
کیا ترا ذہن بھی لمحوں کے سفر میں ہوگا
تیری یادات میں رہ رہ کے خیال آتا ہے
کوئی ایسا بھی ہے جو نقش بہ دیوار نہ ہو
فاصلے کہتے ہیں اک اور بھی سال آتا ہے
گھنٹیاں بجتی ہیں وقت کی مسلسل امید
فاصلے کہتے ہیں اک اور بھی سال آتا ہے

ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمی

HomeoShifaKhana.Rahmat
Colony.Doranda.Ranchi-834002



وصال وہجر نہ رنگ شباب مانگے ہے
غزل کا حسن نئی آب وتاب مانگے ہے
دنوں کا قہر شبوں کا عذاب مانگے ہے
ہمارا عہد صدی کا حساب مانگے ہے
کہوں تو لفظِ تمنا پہ حرف آجائے
نگاہِ دوست جو مجھ سے جواب مانگے ہے
تمنا لیتی ہیں انگڑائیاں ہر اک دل میں
غریبِ شہر بھی محلوں کا خواب مانگے ہے
بھڑک رہی ہے ابھی آگ دل میں نفرت کی
ہر ایک آنکھ محبت کا خواب مانگے ہے
تھکی تھکی سی یہ مئے خانے کی فضا بزمی
پیالہ بھر کے مسلسل شراب مانگے ہے

الیاس ناز

Mangrool Baran
Rjasthan
Mob-9413442190

بندروں کے ہاتھ میں جو استرا دینے لگے
آنکھ کے اندھوں کو وہ ہی آئینہ دینے لگے
دوستوں کو چھوڑ دشمن کو پتہ دینے لگ
غیر کیا اپنے ہی اپنوں کو دغا دینے لگے
کیا زمانہ ہے گنہگاروں کو تمغے مل گئے
بے گناہوں کو مگر حاکم سزا دینے لگے
کس قدر انسان کے حالات بدلے وقت نے
آسرا جن کا نہیں تھا آسرا دینے لگے
ذمہ داری جن کی تھی امن واماں ہو شہر میں
سرد شعلوں کو وہی اکثر ہوا دینے لگے
دے دیئے ان کو بھی ہم دیتا تھا جن کو روزگار
بھک مروں کو ناز داتا کیا سے کیا دینے لگے

اسرار نسیمی

A-102,Knghi Tola.Qila Bareily
U.P-243003(U.P)
Mob-933597763



سمندر سے کبھی چھوٹی ندی دیکھی نہیں جاتی
امیروں سے غریبوں کی خوشی دیکھی نہیں جاتی
تبسم لب پہ جب آیا رُلانے کو چلے آیے
غموں سے میرے ہونٹوں کی خوشی دیکھی نہیں جاتی
ہمیشہ دیکھتا ہے عیب یہ اوروں کے ہی لیکن
کبھی انسان سے اپنی کمی دیکھی نہیں جاتی
نکل آتے ہیں آنسو آنکھ سے فرطِ مسرت میں
مری آنکھوں سے کیوں میری خوشی دیکھی نہیں جاتی
سماعت کو سخن فہموں کی اب اسرار کیا کہیے
ترنم دیکھتے ہیں شاعری دیکھی نہیں جاتی

امجد پرویز

تری خاطر اے جانِ جاں میں نے
کر لیا خود کو رائیگاں میں نے
پہلے ہجرت کی سب پرندوں نے
اور بدلا ہے پھر مکاں میں نے
عشق دریا کہیں رکا سا تھا
اس کو چھو کر کیا رواں میں نے
اک ترے نقشِ پا کے دھوکے میں
سر جھکایا کہاں کہاں میں نے
تیری رفعت بیان ہو کیسے
تجھ کو پایا ہے لا مکاں میں نے
ڈال دی آخرش محبت کی
بہتے دریا میں کشتیاں میں نے
موجِ دریا کے درمیاں امجد
جینا سیکھا ہے مہرباں میں نے

افسانہ

اقبال سلیم
97,Anware Tahera,8thCross
4thMainJHBCSLayout
I.P.Nagar.P.O:Bangalore-560078

پل صراط

جے نگر نواں بلاک سے رحمت نگر تک کا طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد اپنے جنٹلمین قسم کے مسافر سے نوے روپیہ آٹو رکشا کرایہ وصول کر کے رحمت نے ایک طویل انگڑائی لی اور سوچا اس نے صبح صبح ضرور کسی خوش نصیب کا چہرا دیکھا تھا جو پہلے ہی مسافر سے اتنی کمائی ہوگئی۔ اس نے سیٹ پر بیٹھے بیٹھے ہی گردن موڑ کر اسٹال والے کو ایک گرما گرم چائے بھیجنے کا اشارہ کیا۔ چائے پی کر اس نے پٹرول چیک کیا جو تھوڑا سا رہ گیا تھا۔ رات بارش کی وجہ سے اس نے پٹرول نہیں بھروا سکا تھا چنانچہ گاڑی اسٹارٹ کر کے قریب کے پٹرول پمپ پر لے گیا۔ پٹرول بھروانے کے بعد وہ کیشیر کے ہاتھ میں پیسے تھما کر جیسے ہی گاڑی کے قریب پہنچا اس کی نظر پچھلی سیٹ کے نیچے رکھے ہوئے ایک چھوٹے سے سوٹ کیس پر پڑی۔ سوچا......

یہ ضرور اسی مسافر کا ہے۔ اس نے اپنے آپ سے کہا اور چاروں طرف نظر دوڑائی شاید اسے تلاش کرتا ہوا آرہا ہو مگر اسے مایوسی ہوئی۔ اس نے کچھ سوچ کر گاڑی اسٹارٹ کی اسی جگہ لے آیا جہاں مسافر اترا تھا۔ مگر دور دور تک اس کا پتہ نہ تھا۔ وہ بڑبڑانے لگا ''لیلیٰ کے خیال میں مجنوں میاں کو ہوش ہی کہاں تھا کہ پلٹ کر دیکھ لیں کہ کچھ چھوٹا تو نہیں۔

کافی دیر انتظار کرنے کے بعد اس نے بہتر سمجھا کہ سوٹ کیس قریبی تھانے میں پہنچا دے، جو بھی ہوگا پولس نمٹ لے گی۔ میرا کام تو ختم ہو جائے گا۔

رحمت ان لوگوں میں سے نہیں تھا جنکا دل مفت کا مال پا کر بلیوں اچھل پڑتا ہے۔ اگرچہ اس نے اپنے بی اے فیل دوست شعراں (اشعار) کہنے کی لت تھیبار ہا قول سناتا تھا کہ ''مفت کی شراب قاضی کے یہاں حلال ہے''۔ اس سے پہلے ہی ایک بار ایسا ہوا تھا کہ ایک بوڑھا جوڑا اس کی گاڑی میں ایک بنڈل بھول گیا تھا جس میں بینک پاس بک اور پانچ قیمتی نئی ساڑیاں تھیں، ان کی باتوں سے اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلے میں شاپنگ کر کے لوٹے ہیں۔ اس نے وہ بنڈل تھانے پہنچانے کے بجائے پاس بک میں درج ان کے پتے کی بنا پر ان کے گھر پہنچ کر بنڈل ان کے حوالے کر کے ان کی خوب دعائیں لی تھی اور اس طرح خوش ہوا تھا جیسے وہ بنڈل اس بوڑھے جوڑے کا نہیں اپنے ماں باپ کا تھا۔

رحمت کو آٹو چلاتے ہوئے دو برس ہو رہے تھے۔ اس دوران اس نے کبھی پیسوں کا لالچ نہیں کیا تھا۔ گاڑی کا میٹر بگاڑ کر مسافروں سے افزود کرایہ اینٹھنا طویل مسافت والے مسافروں کو کم مسافت والے مسافروں پر ترجیح دینا اسے سخت ناپسند تھی۔ اس سلسلے میں اسے ہم پیشہ دوستوں سے طعنے بھی سننے کو ملے تھے۔ مگر اس نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی تھی۔ چنانچہ تھانے کی طرف جاتے ہوئے اچانک رحمت کو خیال آیا، کیوں نہ وہ سوٹ کیس کھول کر دیکھ لے، شاید اس کے اندر سے اس کے مالک کا اتا پتہ مل جائے۔ سوٹ کیا پولس کے حوالے کر کے وہ کھیل کو طول دینا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے پہلے کی طرح اسے خود اس کے مالک کے حوالے کرنا مناسب لگا۔ کون جانے اس میں روپیہ ہو یا زیور ہو یا سرکاری اہم کاغذات ہوں جن کی گم شدگی اسے حوالات کے پیچھے کر دے۔

یہ خیال آتے ہی اس نے ایک جگہ گاڑی روکی اور پلٹ کر سوٹ کیس اٹھایا اور اپنے پہلو میں رکھ کر اسے ٹٹولا۔ سوٹ کیس مقفل نہیں تھا۔ اس کے کھلتے ہی رحمت کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، دل دھڑکنے لگا وہ سوٹ کیس سو سو روپیہ کی بے شمار گڈیوں سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ دوئی اور چیز نہیں تھی۔ اس نے جھٹ سوٹ کیس بند کر دیا اور انکھیوں سے ادھر ادھر نظر ڈالی کہ کہیں کوئی اسے دیکھ نہ لیا ہو مگر سڑک سنسان تھی۔ اس نے سوٹ کیس اپنے پیروں کے قریب رکھ کر سوچا کہ ''اسے یہ سوٹ کیس جلد ہی پولس کے حوالے کر دینا چاہیے''۔ اس کا مالک یقیناً اب تک پولس میں رپورٹ درج کرا چکا ہوگا، وہ چاہے کتنا ہی دولت مند کیوں نہ ہو اتنی بڑی رقم گنوا کر پریشان ضرور ہوگا۔ یہ خیال آتے ہی اس نے آستین سے چہرے کا پسینہ پونچھا...... مگر...... ایکسلیٹر پر ہاتھ رکھے ہی رکھے ایک خیال بجلی کی سرعت سے اس کے ذہن سے ٹکرایا، کیوں نہ یہ رقم وہ خود رکھ لے۔ وہ خود بھی کچھ کم پریشان نہیں ہے۔ اس کے سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔ اس روپیہ سے وہ سلطان پالیہ میں چھوٹے سے سائیٹ پر گھر بنوا سکتا ہے۔ کیوں کہ وہ شیواجی نگر کے پنشن محلہ کے ایک جیل کی کوٹھری نما مکان میں اپنے خاندان کے ساتھ رہتے ہوئے تنگ آچکا تھا۔ اس کے علاوہ اس روپیہ سے وہ اپنی بہن رابعہ کی شادی بھی کر سکے گا جو جوڑے کے دس ہزار روپے کے مطالبے پر رکی ہوئی ہے۔ اور ان پیسوں سے وہ اپنی شادی کا خیال آتے ہی اس کے اندر گدگدی ہونے لگی۔ اس کی نگاہوں اور خالہ زاد بہن مبین تاج کا چہرا رقص کرنے لگا۔ ساتھ ہی اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں...... اب میں جوان ہو گیا ہوں، میری داڑھی مونچھیں نکلنے لگیں ہیں۔ اب کے مولود کے مہینے میں وہ بائیس برس کا ہو جائے گا۔ وہ اپنے چہرے پر ہاتھ

پھیر کر مسکرایا اور گاڑی اسٹارٹ کردی۔ اب وہ اپنے گھر کی طرف جارہا تھا لیکن اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا دل کوئی اندر ہی اندر مسل رہا ہو۔ اسے اپنی گاڑی کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا، ایک جگہ وہ سائیکل سوار سے ٹکرانے سے بچا تو ایک درخت کے نیچے گاڑی روک دی اور سیٹ کے پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔ اس کے اندر جنگ ہو رہی تھی، عقل اور دل کی جنگ۔ عقل کہتی تھی کہ قسمت سے اتنا روپیہ ملا ہے تو اس سے بھرپور فائدہ اٹھاؤ۔ اس نے چوری تو نہیں کی ہے، روپیہ تو اپنے آپ اس کے پاس آیا ہے۔ اسے اپنے بی اے فیل دوست کا فتویٰ یاد آنے لگا "پرائی مرغی اپنے آپ گھر آئے تو قاضی یہاں حلال ہے، اور پھر کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوگی۔ وارے نیارے ہو جائیں گے........ مگر دل کہتا ہے فرض کرو سوٹ کیس تمہارا ہوتا اور کسی کے ہاتھ لگتا تو.... تب!

رحمت نے جھنجھلا کے اپنے سر کو ٹھوکا دیا....... الو کا پٹھا.... اونہ میاں رحمت تم کہاں تک خود کو دھوکہ دو گے۔ گناہ آخر گناہ ہے۔ کوئلے پر سونے کا ملمع چڑھانے سے وہ سونا نہیں ہو جاتا۔ میں بھی کیا الٹی سیدھی سوچنے لگا ہوں، دھت تیری کی......

اس نے گاڑی بیک کر کے پھر تھانے کی طرف موڑ دی۔ دل نے جنگ جیت لی۔

تھانے پہنچ کر اس نے سوٹ کیس تھانے دار کی میز پر رکھ دیا، سلام صاحب! اسے کوئی مسافر میری گاڑی میں بھول گیا ہے۔

اس نے محسوس کیا کہ ابھی کچھ دیر قبل اس کے سینے پر کوئی پتھر تھا جو یہاں آتے آتے لڑھک گیا ہے۔ وہ خود کو بالکل ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ انسپکٹر نے ایک نظر سوٹ کیس پر ڈالی اور پوچھا "کیا یہ مقفل نہیں ہے؟"

نہیں....... اسی لیے میں نے اسے کھول کر دیکھا تھا۔ شاید اس کے اندر اس کے مالک کا اتا پتا مل جائے، اس میں تو صرف نوٹ ہیں۔ انسپکٹر نے پہلے تو بغور سوٹ کیس کو دیکھا پھر اسے کھول کر نوٹوں کی گڈیاں گن ڈالیں اور بڑبڑایا "پانچ لاکھ!" پھر اس نے ماتحتوں کو آواز دی۔ سب مل کر سوٹ کیس اور نوٹوں کی جانچ پڑتال میں لگ گئے۔ اس سے فارغ ہو کر انسپکٹر اس کے قریب آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا "تمہارا نام ؟"

رحمت.... محمد رحمت اللہ۔

تم نے اس مسافر کو کہاں سے لیا تھا؟

جے نگر نواں بلاک کے قریب وہ گاڑی میں سوار ہوا اور رحمت نگر اتر گیا تھا جب کہ اس نے پہلے بلاری روڈ چلنے کو کہا تھا۔

تم نے دیکھا نہیں کہ وہ سوٹ کیس گاڑی میں چھوڑے جا رہا ہے؟

نہیں..... سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر پیروں کے قریب رکھا ہوا تھا، اس پر میری نظر نہیں پڑی۔ کچھ دیر بعد پٹرول پمپ پر گاڑی میں پٹرول بھروا کر لوٹتے وقت میں نے اسے دیکھا تھا۔

کیا تم اس مسافر کا حلیہ بتا سکتے ہو؟

جی ہاں.... چالیس پینتالیس برس کا سیاہ رنگ کا مضبوط جسم کا آدمی تھا چہرے پر چھوٹی سی سیاہ داڑھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی۔ کالی پینٹ اور نیلا شرٹ پہنے ہوئے تھا۔

تم نے اس میں کوئی خاص بات دیکھی تھی؟

"وہ بار بار گاڑی تیز چلانے کو کہتا تھا اور پیچھے مڑ کر بھی دیکھتا تھا۔ ہاں۔ وہ مُمل اور کنڑی بولتا تھا"۔

انسپکٹر نے ایک طویل سانس لی اور رحمت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ مسٹر رحمت! میں تمہاری ایمانداری اور فرض شناسی کی قدر کرتا ہوں۔ مجھے حیرت ہے اور حیرت سے زیادہ خوشی ہے کہ تم نے سوٹ کیس میں اتنی بڑی رقم کا علم ہونے کے باوجود اپنے ضمیر کی آواز پر فیصلہ کیا۔ بلاشبہ تم اس وقت ایک تنگ اور نازک پل سے گزر آئے ہو۔ اگر تمہارے قدم ذرا بھی ڈگمگا جاتے تو کیا ہوتا.........

یہ دولت تمہیں محل تک نہیں بلکہ ایک تنگ و تاریک چار دیواری میں پہنچا دیتی جو جیل کی کوٹھری کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی تھی، تمہیں دس برس کی سزا ضرور ہوتی۔ اس طرح تمہاری زندگی برباد ہو جاتی۔ تم نے بلند کرداری اور فرض شناسی کی بہترین مثال قائم کی ہے۔ تم جیسے نوجوان اگر ہزار میں ایک ہی ہو تو ہمارے ملک اور معاشرے کی قسمت بدل جائے۔ اس سوٹ کیس میں رکھے ہوئے پانچ لاکھ کے نوٹ جعلی ہیں تمہارے آٹو رکشا میں سفر کرنے والا مسافر نقلی نوٹوں کا دھندا کرنے والی ٹولی کا آدمی تھا، خطرے کی بو سونگھ کر وہ سوٹ کیس گاڑی میں چھوڑ کر اتر گیا تھا۔

رحمت سر سے پاؤں تک کانپ گیا مگر فوراً سنبھلا اور لاپرواہی سے کندھے جھٹکے، بولا! صاحب میرا کام تو بس یہ سوٹ کیس آپ تک پہنچانا تھا۔ نوٹ اصلی ہوں یا نقلی مجھے اس سے کیا سروکار۔

انسپکٹر خوش ہو کر اس کی پیٹھ تھپکی اور گرم جوشی سے مصافحہ کر کے ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اس کی طرف بڑھایا اور بولا، یہ تمہاری ایمانداری کی سرٹیفکیٹ ہے

رحمت انسپکٹر کو سلام کر کے اپنی گاڑی میں آ بیٹھا تو پسینے میں شرابور تھا۔ اس کے کانوں میں انسپکٹر کے الفاظ گونج رہے تھے۔ "بلاشبہ تم ایک تنگ اور نازک پل پر سے گزر آئے ہو۔ اگر تمہارے قدم ذرا بھی ڈگمگاتے تو جانتے ہو کیا ہوتا؟....

یہ دولت تمہیں محل نہیں ایک تنگ و تاریک چاردیواری میں ڈال دیتی جو جیل کی کوٹھری کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی۔ تو یہ پل........ رحمت نے اسٹارٹر پر ہاتھ رکھے ہی رکھے سوچا کہ آخر وہ کون سا پل تھا؟ یقیناً وہ پل صراط تھا جس کا ذکر ایک دن جمعہ کے خطبے کے دوران ہمارے امام صاحب نے کیا تھا کہ نیک بندے اس پل صراط سے صاف گزر جاتے ہیں اور جو گنہگار ہیں اس پر سے جہنم کی آگ میں گر جاتے ہیں

رحمت اپنے بش شرٹ کی آستین سے چہرے کے پسینے کو صاف کرتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☆☆☆

افسانہ

محمد طارق
InamdarHouse.Kohlapur
Via,Bhatkon
Dist:Amravati-444802(M.S)
Mob-8055503366

بچّا

وہ اسپتال کے Pedriatic Intensive Care Unit کے باہر کھڑا دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ دروازہ کانچ کا تھا، جس پر گلاب کے پھول اور پھولوں کے درمیان دو ننھے بچوں کے مسکراتے ہوئے چہرے بنے ہوئے تھے' پھول کی طرح کھلے کھلے چہرے...... چہروں کے اوپر کانچ کا گول حصہ شفاف تھا جس میں سے اندر جھانکا جاسکتا ہے۔

وہ شفاف کانچ سے اندر جھانک رہا تھا۔ اندر اس کا بیٹا تھا جسے دنیا میں آیے ابھی صرف آٹھ دن ہوئے تھے۔

آٹھ روز پہلے جب اس کی بیوی کو درد زہ شروع ہوا تھا تب وہ اسے فوراً اسپتال لے آیا تھا۔ لیڈی ڈاکٹر نے اسے ایڈمٹ کرنے میں کوتاہی نہیں کی تھی۔ کیونکہ وہ اسی کی مریضہ تھی، جب اسے دو ماہ کا حمل تھا تب سے وہ اپنی بیوی کو اسی لیڈی ڈاکٹر کے پاس بلاناغہ ہر ماہ

چیک اپ کے لئے لاتا رہا تھا۔ وہ مطمئن تھا کہ لیڈی ڈاکٹر کی اس نے کافی تعریف سنی تھی۔

ابھی اس کی بیوی کو اسپتال میں ایڈمٹ ہوئے تین گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے کہ لیڈی ڈاکٹر اس کے پاس آئی اور بولی "تمہاری بیوی کو زیادہ درد نہیں ہو رہا ہے۔ آپریشن کرنا ہوگا اور تیس ہزار روپے خرچ آئے گا اور دوائیاں الگ سے۔

یہ سنتے ہی اس کے پیروں تلے کی زمین کھسکنے لگی۔ اس نے التجا آمیز لہجے میں کہا ،ڈاکٹرنی صاحب...... میں بہت غریب آدمی ہوں۔

غریب ہو تو سرکاری اسپتال لے جانا تھا۔ لیڈی ڈاکٹر کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

آپ کی میں نے بہت تعریف سنی تھی، اس لئے جیسے ہی میری بیوی کا حاملہ ہونے کا پتہ چلا میں آپ ہی کے پاس لا تا رہا ہوں۔

ارے بھیا تمہاری بات برابر ہے مگر یہ سرکاری اسپتال نہیں ہے۔ بیوی کی زندگی چاہتے تو آپریشن کرانا ہوگا کیوں کہ اسے درد بالکل نہیں ہو رہا ہے۔ لیڈی ڈاکٹر نے اسے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی۔

ڈاکٹرنی صاحبہ! اسے درد آرہا ہوگا مگر اسے درد سہنے کی عادت پڑ چکی ہے۔ زمانے سے وہ درد سہتی آرہی ہے، بیٹی ہونے کا درد، بہن بننے کا درد، سماج میں بے حیثیت ہونے کا درد اور اب ماں بننے کا درد، وہ درد کا کبھی اظہار نہیں کرتی، اس میں بہت سہن شکتی ہے۔ اسے درد ہو رہا ہوگا، آپ یقین کیجئے، آپ بھی عورت ہیں، دیکھنا اسے بغیر آپریشن کے ہی بچہ ہوگا، آپ تھوڑا انتظار تو کیجئے۔

میں انتظار نہیں کرسکتی۔ اندر بچہ کمزور ہے، بچے کی جان جاسکتی ہے یا ماں کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے، آپریشن کرنا ہوگا۔ لیڈی ڈاکٹر نے اسے جھڑ دیا

نہیں ڈاکٹرنی صاحبہ! اور تھوڑا انتظار کرلیجئے۔ میں جانتا ہوں میری بیوی کیسی ہے اسے درد سہنے کی بہت شکتی ہے۔ جب جب اسے بخار آتا یا ہاتھ، پاؤں، کمر میں درد ہوا وہ کسی سے کچھ نہیں کہتی تھی، گھر کا سارا کام کاج خاموشی سے کرتی رہی تھی۔

کیسے آدمی ہو تم ! میں کیا کہہ رہی ہوں اور تم کیا کیا بک بک کئے جا رہے ہو۔ لیڈی ڈاکٹر نے اسے ڈانٹا۔ اسی وقت ایک نرس دوڑی دوڑی آئی اور اس کی طرف اشارہ کرکے بولی۔ "میڈم ان کی پتنی کی ڈلیوری ہوگئی ہے"۔

جواب میں لیڈی ڈاکٹر نے تیوری چڑھا کر اس کی طرف دیکھا نرس سہم گئی۔ مگر اس خبر سے اس کی باچھیں کھل گئیں۔

میڈم! (نرس کی زبانی میڈم سن کر وہ بھی میڈم کہہ کر مخاطب کیا) میں نے کہا تھا کہ میری پتنی کو درد سہنے کی عادت ہے۔ اس نے ماں بننے کے درد کو بھی ظاہر نہیں کیا۔ لڑکا ہوا یا لڑکی پوچھنے کے لئے نرس کی طرف مڑا مگر نرس جا چکی تھی۔ وہ لیڈی ڈاکٹر کی طرف مخاطب ہوا! میڈم مجھے بتایئے گا میری پتنی کو کیا ہوا لڑکی یا لڑکا۔ جواب میں لیڈی ڈاکٹر نے "ہوں" کہا اور چلی گئی۔

دو ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ وہ واپس آئی اور کہا" بھگوان کی کرپا سے تو تمہاری پتنی کی ڈلیوری نارمل ہوئی لڑکا ہوا ہے مگر بہت کمزور ہے، پیدا ہونے کے بعد وہ بالکل نہیں رویا ہے۔

تو کیا ہوا...... زندگی بھر تو اسے میری طرح رونا ہی ہے۔

وہ رونا الگ ہے اور بچہ کا پیدا ہوتے ہی رونا الگ بات ہے۔ نہ روئے تو خطرے کی بات ہے۔ لیڈی ڈاکٹر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

عجیب بات ہے میڈم کہ انسان کا پیدا ہوتے ہی نہ رونا خطرے کی بات بن جاتی ہے اور اس کا زندگی بھر کا رونا کسی کے لئے خطرے کی بات نہیں بنتی؟

تمہاری اس طرح کی بکواس کو سننے کے لئے میرے پاس وقت نہیں۔لیڈی ڈاکٹر چڑ کر کہنے لگی۔بچہ بہت کمزور ہے اس کی زندگی خطرے میں ہے اسے فوراً آئی سی یو میں ایڈمٹ کرنا ہوگا۔میرے اسپتال میں آئی سی یو نہیں ہے.........

جلدی بتاؤ۔لیڈی ڈاکٹر نے اسے اس انداز میں کہا کہ وہ گھبرا گیا۔

کس اسپتال میں آئی سی یو ہے؟ میرے بیٹے کو کہاں ایڈمٹ کروں۔اس کے لہجے میں لرزش آگئی تھی۔

ٹھہرو! میں بات کرتی ہوں، کہہ کر اپنے کیبن میں چلی گئی۔

وہ خوف زدہ سا بنچ میں بیٹھ گیا۔سر جھکائے ماتھے پر ہاتھ رکھے۔کیبن میں لیڈی ڈاکٹر کے کان سے موبائل فون لگا تھا۔

ہیلو!......پی آئی سی یو کا کیس بھیج رہی ہوں، ڈلیوری نارمل ہوئی ہے۔بچہ بھی تندرست ہے مگر اسے آٹھ دس روز رو کے رکھنا۔

"پارٹی کیسی ہے" دوسری طرف سے پوچھا گیا

پارٹی تو خود کو غریب کہہ رہی ہے، ہر کوئی میرے پاس آتا ہے تو پہلے خود کو غریب ہی بتاتا ہے، جیسے دیش کے سارے غریبوں کے لئے ہی میں نے اسپتال کھولا ہے۔لیڈی ڈاکٹر کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"پھر بھی کتنا دم ہے" دوسری طرف سے منجھے ہوئے بیوپاری کی طرح پوچھا گیا۔

بس انگلی ٹیڑھی کرنے پر خود ہی پتہ لگ جائے گا۔

ٹھیک ہے بھیج دو، مجھے ٹیڑھی انگلی سے گھی نکالنا آتا ہے۔

میرا کمیشن دینا مت بھولنا، میں نارمل ڈلیوری کے زیادہ پیسے نہیں لیتی"۔

ٹھیک ہے ادھر سے اطمینان ہوتے ہی لیڈی ڈاکٹر نے موبائل کان سے ہٹایا اور فاتحانہ انداز سے کیبن سے باہر آئی۔

اسے دیکھ کر وہ بنچ سے کھڑا ہو گیا۔لیڈی ڈاکٹر اس کے پاس آ کر بولی، میں نے پی آئی سی یو اسپتال سے بات کر لی ہے۔بہت مشکل سے وہاں کا ڈاکٹر راضی ہوا ہے۔

اس نے بیتابی سے پوچھا اسپتال کا نام اور پتہ؟

لیڈی ڈاکٹر نے اسپتال کا نام اور پتہ بتایا۔وہ سنتے ہی بڑی عجلت میں اسپتال کے گیٹ سے نکلا اور ایک آٹو رکشا لے کر آیا۔جب نرس نے لحاف میں لپٹا اس کا نوزائیدہ بچہ اسے سونپا تو اس کی باہوں میں آتے ہی بچہ رونے لگا اور وہ خوشی سے تقریباً چیخ اٹھا۔میڈم دیکھو میرا بیٹا رو رہا ہے.........میرا بیٹا رو رہا ہے۔

اس کی آواز سن کر میڈم اپنے کیبن سے نکل آئی اور اس کی مسرت کو یہ کہہ کے خوف میں بدل دیا کہ "بچے کے دل کی دھڑکن برابر نہیں چل رہی ہے اسے ہارٹ پرابلم ہے جلدی کرو.........جاؤ جلدی.........فوراً۔

وہ خوف زدہ اور گھبرایا اپنے بیٹے کو سینے سے لگائے آٹو رکشا میں بیٹھ گیا۔

بھائی! ذرا جلدی چلو.........میرے بیٹے کو ہارٹ کا پرابلم ہے۔

لرزتے لہجے میں وہ آٹو والے سے بولا۔

دوسرے ہی پل آٹو سڑک پر فراٹے بھرنے لگا اور مطلوبہ اسپتال پہنچ گیا۔اپنے بیٹے کو سینے سے لگائے وہ آٹو سے اتر کر اسپتال کی سیڑھیاں چڑھا ویٹنگ روم میں پہنچا جہاں ایک نرس بیٹھی آنے والے مریضوں کے کارڈ بنا رہی تھی۔وہ سیدھا اس نرس کے پاس جا کر کہا، میڈم مجھے فلاں اسپتال سے بھیجا گیا ہے، میرا بیٹا سیریس ہے۔

نرس فوراً ڈاکٹر کے کیبن میں گئی اور دوسرے پل باہر آ کر اسے اندر جانے کا اشارہ کیا اور وہ بچہ لئے کیبن میں گیا۔ڈاکٹر نے اسٹیتھوسکوپ سے بچے کی جانچ کرنے کے بعد کہا" بچے کے دل کی دھڑکن برابر نہیں ہے۔اسے ہارٹ پرابلم ہے۔پی آئی سی یو میں رکھنا ہوگا۔

جی صاحب! اوپر بھگوان ہے اور نیچے آپ ہیں، بس میرے بیٹے کو بچا لیجئے وہ گڑگڑایا۔ڈاکٹر نے سر ہلاتے ہوئے "ہوں" کہا۔ٹھیک ہے کاؤنٹر پر دس ہزار روپے جمع کرا دو۔

"دس ہزار روپے" اس کی آنکھیں پھٹ گئیں، پیشانی پر شکنوں کا جال تن گیا

ہاں......ہاں......دس ہزار روپے ڈاکٹر بھوئیں سکوڑ کر بولا۔

"میرے پاس ابھی اتنے پیسے نہیں ہیں"

پیسے نہیں تو بچہ لے جاؤ، یہاں علاج کے لئے پیسے لگتے ہیں۔

ڈاکٹر کے پاس تھوڑی بھی ہمدردی نہیں تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔وہ ہاتھ جوڑ کر کپکپاتی آواز میں ڈاکٹر سے کہنے لگا "ڈاکٹر صاحب! میرے پاس ابھی صرف پانچ ہزار روپے ہیں۔مجھے آج دن کی مہلت دیجئے میں کل پانچ ہزار روپے جمع کرا دوں گا۔

ڈاکٹر نے جواب دیا "ٹھیک ہے"۔

ڈاکٹر نے ٹیبل پر رکھی گھنٹی بجائی، نرس آئی تو ڈاکٹر مخاطب ہوا، ان کے بچے کا کارڈ بنا کر بچے کو پی آئی سی یو میں لے جاؤ۔وہ ڈاکٹر کو تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا تو اس سے ڈاکٹر بولا "تم آج پانچ ہزار روپے اور کل پانچ ہزار روپے جمع کرا دینا۔پی آئی سی یو کا چارج پانچ ہزار روپے روز ہے.........سمجھے۔وہ لاچار انسان کی طرح سر ہلا کر رہ گیا۔

نرس نے ڈاکٹر کے حکم کی تعمیل کی، کارڈ بنا کر اسے تھمایا اور اس کے بیٹے کو لے کر کیبن سے نکلی۔وہ بھی اس کے پیچھے چلا۔نرس پی آئی سی یو کا دروازہ کھول کر جیسے ہی اندر گئی تو وہ بھی اس کے ساتھ جانے لگا۔نرس نے سے ڈانٹ دیا۔

ارے تم.........اندر نہیں آنا، یہ پی آئی سی یو ہے یہاں اندر صرف بچے کی ماں ہی آ سکتی ہے۔تم باہر رہو.........دیکھنا ہے تو دروازے کے کانچ سے باہر رہ کر دیکھو

ٹھیک ہے بہن جی۔وہ دروازے کے باہر کھڑا اشفاف گول کانچ سے

اندر جھانکنے لگا۔نرس نے اس کے بیٹے کو سفید چادر والے بستر پر لٹا دیا، اور باہر آئی اسے دروازے سے باہر کھڑا دیکھ کر تلخ لہجے میں بولی"تم ابھی تک یہاں کھڑے ہو ۔جاؤ......کاؤنٹر پر جا کر اپنا نام اور پتہ، اور کس اسپتال میں پتنی کی ڈیلیوری ہوئی ۔یہ سب لکھوا کر پیسے جمع کردو۔یہاں کا قاعدہ ہے پیسے جمع کرنے سے پہلے بچے کو پی، آئی، سی، یو میں نہیں رکھا جاتا ہے۔

اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔مجرم کی طرح سر جھکا کر کاؤنٹر پر گیا اور اپنے نام و پتہ کے ساتھ اس اسپتال کا نام درج کروایا جہاں اس کی پتنی کی ڈیلیوری ہوئی تھی اور لیڈی ڈاکٹر کا نام لکھا کر پانچ ہزار روپے جمع کرائے اور باقی کے پانچ ہزار کل جمع کرنے وعدہ کر کے واپس آ گیا۔

بیٹے کی پیدائش کی خوشی بیٹے کی زندگی کے لئے پیسے جمع کرنے کی فکر کھا گئی تھی ۔وہ پریشان اپنے دوستوں کے پاس گیا مگر اس کے دوست مالدار نہیں تھے، کیونکہ غریب کے دوست مالدار نہیں ہوتے۔پھر بھی کئی دوستوں نے مل ملا کر اسے دس ہزار روپے بطور قرض دے ئے ۔اس کے بعد اپنا چار ایکڑ کھیت چالیس ہزار روپے میں ایک مہاجن کے پاس ایک سال کے لئے گروی رکھ دی ۔پچاس ہزار روپے جیب میں آتے ہی اس پر چھائی لاچاری، بے بسی اور مایوسی ختم ہو گئی۔

پیسہ......جذبات و احساسات کو بھی کیسا کنٹرول کر لیتا ہے۔جیسے پیسہ انسان کے لئے ایک ٹانک......ایک پاور......خدا کی بنائی ہوئی دنیا کا حاکم۔ شاید اس لئے کہ دنیا بازار بن چکی ہے، ہر رشتہ، ہر جذبہ خرید و فروخت کی چیزیں ہو چکی ہیں.........ہر کام ایک تجارت!۔

وہ بازار بنی دنیا میں پچاس ہزار روپے جیب میں رکھ کر سر اٹھائے ایک باحیثیت شخص کی طرح اس اسپتال میں پہنچا جہاں اس کی بیوی ایڈمٹ تھی، وہ لیڈی ڈاکٹر سے ملا اور کہا؛ میڈم ڈاکٹر صاحب نے میرے بیٹے کو ایڈمٹ کر لیا ہے مگر پی، آئی، سی، یو میں ماں کے سوا کسی کو رہنے کی اجازت نہیں ہے اس لئے......

ہاں ہاں! میں سمجھ گئی کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔لیڈی ڈاکٹر اس کی بات کاٹ کر بولی۔تمہاری پتنی ابھی کمزور ہے، آج ہی اس کی ڈیلیوری ہوئی ہے۔ میں اسے پرسوں چھٹی دے دوں گی۔

ٹھیک ہے............اس نے اطمینان کی سانس لی اور اپنی بیوی سے ملا اور اسے بچے کے بارے میں بتایا۔

بیوی رونے لگی تو اسے دلاسہ دیا اور کہا فکر کی کوئی بات نہیں اپنا بیٹا اچھا ہے، تھوڑا کمزور تھا اس لئے ڈاکٹر نی نے پی، آئی، سی، یو، میں رکھنے کے لئے کہا تھا پرسوں تمہاری چھٹی ہو جائے گی تم خود چل کے دیکھ لینا۔

"سچ کہہ رہے ہو" بیوی کی پلکوں سے آنسوؤں کے موتی ٹوٹنے لگے

ہاں!" بھگوان کی قسم"

بیوی اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا کر بولی" بھگوان کے بعد میں تم پر ہی بھروسہ کرتی ہوں۔

اس نے محبت سے بیوی کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے اطمینان دلایا اور پھر وہاں سے نکل کر اس اسپتال میں آیا جہاں اس کا بیٹا ایڈمٹ تھا۔دو روز تک وہ دونوں اسپتالوں کے چکر لگاتا رہا۔تیسرے دن اس کی بیوی کو چھٹی مل گئی مگر چھٹی دینے سے پہلے لیڈی ڈاکٹر اس سے نارمل ڈیلیوری کے بابت سترہ ہزار روپے وصول کرنا چاہی۔اس نے بہت منت سماجت کی تو پندرہ ہزار پر راضی ہوئی۔

وہ روپے ادا کر کے اپنی بیوی کو بچے کے پاس لے آیا۔

اسپتال پہنچتے ہی اس کی بیوی نرس کے ہمراہ پی، آئی، سی، یو میں گئی۔

وہ کانچ کے گیٹ سے اندر جھانکنے لگا تب ہی ایک نرس اس کے پاس آ کر بولی۔

اے بھیا! وہاں بینچ پر بیٹھو، رش مت کرو۔

وہ بولا، رش کہاں میں تو اکیلا ہوں۔

تم اکیلے ہو تو کیا ہوا اور بھی لوگ آ کر کھڑے ہوں گے.......تمہاری پتنی تو اندر گئی ہے، اب تم وہاں بینچ پر بیٹھ جاؤ......نرس کے لہجے میں ترشی تھی۔

وہ اور کچھ نہ بول کر چپ چاپ بینچ پر بیٹھ گیا۔

اس کی نظریں پی، آئی، سی، یو کے دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور نرس کے ساتھ اس کی بیوی بھی باہر آئی۔بیوی کا چہرا کھلا ہوا تھا۔ بیوی کا پر مسرت چہرا دیکھ کر وہ نرس کے لہجے کی کڑواہٹ بھول گیا۔بیوی کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔بیوی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور بولی" اپنا بچہ تو بہت اچھا ہے مجھ سے چٹ کر ایسا دودھ پیا جیسے بہت بھوکا ہو، چلو ڈاکٹر سے کہہ کر چھٹی لے لیں۔

اس نے کہا، چلو.....اور وہ دونوں ڈاکٹر کے کیبن میں گئے۔

ڈاکٹر صاحب!.....یہ میری پتنی ہے، ابھی پی، آئی، سی، یو میں گئی تھی اس نے بچے کو دیکھا.......بچہ اچھا ہے آپ سے چھٹی دے دیجئے۔

کیا کہا چھٹی!....ڈاکٹر کے تیور بدل گئے ....میں ابھی چھٹی نہیں دے سکتا، بچہ اچھا اس لئے لگ رہا ہے کہ اس کا علاج چل رہا ہے۔تمہیں پتہ نہیں کہ یہ ہارٹ کا پرابلم کیا ہے، بچے کی جان کو خطرہ ہے۔

یہ ہارٹ کا پرابلم کب دور ہوگا؟

"کہہ نہیں سکتا پھر بھی چار پانچ دن تو لگ جائیں گے۔"

اس نے حساب لگایا ادھر چار پانچ روز اور ادھر تین روز کل آٹھ روز ہوئے یعنی روزانہ پانچ ہزار کے حساب سے چالیس ہزار ہوئے۔دس ہزار تو وہ پہلے جمع کر چکا ہے۔اور اب میری جیب میں تیس ہزار روپے ہیں۔دل ہی دل میں حساب کرنے کے بعد اس نے ڈاکٹر سے کہا! ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب۔اور اپنی بیوی کے ساتھ باہر نکل گیا آج اس کے بیٹے کو پی، آئی، سی، یو میں رکھے آٹھ روز ہو چکے تھے۔دونوں میاں بیوی

ڈاکٹر صاحب سے بڑی عاجزی سے مخاطب ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب بیٹے کو پی آئی سی یو میں رکھے آٹھ روز ہو گئے ہیں۔ روز میری پتنی دن میں تین بار اسے دودھ پلا کر جاتی ہے، وہ اچھا ہے، ہاتھ پاؤں مارتا ہے، ہلکاریاں مارتا ہے۔ اسے چھٹی دے دیں۔ ہمارے پاس بچے کو پی آئی سی یو میں اور زیادہ دن رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔

ڈاکٹر اپنے دل میں آمدنی خرچ اور کمیشن کا حساب لگا کر بولا ٹھیک ہے چالیس ہزار روپے کاؤنٹر میں جمع کر دو اور بچے کو لے جاؤ مگر آٹھ روز بعد بچے کو چیک اپ کے لئے ضرور لے آنا۔

چالیس ہزار روپے؟ اس نے حیرانہ لہجے میں ڈاکٹر سے دریافت کیا۔

ہاں چالیس ہزار روپے۔۔۔۔۔ ڈاکٹر نے سر ہلا کر کہا۔

مگر میں نے پانچ پانچ ہزار روپے کر کے دس ہزار روپے جمع کر دیا تھا۔ جو پی آئی سی یو کا چارج پانچ ہزار کے روزانہ کے حساب سے آٹھ روز کا چالیس ہزار ہوتا ہے۔ اس لئے میں تیس ہزار روپے ہی ساتھ لایا ہوں۔

ہاں! تم نے جو دس ہزار روپے جمع کرائے تھے اس میں سے پانچ ہزار میڈیکل خرچ اور پانچ ہزار روپے ڈاکٹر کی چیک اپ فیس ہو گیا۔ ڈاکٹر نے اسے بتایا۔

ڈاکٹر صاحب! ہمارے پاس چالیس ہزار نہیں ہے، کچھ کم کر دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ اس کی بیوی گڑگڑائی۔

ارے بھئی! بہت زیادہ نہیں ہے، میں بہت کم چارج لے رہا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب کچھ تو کم کر دیجئے۔ وہ ہاتھ جوڑ کر خوشامد کرنے لگا۔

"ٹھیک ہے میں اپنے چیک اپ کی فیس دو ہزار روپے کم کر دیتا ہوں۔ تم اڑتیس ہزار روپے جمع کر دو۔ ڈاکٹر نے ہمدردی کا ناٹک کرتے ہوئے فراخدلی دکھائی۔

"میرے پاس تو صرف تیس ہزار روپے ہیں۔ جو میں اپنا کھیت گروی رکھ کر لایا ہوں اب میرے پاس کوڑی بھی نہیں ہے۔ ہاں!۔۔۔ میری پتنی کے کانوں میں یہ سونے کی دو بالیاں ہیں۔ وہ بیوی کے کانوں کی طرف اشارہ کر کے بھرائی آواز میں بولا۔ اس کی بیوی بھی ڈاکٹر سے بولی آپ روپیوں کے ساتھ اسے بھی لے لیں۔

ڈاکٹر چڑ گیا اور بولا "یہ مہاجن کی دکان نہیں۔۔۔۔ اسپتال ہے سمجھے یہاں کیش چلتا ہے کیش۔ تم خود جاؤ اور بالیاں بیچ کر پیسے لاؤ اڑتیس ہزار سے ایک پیسہ بھی کم نہیں ہوگا۔

ماں کی ممتا تڑپ اٹھی، وہ بولی "ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب ٹھیک ہے" پھر وہ اپنے شوہر سے مخاطب ہوئی "آپ یہاں ٹھہرئے جی! میں بالیاں بیچ کر پیسے لاتی ہوں دونوں ڈاکٹر کے کیبن سے نکلے۔ کیا تم اکیلے ہی جاؤ گی "شانو" (اس کی بیوی کا نام شانتی تھا مگر لاڈ سے وہ شانو کہتا تھا) چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔

"نہیں" وہ ICU کے دروازے کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ "تم وہیں کھڑے رہو کر اپنے بیٹے کو دیکھتے رہنا میں سنار کے دوکان جا کر بالیاں بیچ کر کچھ پیسے لاؤں۔"

وہ ہسپتال کی سیڑھیاں اتر کر چلی گئی اور وہ ICU کے دروازے لگے کانچ سے اندر جھانکنے لگا۔ اس کا بیٹا بستر پر پڑا ہاتھ پاؤں ہلا رہا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ دروازہ کھول کر اندر چلا جائے اور بیٹے کو سینے سے لگا کر خوب پیار کرے۔ مگر اسے اندر جانے کی اجازت نہیں ملی۔ وہ دل مسوس کر رہ گیا۔ اسنے دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھا بارہ بج رہے تھے۔ بیوی کو گئے دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ اسے فکر ہوئی کہ شانو اب تک کیوں نہیں لوٹی۔ سنار کی دکان ہسپتال سے دوری پر تھی۔ سڑکوں پر آج کل بھیڑ بھاڑ بھی زیادہ ہونے لگی ہے۔ کہیں بھیڑ میں نہ پھنس گئی ہو۔ اس کے دل میں خدشات سر اٹھانے لگے اور بے قراری کے عالم میں ہسپتال کے گیٹ تک چلا گیا۔

ابھی پانچ منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ شانو آٹو سے اترنے لگی اور اسے دیکھ کر بولی کہ یہاں کیوں آ گئے۔ آپ وہیں ICU کے دروازے پر کھڑے رہنا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور دونوں سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ اسی اثنا میں شانو نے اسے روپے دیتے ہوئے کہا کہ "لو یہ ساڑھے آٹھ ہزار روپے ہیں۔ ان روپوں کو گھر سے لائے روپوں کے ساتھ ملا کر کل اڑتیس ہزار روپے ہوئے۔ انہیں ڈاکٹر کے منہ پر دے مارو اپنے بیٹے کو لے چلو"۔ اس نے روپے اپنی جیب میں رکھے اور نرس سے اجازت لے کر ڈاکٹر کے کیبن میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر اپنے اسمارٹ فون پر گیم کھیل رہا تھا۔ اسے دیکھ کر پوچھا "کیا اڑتیس ہزار روپے لائے ہو؟" اس نے ہاں کہا تو ڈاکٹر نے نرس کو بلایا اور ICU سے بچے کو ڈسچارج کرنے کا آرڈر دیا اور کہا کہ کاؤنٹر میں روپے جمع کر دو اور یہ بھی کہ بچے کو چیک اپ کے لیے وقتے وقتے سے لاتے رہو۔ دونوں سر جھکائے ڈاکٹر کے کیبن سے نکلے۔ مگر نرس نے کہا کہ پہلے روپے جمع کر دو پھر جانا۔ اس کا جی چاہا کہ نرس کا منہ نوچ لے۔ مگر وہ بے بس تھا۔ دانت پیش کٹ چپ چاپ کاؤنٹر پر گیا اور روپے جمع کروائے۔

شانو اپنے بیٹے کو ICU سے لے آئی تھی۔ دونوں ہسپتال سے نکل کر باہر آئے اور ایک آٹو رکشہ پر سوار ہو گئے۔ راستے میں اس نے شانو کی گود سے بچے کو لے کر پیار کیا اور پھر شانو سے کہا کہ بالیاں تو میں نے نو ہزار میں بنوائی تھیں نا؟"

ہاں! سنار نے دو ہزار روپے بٹا کی بابت کاٹا تھا۔ میں نے بہت منت سماجت کی اور اپنی پریشانی بتائی تو اس نے ایک ہزار روپے کم کر دیے اور اپنی جانب سے بھی پانچ سو روپے دیے۔

"بڑا دیالو ہے سنار۔ دنیا ایسے لوگوں سے قائم ہے" وہ بولا

شانو نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ مگر وہ حقیقت کا اظہار نہیں کر پائی کیونکہ سنار دیالو نہیں تھا بلکہ اس نے پندرہ سو روپے دے کر میرے جسم کو بٹا لگا دیا ہے۔ میں نے اپنا جسم اس کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ بات کہنے کی اس میں شکتی نہیں تھی۔

"دیکھ شانو! دیکھ اس ظالم دنیا میں آ کر ہمارا بچہ مسکرا رہا ہے" اس کی پیٹھ سہلاتے ہوئے اس کے شوہر نے کہا۔

☆☆☆



ساجد جلال پوری
Jafarabad,Jalalpur
AmbedkerNagar(UP)

خاندانی شاعر

ان سے ملیے یہ ہیں خاندانی شاعر جن کا پورا قبیلہ کل پرسوں سے نہیں برسوں سے شاعری کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ یہ آپ کو صرف ہندو پاک میں ہی نہیں دنیا کے کونے کونے میں مل جائیں گے۔ سنا ہے کہ کولمبس، واسکوڈی گاما، ابن بطوطہ وغیرہ سیاحوں نے انہیں خاندانوں کی تلاش میں نہ صرف دنیا بھر کا سفر کر ڈالا بلکہ نئے نئے براعظموں اور جزیروں کو بھی ڈھونڈ نکالا۔ نقادوں کے مطابق خاندانی شاعر بننے کے لیے کوئی خاص لیاقت، قابلیت، اہلیت، سند اور سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں، کوئی لمبی چوڑی شرط نہیں، بس آپ کی دو تین نسلیں شاعری کرنے کا جرم کر بیٹھیں یا خاندان میں دو چار لوگ شاعر بن جائیں تو آپ بھی اس فہرست میں شامل ہو سکتے ہیں۔ خاندانی شاعر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کے آباواجداد یا خاندان کا شعروشاعری سے گہرا تعلق رہا ہو۔ دوسرے وہ جو راجاؤں مہاراجاؤں، بادشاہوں، نوابوں، منصب داروں، جاگیرداروں، تاجروں کے یہاں فرمائشیں پوری کرنے کا فریضہ اسی طرح برسوں سے انجام دیتے رہے ہوں۔ جیسے موسیقار، شہنائی نواز، طبلہ نواز، مصور، رقاص، حجام، خانساماں وغیرہ کے مخصوص گھرانے ان سے جڑے رہتے ہیں

ان کو اس بات پر فخر رہتا ہے کہ جیسے آریہ، گپت، موریہ، وردھن، چوہان، خاندان غلامان، غزنوی، غوری، خلجی، تغلق، سوری، مغل، سید وغیرہ نے تلوار سے برسوں تک حکومت کی ہے اسی طرح ہمارے خاندان نے بھی ادب پر قلم سے برسوں حکمرانی کی ہے۔ یہ اس معاملے میں اتنے پرجوش ہیں کہ جوش ملیح آبادی کے شعر کو وظیفہ بنا کر دن رات اس کی مالا جپتے رہتے ہیں۔

شاعری کیوں نہ راس آئے مجھے
یہ مرا فن خاندانی ہے

ایسے بھی خاندانی شاعر نظر آتے ہیں کہ اگر ووٹنگ ہو جائے کہ کس شاعرِ اعظم کو وزیراعظم بنانا ہے تو وہ تعداد کی بنا پر اکثریت سے انتخاب جیت سکتے ہیں۔ یا خدانخواستہ اگر جمہوری حکومت کا تختہ پلٹ جائے اور شاعری کی حکومت قائم ہو جائے تو وہ اپنا تختہ آسانی سے لگا سکتے ہیں۔ اس لیے اکثر خاندانی شاعر "گنیز بکس آف ریکارڈس" اور "لمکا بکس آف ریکارڈس" میں بھی سب سے بڑے گھرانے کا دعویٰ پیش کر کے اپنا نام درج کرا چکے ہیں تاکہ جب کبھی موقع ملے تو وزارت عظمیٰ کا کانٹوں بھرا تاج اپنے سر پر سجا لیں۔

چوں کہ جب کسی شاعر کی ایک دو نسلیں شعروشاعری میں ملوث ہو کر تک بندی، قافیہ پیمائی کرتی ہیں تو اسے کوہ پیمائی سے کم نہیں سمجھتے۔ اسی لیے وہ اپنے کو ہمیشہ فاتح ایورسٹ سمجھتے ہیں۔ مرزا غالب ان چونچلوں میں نہیں پڑے، انہوں نے اپنا الگ رنگ اختیار کیا۔ وہ اس جھنڈ میں کبھی نہیں پڑے اور نہ ہی کبھی شاعری کا جھنڈا بلند کیا۔ کیونکہ جو خود بلند ہو اسے بلند کرنے کی احتیاج نہیں۔ انہوں نے اپنے کو اس بھیڑ بھاڑ اور عوامی جھیڑ چھاڑ سے یہ کہہ کر الگ کر لیا کہ...

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

اگر بعض اولاد وراثت میں حاصل زمین جائداد پر خوش ہیں تو یہ فرضی سبحان اللہ، ماشاء اللہ اور مکرر ارشاد پر خوش ہیں۔ عوام کو وراثت میں مال متاع ملتا ہے تو انہیں "شاعری کا جنجال" بھی ملتا ہے۔ انہیں ادب کی سنگلاخ زمین کاشتکاری کے لیے ملتی ہے، جس کو وہ زرخیز کر کے چمنستان بنائیں۔

ان کا دعویٰ ہے کہ ہم کہاں غلط لکھنے والے، ہم تو اسی قلم دان کا استعمال کرتے ہیں جو ہم کو ورثے سے ورودان ملا ہے۔ اس لیے نہ صرف شاعری کرنے کا بلکہ سرعام شاعروں کو لوٹنے کا آبائی حق بھی ان کے لیے محفوظ و مخصوص ہے۔

یہ اپنے اجداد کی کتابیں، قطعات، رباعیات، لغویات، ہجویات، فضولیات، کلیات، دیوان مطبوعہ و غیر مطبوعہ، دیمک زدہ نسخے، مخطوطات، شیروانیاں، ٹوپیاں و دیگر تبرکات وغیرہ اپنے مکان کے آثار قدیمہ میں محفوظ رکھتے ہیں اور ہر کس و ناکس بلکہ نہ دیکھنے والے مہمانوں کو بھی ان سامانوں کی زیارت کراتے ہیں اور اپنے خاندانی شاعر ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ درمیان میں ان کے بعض اشعار جو زبان زد عام نہ ہو کر صرف ان کی زبان اور مکان میں محفوظ ہیں، اس کا ورد بھی کرتے ہیں۔

جیسے کبھی کبھی ریگستانی علاقوں میں دوران سفر پانی کی شدید قلت کے باعث صحرائی باشندے اونٹ کے شکم کو چاک کر کے اپنی پیاس بجھا کر زندگی بچاتے ہیں اسی طرح بعض خاندانی شاعر مفلسی اور غربت کی انتہا پر، یا بعض نالائقی، لا ابالی پن کی وجہ سے اپنے بزرگوں کی کتابیں، دیوان وکلیات ردی کی ٹوکری میں ڈال کر کباڑی کو بیچ کر اپنی زندگی کی جنگ لڑتے ہیں۔

جب سوداگر یا تاجر ضعیف ونحیف ہونے لگتے ہیں تو اپنے ساتھ بیٹوں کو اپنے تجارتی علاقوں میں لے جا کر بیوپاریوں سے متعارف کراتے ہوئے کہتے ہیں کہ اب میری جگہ میرے فرزند بزنس سنبھالیں گے۔ اسی طرز پر خاندانی شعراء عالم ضعیفی میں اپنے شاعر فرزند کو مشاعروں ونشستوں میں اپنی نیابت کراتے ہیں۔ اب اگر ان کا ترنم، تکلم تھسپند آ گیا تو یہ نسلاً بعد نسل اپنے فریضے کو انجام دیں گے ورنہ ان کی جگہ کسی اور خانوادے کو یہ شرف حاصل ہوگا۔ جس طرح قدیم خاندانی وزیروں کے بیٹوں میں دانائی نہ ہونے پر دوسرے خاندانی وزیر تلاش کیے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ خدا کی عطا ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ خاندانی شاعروں کے یہاں ہمیشہ قابل لوگ ہی پیدا ہوں۔ کابل میں صرف "قابل گھوڑے اور پٹھان ہی نہیں گدھے اور طالبان" بھی ملتے ہیں۔ اس لیے جب ان کے یہاں شاعروں کی شرح پیدائش میں کمی کا احساس ہوتا ہے اور اپنی نام نہاد حکومت خطرے میں نظر آتی ہے تو یہ چند شاعروں کو گود لے کر پال لیتے ہیں جو ان کی حفاظت کے لیے ہمیشہ سینہ سپر رہتے ہیں۔ دوسری آسانی یہ رہتی ہے کہ ضرورت پڑنے پر اپنی بندوق ان کے کاندھے پر رکھ کر چلا دیتے ہیں۔ اب جب کوئی حادثہ ہوتا ہے تو وہ گرفتار ہو کر اصل قاتل کو بچا لیتے ہیں اور لے پالک ڈسپوزل کی طرح استعمال ہو جاتے ہیں۔

عام طور سے لوگ لڑائی جھگڑے، بحث وتکرار کے موقع پر ہی صرف گڑے مردے اکھڑتے ہیں۔ لیکن یہ گورکن، کان کن ماہرین کی طرح قبروں سے بھی تخریبی نشستیں نکال لیتے ہیں۔ بچے کی ولادت سے تہنیتی مشاعرے نکال لیتے ہیں۔ مشاعرہ تلاش ہی نہیں کرتے، مشاعرہ سونگھتے بھی رہتے ہیں۔

کسی راجا، مہاراجا، جاگیردار یا تاجر کے یہاں ولادت، انتقال، عقد کی مہک ان کی ناکوں تک پہنچ جائے تو فوراً اپنی ٹیم کے ہمراہ حاضر ہو جاتے ہیں۔ ان کو پلیر نما شاعر کہیں سے لینے کی ضرورت نہیں۔ ان کے میڈیکل اسٹور پر ہر قسم کی دوا موجود ہے۔ یہ وہ ڈاکٹر ہیں جنہیں باہر کی دوا لکھنے کی ضرورت نہیں ہر قسم کی جانچ، دوائیں، دعائیں سب ایک ہی "خاندانی اسپتال" میں مل جائیں گی۔ بچے کا تاریخی نام، ختنہ کی نظم، عقیقہ کا وظیفہ، دولہے کا سہرا، دلہن کی رخصتی، ولادت کا تہنیت نامہ، وفات کا تعزیت نامہ، طلاق کے اداسی گیت، ہجر نامہ، وصال نامہ وغیرہ وغیرہ سب ایک ہی کاؤنٹر پر دستیاب ہیں۔ اب ظاہری بات ہے جن صاحب کو یہ ساری فیسلٹی ایک ہی مقام پر "ڈور ٹو ڈور سروس" کی طرح آرڈر سے پہلے ہی مل جائے تو وہ دور کیوں بھٹکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی جماتی اور سمانی علاقوں میں دوسروں کا داخل ہونا اتنا ہی مشکل ہے جتنا مہابھارت کی جنگ میں ساتوں چکرویو کو توڑنا۔ یہ شادیوں کے لیے دولہا دلہن بھی خاندانی ہی تلاش کرتے ہیں تاکہ ان کی اولاد بھی نجیب الطرفین کہلا سکے۔ یہ اپنا شجرہ ہر وقت جیب میں لے کر گھومتے ہیں۔ اگر کسی کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی تو یہ فوراً مبارکباد دینے کے لیے نہ صرف حاضری دیتے ہیں بلکہ جیب میں ایک بھاری بھرکم تہنیتی نظم کے ساتھ پچاسوں عام نام اور دس بیس تاریخی نام بطور سیمپل (نمونہ) پیش کر دیتے ہیں کیونکہ خاندانی شاعر ہیں روکھے سوکھے کہیں جانا مناسب نہیں۔ انشاء صاحب نصیحت میں کہہ چکے ہیں:

لے کے میں اوڑھوں بچھاؤں یا لپیٹوں کیا کروں
روکھی پھیکی سوکھی ساکھی مہربانی آپ کی

اس لیے تھوڑی خدمت ایسے ہی سہی۔ شہنائی کی آواز نہ سہی تو نظم کے الفاظ ہی سہی۔ کیونکہ انھیں خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر بروقت میری امداد یعنی مبارکباد نہ پہنچی تو دوسرا شاعر وہاں پہنچ جائے گا تب پورا کھیل بگڑ جائے گا اور میرا قبضہ اور قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔

جیسے بڑے بڑے کارپوریٹ گھرانوں میں آپس میں اتنا کوآپریٹ (اتحاد) ہے کہ بزنس کا کوئی پیسہ دوسرے گھرانوں یا کمپنیوں میں نہ جانے پائے۔ بالکل اسی طرح ان کی ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ مشاعروں، نشستوں وغیرہ کے سارے ٹھیکے "خاندانی شاعر اینڈ کمپنی" کے ہاتھوں سے کبھی نکلنے نہ پائیں۔ اس لیے ہمیشہ نئے نئے برانڈ پروڈکٹ بہ شکل شاعر لانچ کرتے رہتے ہیں۔ اچھا ہے وہ بازار میں چلے یا نہ چلے۔ ان کا چراغ جلے یا نہ جلے فیصلہ وقت کرے گا۔ جس دیے میں جان ہوگی وہ دیا رہ جائے گا۔

ان کو اس بات کا فخر ہے کہ ہم نے ادب کی اتنی خدمتیں کی ہیں، وطن کی آزادی کے لیے نظمیں لکھی ہیں کہ بھی دوکانوں، مکانوں، پگڈنڈیوں، سڑکوں، بنگلوں، چوراہوں، تحصیلوں، تھانوں، سرکاری عمارتوں پر مجاہدین آزادی کی طرح ہماری تصویریں بھی لگنا چاہیے۔ ایک شاعر تو یہاں تک کہنے لگے کہ ہمارے خاندان نے کھیتوں، کھلیانوں، بیابانوں، میدانوں، ریگستانوں، چٹانوں، ندیوں، پہاڑوں، چشموں، جھیلوں، سنگ میلوں وغیرہ مناظر فطرت کی اتنی عکاسی کی ہے، ان کا اتنا ذکر کیا ہے، ان پر اتنا غور وفکر کیا ہے کہ ان مقامات پر شعرا کے مجسمے لگنا چاہیے۔ یہ کہتے کہتے جذباتی ہو کر کھیتوں میں کھڑے چیتھڑوں میں ملبوس بجوکا (Scare Crow) کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہاں پر شاعروں کا مجسمہ نصب ہونا چاہیے۔ ان چیتھڑوں نے نے بھی ہمارا حق غصب کر لیا ہے۔ یعنی ان کے بقول اب یہ شعرا جانوروں کو ڈرانے دھمکانے اور بھگانے کا کام بھی کریں گے۔

بہرحال خاندانی شاعروں کا مستقبل روشن ہے یا تاریک ان کی عقل موٹی

ہے یا بار یک مس کا فیصلہ ہم نہیں کر سکتے۔ یہ عوام کے شعری ذائقہ اور ٹیسٹ پر منحصر ہے کہ کب زبان کا ذائقہ بدل جائے کون سکہ چلن سے باہر ہو جائے کون نیا سکہ ٹکسال میں ڈھل جائے کب نوٹ بندی ہو جائے کن نس بندی لاگو ہو جائے کب علی بیگ سرور کا "فسانۂ عجائب" اردو کے عجائبات میں شمار ہو جائے کب میر امن کے "باغ و بہار" سے اردو میں موسم بہار آجائے۔ سیاست کے اس خراب دور میں کہنا بہت مشکل ہے۔

یہاں عوام اور حکام کا مزاج یہ ہے کہ:

جانے پھر تو نئے سال میں اب کس کو پڑھے
تیرا معیار بدلتا ہے نصابوں کی طرح

☆☆☆

سمیع احمد ثمر
C/O:Md.Saghir Ansari
Shree Rampur.P.O:Mahammadpur
Dist:Saran-841223(Bihar)

عید کے دن



اس کی یاد آتے ہی آنکھ ہوتی نم عید کے دن
بے رخی چھوڑ دے اے میرے صنم عید کے دن
ان کے ہونٹوں پہ بھی کھل جائیں تبسم کے گلاب
جو کہ مفلس ہیں کرو ان پہ کرم عید کے دن
سب سے کرتے رہو تم مہر و محبت کا سلوک
ہو نہ پائے کسی پر بھی ستم عید کے دن
ہم کو دیتی ہے بھی عید خوشی کی سوغات
دور ہو جاتا ہے ہر ایک کا غم عید کے دن
جب سلام اس نے کیا میرے قدم کو چھو کر
چھوٹے بچے کو بھی دی میں نے رقم عید کے دن
آپ کے آنے سے خوشیاں ہوئیں دو چند ثمر
میرے گھر میں جو رکھا ہے یہ قدم عید کے دن

ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمی
HomeoShifaKhana.RahmatColony
Doranda.Ranchi-834002

ایک غزل



دورِ حاضر کا حال مت پوچھو
گردشِ ماہ و سال مت پوچھو
آگیا ہے سفید کاغذ پر
ذہن و دل کا اُبال مت پوچھو
کون ہوں کس جہاں سے آیا ہوں
اتنا مشکل سوال مت پوچھو
گزرے لمحوں سے رابطہ رکھنا
کس قدر ہے محال مت پوچھو
رات تنہائی اور سناٹا
کیسا کیسا خیال مت پوچھو
تاب سننے کی جب نہیں تم میں
درد و غم کا مآل مت پوچھو
بزمِ یاراں اور میاں بزمی
جادۂ اعتدال مت پوچھو

غـــــــزلیـــــــات 41

ڈاکٹر نذیر فتح پوری
SairaManzil.230/B/102,VimanDarshan
Lohgaon Road.Pune-411032



قہر دھرتی کا جمالی کر گیا
ابر جب مشکیزہ خالی کر گیا
اب جہاں چاہے رہے آباد وہ
جو ہمارے دل کو خالی کر گیا
تھا ہوا میں اب کے کیسا انقلاب
ہر جنوبی کو شمالی کر گیا
وقت کی نیرنگیاں تو دیکھیے
حاکموں کو بھی "سوالی" کر گیا
پھول خود تو مر گیا لیکن نذیر
تتلیوں کو درد والی کر گیا

سلیم انصاری
HIG 3,Anand Nagar.Adhartal
Jabalpur-482004(M.P)



اب عطا کون کرے گا مرا پیکر مجھ کو
کوزہ گر بھول گیا چاک پہ رکھ کر مجھ کو
میں کہ اظہار ہوں اور قید ہوں اک پتھر میں
میرے اندر سے نکالے کوئی آزر مجھ کو
اب نہ وحشت سے تعلق نہ کسی پیاس سے ربط
پھر صدا دیتے ہیں کیوں دشت و سمندر مجھ کو
کس قدر زہر بھرا ہے مری شریانوں میں
زندگی تو نے نہ دیکھا کبھی چھو کر مجھ کو
جسم کیا اب مرا احساس بھی پتھر ہے سلیم
اس نے جاتے ہوئے دیکھا تو پلٹ کر مجھ کو

عبدالحئی پیام انصاری
At/P.O:Piprauli Bazar
Via:Khajni.Dist:Gorakhpu
Pni-273212(U.P)



دل کو تیرے غم کا مسکن کر لیا
ہم نے اپنے دل کو روشن کر لیا
اور کمروں کی ضرورت جب پڑی
ہم نے چھوٹا گھر آنگن کر لیا
میں نے اک بھوکے پڑوسی کے لیے
تھوڑا پتلا اپنا سالن کر لیا
ہم کہاں سے ڈھونڈ کر لاتے چراغ
مفلسی میں دل ہی روشن کر لیا
اب مرے آنسو نہیں تھمتے پیام
میں نے ہر موسم کو ساون کر لیا

شاہدہ تسیم سالک
8904,Saxton.WestChastor
HO.45069-USA
Mob.15132653380

وہ اجنبی تھا اس سے کوئی رابطہ نہ تھا
چاہت وہ دوستوں میں کبھی بانٹتا نہ تھا
تم کیا گئے کہ لے گئے آنکھوں سے سارے خواب
ورنہ ہمارے بگڑے مقدر میں کیا نہ تھا
کیوں ہم نے دل مسیحا کے پہلو میں رکھ دیا
عقدہ ابھی تو چارہ گری کا کھلا نہ تھا
شیریں بہت تھا اس کا ہر انداز گفتگو
کیا حرف تھا جو اس کے لبوں پر سجا نہ تھا
جانا تو چاہتا تھا یہ دل اس کی بزم میں
لیکن وہ دست بھی تو کرم آشنا نہ تھا

اجمل محسن (ایڈوکیٹ)
FarhatMahal.1-9-1035,Postal
Colony.Subedari.Warangal



ہے چھوٹا سا منہ پر بڑی بات ہوگی
تو لکھ کر یہ رکھ لے تری مات ہوگی
نہیں دور وہ دن کہ جس دن فلک سے
زمیں پر عذابوں کی برسات ہوگی
قریب قیامت یہ دنیا ہی ساری
بہت مبتلائے خرابات ہوگی
ترا نفس دلہے کی گھوڑی چڑھے گا
ترے سنگ گناہوں کی بارات ہوگی
غلامی میں گزریں گے دن رات تیرے
غلاموں سے کم تیری اوقات ہوگی
فقیروں، یتیموں، ضعیفوں سے محسن
ملا کر خدا سے ملاقات ہوگی

ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی
Kanate Sokhan.BalMandir Chowk
Malangua.Dist:Sarlahi.Nepal



آدمی کرنے لگا ہے جب سے من مانی بہت
اس نے خود ہی پال رکھا ہے پریشانی بہت
وہ سمندر پار کر جاتا ہے آسانی کے ساتھ
بے ہنر کو لگتا ہے ساحل پہ بھی پانی بہت
وہ مہذب قوم کہلاتی ہے دیکھو آج کل
جس میں ہے اب بے حیائی اور عریانی بہت
مل چکا ہوں تم سے جانے کب کہاں اور کس جگہ
لگتی ہے صورت تمہاری جانی پہچانی بہت
جب گیا وہ بھی یہاں سے ہاتھ خالی ہی گیا
جس نے کی تھی زندگانی میں جہاں بانی بہت
پیار دل میں، نرم لہجہ، حوصلہ رکھو بلند
اے وصی ہو جائے گی جینے میں آسانی بہت

فوزیہ اختر ردا (کولکاتا)
C/OSakhawat Bari Wala
5.Komedan Bagan Lane
Kolkata-700016(WB)



تجھ کو یہ گماں ہے کوئی بہتر نہ ملے گا
مجھ کو یہ یقیں ہے کوئی برابر نہ ملے گا
تو لاکھ ستم ڈھائے مرے حال پہ ظالم
''لیکن مری آنکھوں میں تجھے ڈر نہ ملے گا
اس دل کو ترے پیار کا سرمایہ ملے تو
آنکھوں میں بھی اشکوں کا سمندر نہ ملے گا
خواہش تمہیں محبوب کے دیدار کی ہوگی
دلدار سے بہتر کوئی ہم سر نہ ملے گا
شاید کہ ترے قلب میں اترے یہ مری بات
مجھ کو کبھی اس قسم کا رہبر نہ ملے گا
اب اس نے کہا ہے کہ مرے دل میں رہے گا
اب وہ بھی ردا شہر میں بے گھر نہ ملے گا

محمد ممتاز شعور
Qtr.No-E-2.PWDColony
BrooksHill.Sambalpur-768001



رب سے جو دعا مانگی اب اس کا اثر آیا
پردے کے جو پیچھے تھا وہ صاف نظر آیا
وہ شدتِ بے تابی جذبات کی محفل میں
جو دل میں پریشاں تھا لفظوں میں ابھر آیا
تقدیر کی کروٹ میں خوشیوں ک ادائیں تھیں
صبح کا بھولا کوئی جب شام کو گھر آیا
مظبوط ارادے تھے اور حوصلے جن میں تھے
ایسا ہی عمل لے کر نصرت کی خبر آیا
یہ ہاتھ شعور اپنا ہم کس سے ملاتے جب
جس ہاتھ میں دیکھا تو پتھر ہی نظر آیا

نسرین نکہت
QtrNo:H/496.Sector-15
Rourkela-769003(Odisha)

آئینہ دیکھ رہا ہے انھیں حیراں ہوکر
روبرو میرے وہ آیے ہیں پشیماں ہوکر
ان کے ہاتھوں میں بھی اب لڑنے کی قوت نہ رہی
وہ جو رہتے تھے سدا دست و گریباں ہوکر
گھری خوف زدہ خود ہے قریب آنے سے
روبرو اب مرے منزل ہے نمایاں ہوکر
درد کی شمع نے دل کو مرے پرنور کیا
ہر خوشی روٹھ گئی مجھ سے پریشاں ہوکر
کون ہوں' کیا ہوں' حقیقت مری آخر کیا ہے؟
تم بھی کب سمجھے مجھے صاحب ایماں ہوکر
کہکشاں مجھ کو مربیب نے بنایا نکہت
بن گئے تارے مریزخم درخشاں ہوکر

حمید عکسی
14-6-39,Nizampura.MandiBazar
Warangal-506002(T.S)



وہی اندھی ڈگر ہے اور میں ہوں
بڑا لمبا سفر ہے اور میں ہوں
کہاں اتری ہے دستارِ فضیلت
وہی کندھے پہ سر ہے اور میں ہوں
نہیں محتاج میں اوروں کا ہرگز
مرا دستِ ہنر ہے اور میں ہوں
کوئی بھی ساتھ آیے یا نہ آیے
مرا عزمِ سفر ہے اور میں ہوں
ابھی بدلہ نہیں ہے کوئی منظر
وہی ویران گھر ہے اور میں ہوں
ورنگل کی زمیں پر آج عکسی
مرے فن کا سفر ہے اور میں ہوں

ارشد قمر
Lal Kotha Road.Muslim Nagar
Dalton Ganj(Plamu).Jharkhand



حوصلے کرگزرتے ہیں جو ہراک گام سے
وہ کبھی ڈرتے نہیں اپنے کسی انجام سے
راحتوں کا سبز موسم اب ادھر آتا نہیں
ہر گھڑی ہے واسطہ بارِ غم و آلام سے
حوصلہ دیکھو تو اس کا' کام کیا کر گیا
دھوپ آیا ہے آنگن میں وہ اونچے بام سے
کامیابی کی بشارت وہ یقیناً پائے گا
کام کا آغاز کرلے جو خدا کے نام سے
کیا پتہ کب کس کا سر نیزے پہ آجائے قمر
ہر کوئی دہشت زدہ ہے زندگی کی شام سے

سالک ادیب
Qazi Mohalla.Bonth
P.O:PadhanPada
Dist:Bhadrak-756114(Odisha)

یادوں کی طرح بزم میں شامل نہیں رہا
جھوٹی تسلیوں کا میں قائل نہیں رہا
جینے کا پھر جہان میں کیا لطف ہے جناب!
جب کوئی بھی رقیب مقابل نہیں رہا
جب جھکنے لگے غیر کے دربار میں یہ سر
تو سوچ لینا سجدے کا قابل نہیں رہا
کھیلی ہے جس نے خون کی ہولی تمام عمر
منصف وہی ہے آج وہ قاتل نہیں رہا
اکتا گیا ہے عشق سے سالک ادیب بھی
اب چاہتوں کی سمت وہ مائل نہیں رہا

ارشد مینانگری (مرحوم)

MominPura.Sr.No-51
Malegaon.Dist:Nasik-423203(M



دل سے جب دل کے سلسلے ٹوٹے
منزلیں چھوٹیں، راستے ٹوٹے
آگ نفرت کی اس قدر بھڑکی
بجھ گئے چہرے، آئینے ٹوٹے
ان کا ہر وعدہ اس طرح ٹوٹا
جیسے پانی کے بلبلے ٹوٹے
کیا چمن میں بہار آئے گی
غنچے شاخوں سے بن کھلے ٹوٹے
بنگلے بنتے گئے امیروں کے
ہم غریبوں کے جھونپڑے ٹوٹے
ظلمتوں کا ستم نہ پوچھ ارشدؔ
فکر و احساس کے دیے ٹوٹے

ارشاد مظہری

25/1/2Topsia Road
Kolkata-700039(W.B)

گلوں سے قطرۂ شبنم پھسلنے والا ہے
ذرا سی دیر میں سورج نکلنے والا ہے
نئے مزاج کا ساون ہے، آگ برسے گی
تمہاری یاد کا جنگل بھی جلنے والا ہے
یہ چاند تارے بھی ہجرت کی بات کرتے ہیں
مری کہانی کا عنواں بدلنے والا ہے
ابھی تو آئے ہو جانے کی بات کرتے ہو
ذرا سا ٹھہرو! ذرا دل بہلنے والا ہے
کہاں دکھاؤ گے ارشادؔ کس کو آئینہ
یہ وقت روز ہی چہرہ بدلنے والا ہے

علیم طاہر

MominPura.Sr.No-51
Malegaon.Dist:Nasik-423203(M.S)



ذرا اذیت پہ تھک رہے ہیں
نظر نظر میں کھٹک رہے ہیں
ذرا رکھو بھی زباں پہ قابو
حضور کیا کیا یہ بک رہے ہیں؟
نشہ نہ اترا جو عاشقی کا
نشے میں کیا کیا سنک رہے ہیں
ہر اک شجر پر مرے چمن میں
شریر بندر لٹک رہے ہیں
کہاں ملی ان کو کوئی منزل
ابھی تلک وہ بھٹک رہے ہیں
تمہاری آمد پہ آج طاہر
تمام رستے چمک رہے ہیں

غلام سرور ہاشمی

BasdilaTola Murghiyan
Gopal Ganj-841428(Bihar)

یوں دور اتنا جاؤ نہ میرے قریب سے
ملتا ہے کوئی چاہنے والا نصیب سے
آتے نہیں ہو جب بھی ملنے کے واسطے
خوابوں میں دیکھ لیتا ہوں تم کو قریب سے
سیراب ہو رہے ہیں سبھی آ کے تشنہ کام
جاری ہے فیضِ عام دیارِ حبیبؐ سے
بیمار ہوں پڑوسی تو ان کا رکھو خیال
دیکھو ذرا انہیں کبھی جا کر قریب سے
منہ اپنا پھیر لیتے ہیں مشکل میں دیکھ کر
امید خیر کیسے رکھوں میں حبیب سے
سرورؔ خدا سے شکوے کی عادت نہیں ہے ٹھیک
پاتا ہے رزق ہر کوئی اپنے نصیب سے

رفیع احمد آفتاب (جرنلسٹ)

Moh:KhudaNagar.P.S/Chataini
P.O:EastChamparan.Bihar
Mob-9931466376

دیکھتے دیکھتے یہ جہاں لٹ گیا
یہ زمیں لٹ گئی، آسماں لٹ گیا
جسم کا ایک حصہ جدا ہوگیا
ہم مکینوں کے دل کا مکاں لٹ گیا
پار دریا بھی کرنا پڑا ہے مجھے
کشتی چلتی رہی بادباں لٹ گیا
گل صنوبر کیقصے سناتے بھی کیا
باغباں لٹ گیا، گلستاں لٹ گیا
جس کے دم سے بہاروں میں تھی تازگی
کیسی پچھوا چلی آشیاں لٹ گیا
اس غزل میں کہاں حسن ہے آفتابؔ
نغمگی لٹ گئی، سوز خواں لٹ گیا

امتیاز احمد دانش

AhmedHouse.BakhshiNagarGate
KhetanMohalla.Arrah-802301
Bihar.Mob-6204056560

زمیں تو چھین لی اب آسمان رہنے دے
دلِ حزیں میں شفق کا گمان رہنے دے
ہر ایک اینٹ میں پوشیدہ ہے مری تہذیب
پرانی شکل میں میرا مکان رہنے دے
تمام عمر مسافت میں کس طرح گزری
تو اپنے رخ پہ سفر کی تکان رہنے دے
یہی تو آخری حربہ بچا ہے میرے لیے
خدا کے واسطے منہ میں زبان رہنے دے
انہیں بھی دھوپ کی شدت کا کچھ تو ہو احساس
سروں پہ شیشے کا یہ سائبان رہنے دے
کنارے آ گئی آخر یہ کشتی امید
ہوائے وقت بھلا بادبان رہنے دے

عبدالحق بیتاب
JolasahiBuxibazar
Cuttack.753001
M.no.8338929642



برف پر لکھی ہوئی تحریر ہوں
میں حیاتِ خضر کی تفسیر ہوں
دور سے تجھ کو نظر آجاؤں گا
ظلمتوں کے جھنڈ میں تنویر ہوں
ان کی آنکھوں کے لیے میں ایک خواب
اور اپنے واسطے تعبیر ہوں
فکر کو دوں گا شعورِ انقلاب
حرف شعلہ آتشیں تقریر ہوں
جذبۂ تخریب کے دل میں نہاں
دیکھیے اک حسرتِ تعمیر ہوں
اپنے حق میں آج بھی بیتاب میں
بے صدا ہوں، چپ کی اک زنجیر ہوں

رفیق رضا
Dewan Bazar,Cuttack-753001
(Odisha)



کتابِ دل میں گل کاری کے افسانے نہیں آتے
لبوں تک آج کل چاہت کے پیمانے نہیں آتے
لگی ہے چوٹ اپنوں سے ہمارے دل کے شیشے کو
ہمیں تکلیف دینے کوئی بیگانے نہیں آتے
اگر کوشش میں شامل مرضیِ مولا نہیں ہوتی
ہمارے ہاتھ خوش حالی کے دردانے نہیں آتے
عداوت کا چلن لوگوں نے جب سیکھا نہیں ہوتا
ہمارے دل کی مسجد کو کبھی ڈھانے نہیں آتے
اجالوں کا اثر ہونے لگا ہے اے رضا اتنا
جلا کرتا ہے دیپک اور پروانے نہیں آتے

شاکر وارثی
Sutahat.P.O:Buxi Bazar
Cuttack-753001(Odisha)

کہیں دغا، کہیں دھوکہ دکھائی دیتا ہے
چہار سمت ہی خطرہ دکھائی دیتا ہے
ہمیشہ دل میں جو رکھتا ہے بغض اور کینہ
اسی پہ سب کا بھروسا دکھائی دیتا ہے
صدف کی پیاس سمندر بجھائے ناممکن
مجھے وہ خود ہی پیاسا دکھائی دیتا ہے
درندگی سے ہے معمور اس کا باطن، جو
بظاہر ایک فرشتہ دکھائی دیتا ہے
یقین رکھتا ہے جو شخص خاکساری پر
بلند اس کا ہی درجہ دکھائی دیتا ہے
پرائے درد کا احساس دل میں ہے شاکر
جو غیر بھی تمھیں اپنا دکھائی دیتا ہے

مختار راہی
NalaRoad Hasanpur
Rourkela.769001



ساحل نہ مل سکا مجھے ساحل کے آس پاس
اب تک بھٹک رہا ہوں میں منزل کے آس پاس
کہتے ہیں کیا اسی کو محبت کی ابتدا
جو درد اٹھ رہا ہے مرے دل کے آس پاس
بر آئے گی ضرور شہادت کی زندگی
میں آ گیا ہوں کوچۂ قاتل کے آس پاس
موجوں میں جا کے کون بچائے گا کشتیاں
سارے تماشبین ہیں ساحل کے آس پاس
جو ناپتے ہی رہتے ہیں منزل کی دوریاں
پہنچیں گے راہی کیسے وہ منزل کے آس پاس

ارشد جمیل
Saidani Baghicha.Near Masjid
P.O:Tulsipur.Cuttack-753002(Odisha)



مفلسی اپنی جگہ اور خسروی اپنی جگہ
درمیاں ان کے ہے قائم زندگی اپنی جگہ
دشمنی کرنے کا جذبہ ہو مبارک آپ کو
میری نظروں میں ہے بہتر دوستی اپنی جگہ
معتبر دونوں ہیں خالق کی نگاہوں میں سدا
پارسا، جن و ملک اور آدمی اپنی جگہ
ڈھونڈتے رہتے ہو خوشیاں تم اگرچہ ہر طرف
لطف دیتے ہے ہمیں لیکن غمی اپنی جگہ
ہوش والے بے خبر ہیں اس فریبِ زیست سے
باخبر رکھتی ہے مجھ کو بے خودی اپنی جگہ
یوں تو دنیا میں ہزاروں فن ہیں اے ارشد جمیل
منفرد مقبول فن ہے شاعری اپنی جگہ

محمد صلاح الدین تسکین
MYCA Lane .Deewan bazar.
Cuttack.753001(ODISHA)



تری چاہتوں کا اثر بھول جاؤں
یہ ممکن نہیں ہم سفر بھول جاؤں
حقیقت میں تو زندگانی ہے مری
جیوں کیسے تجھ کو اگر بھول جاؤں
میں انسان ہوں دل کو بہلاؤں کیسے
اگر دل لگی کے ہنر بھول جاؤں
مری بے حسی پر زمانہ ہنسے گا
اگر اپنے شام و سحر بھول جاؤں
تری یاد کو اپنے دل میں بسا کر
زمانے کی ہر اک خبر بھول جاؤں
بھلا دوں زمانے کی ہر چیز تسکیں
مگر کیسے تیری ڈگر بھول جاؤں

افسانچے

محمد مطیع اللہ نازش
دارالسلام D/203 سکٹر 6
مرکت نگر۔سی ڈی اے۔کٹک۔753015۔اڈیشا

کرشمہ

چندو کو دیوی دیوتاؤں پر آستھا نہیں تھا۔لیکن اس پر اگر کوئی مصیبت آتی یا بخار یا کسی اور بیماری یا دکھ درد میں مبتلا ہوتا تو اس کو ایشور کی یاد آیا کرتی۔کسی چمتکار پر وہ یقین نہیں رکھتا تھا لیکن جب کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا تو چاہتا کہ کوئی چمتکار یا عجوبہ ہو جائے اور اس کی پریشانی دور ہو۔ایک بار اس کی ماں تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو گئی۔کچھ مہینوں تک دکھ اور تکلیف سے کراہتی رہی۔تبھی اس نے چاہا کہ کوئی کرشمہ ہو اور اس کی ماں اچھی ہو جائے۔

کچھ دنوں قبل اس کا دوست سکھ دیو ملنے آیا۔اس نے ایک سادھو بابا کے بارے میں بتلایا۔اس نے کہا سادھو بابا رام جی بڑے مہان سنت ہیں۔ان کا سادھنا بہت تگڑا ہے۔اگر کوئی شخص بیماری کی وجہ سے سیدھا ہو کر چل نہیں پاتا اس کی کمر پر لات مارتے ہیں تو وہ سیدھا ہو کر چلنے لگتا ہے۔اگر کوئی بچہ گونگا ہو تو اس کے گال پر دو تھپڑ مارتے ہیں اور وہ بچہ بات کرنے لگتا ہے۔ان کے پرچارکوں کے کہنے کے مطابق اسی طرح کے وہ بہت سارے کرشمے دکھا چکے ہیں۔اس کے باوجود ان کے پاس لوگوں کی بھیڑ کبھی نظر نہیں آتی۔البتہ کبھی کبھار لوگ ان کے پاس جایا کرتے ہیں۔

چندو نے سوچا کہ اپنی ماں کو لے کر ان کے پاس جاؤں گا۔ممکن ہے کہ کوئی کرشمہ ہو جائے اور اس کی ماں صحت یاب ہو جائے۔بہت دنوں سے وہ تکلیف سہتی آ رہی ہے۔ بیمار ماں کی وجہ سے چندو ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔آس پاس کوئی ہسپتال یا ڈاکٹر بھی نہیں کہ ماں کا علاج کروائے۔شہر میں علاج کروانے میں کافی رقم کی ضرورت پڑے گی۔کھیتوں میں کام کرنے والا چندو ایک غریب مزدور تھا۔دو وقت کی روٹی بڑی مشکل سے جٹا پاتا تھا۔اس کا کوئی پرسانِ حال بھی نہیں کہ آڑے وقت میں اس کی مدد کرے۔وہ سوچنے لگتا ہے کہ کاش کوئی کرشمہ ہو جائے اور اس کی ساری پریشانیاں دور ہو جائیں۔

پھر وہ سوچتا ہے کہ میری زندگی بھی تو ایک کرشمہ ہے۔نگینہ کی اس سے محبت ایک کرشمہ ہی تو ہے۔چندو ایک عام جاہل مزدور جبکہ نگینہ حسن و جمال کا مرقع ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ عہدے پر فائز ایک افسر ہے۔یہ جانتے ہوئے بھی کہ چندو شادی شدہ ہے پھر بھی نگینہ اس کے پیار میں مبتلا ہو جاتی ہے۔یہ کرشمہ نہیں تو اور کیا ہے۔دراصل چندو دیکھنے میں بڑا خوبرو،قد آور،مضبوط جسامت اور کشادہ سینے والا حسین و جمیل نوجوان تھا اور اس کی یہ صفت اسے ہر کسی کا مرکزِ نظر بنا دیتی تھی۔چنانچہ نگینہ اسے دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئی تھی۔

اس کے علاوہ اس کی بیوی سحرا کا رویہ بڑا تلخ تھا۔اس وجہ سے چندو کی زندگی ایک تپتا ہوا ریگستان بن گئی تھی۔ایسے میں نگینہ کا پیار ایک جھرنے کی طرح اس کے دل کی پیاسی زمیں کو سیراب کرنے لگا تھا۔یہ بات کسی کرشمہ سے کم نہیں تھی۔

ایک روز نگینہ نے چندو کو کچھ روپے دیے اور کہا کہ شہر جا کر کسی اچھے ڈاکٹر سے اپنی ماں کا علاج کرواؤ۔گھر میں ماں تکلیف سے کراہتی ہیں اور کیسے آدمی ہو جو چین سے سوتے ہو۔آخر ماں کے دودھ کا قرضہ تمہیں تو چکانا ہے۔نگینہ کی اس ہمدردی سے چندو بے حد متاثر ہوا۔

ایک دن ایک کرشمہ رونما ہوا۔اسے ایک روشنی نظر آئی جو اس کو ایک طرف جانے کا اشارہ کرتی ہے۔وہ سوچتا ہے کہ کیا اسکی منزل آ گئی؟

چندو دوڑا دوڑا ایک سادھو کے پاس جاتا ہے۔وہاں پہنچ کر اس روشنی کا درشن کرتا ہے۔سادھو جی سے کہتا ہے کہ کچھ دنوں سے ہمارے گھر میں ایک چمتکار ہونے لگا ہے۔آدھی رات کو جب میری آنکھ کھل گئی تو میں نے دیکھا کہ میری بیوی چادر اوڑھے سو رہی ہے اور اس کے منہ سے روشنی نکل رہی ہے۔

سادھو جی نے پوچھا: ”یہ دیکھ کر تم نے کیا کیا؟“

چندو بولا: ”میں نے اسے جگانے کی کوشش کی تو وہ روشنی غائب ہو گئی“۔اس کی بات سن کر سادھو کچھ گمبھیر ہو گئے۔چندو ان کے چہرے کو دیکھ کر متفکر ہوا اور سوچنے لگا کہ شاید کوئی پریشان کن مسئلہ ہے۔

کچھ دیر بعد سادھو جی نے کہا کہ سب کچھ برباد ہو گیا۔انرتھ ہو گیا۔چندو ان کی بات سمجھ نہیں پایا۔صرف متحیر نظروں سے ان کی طرف دیکھتا رہا۔

کچھ توقف کے بعد سادھو جی نے کہا کہ تم سمجھ نہیں سکے۔تمہاری بیوی چادر اوڑھے تمہارا موبائل چیک کر رہی تھی۔وہ یہ جاننا چاہتی ہے کہ دن بھر تم کتنی لڑکیوں سے عشق لڑاتے ہو۔کن کن لڑکیوں سے بات کرتے ہو اور تم قدرت کے کرشمہ کے پیچھے پڑے ہو۔جلد جاؤ اپنے موبائل کا پاس ورڈ بدل ڈالو ورنہ سب برباد ہو جائے گا۔☆☆☆

رقیہ جمال
AradBazar.BaliBilo
Dist:Balasore-756001(Odisha)

غول

"فرید! چلو دیکھتے ہیں وہاں کوے کیوں اتنا شور مچا رہے ہیں؟"

پروفیسر دانش علی کچھ دنوں کے لیے اپنے فارم ہاؤس پر چھٹی گزارنے آئے تھے۔ صبح وہ اپنے ملازم کے ہمراہ سیر کے لیے نکلے تو اس کے کھیت سے تھوڑی دور بجلی کے کھمبے پر کوؤں کا غول شور مچاتا نظر آیا۔

"ارے صاحب! یہ کوے بھی بڑے بے وقوف پرندے ہوتے ہیں۔ ایک کی کائیں کائیں سن کر سب غول در غول جمع ہو جاتے ہیں"۔ ملازم نے کہا۔

دانش صاحب سے حقیقتِ حال جاننے کے لیے کوؤں کے غول کے قریب چلے گئے۔ دیکھا کہ ایک کوا مرا پڑا ہے۔ کچھ کوے اس کو گھیرے سوگوار نظر آرہے تھے۔ آگے گئے تو ٹھٹھک کر رہ گئے۔ سامنے کھائی میں ایک نوجوان کی مسخ شدہ لاش پڑی ہوئی تھی۔ کسی نے بڑی بیدردی سے قتل کر کے اسے چھپانے کی ناکام کوشش کی تھی۔

دانش علی کے روبرو دلدوز مناظر تھے۔ مگر بحیثیت انسان وہ پرندوں کے غول کے سامنے شرم سار تھے۔

یوجنائیں

مرکزی اور ریاستی حکومتیں غریبوں کی بھلائی کے لیے ہمیشہ یوجنائیں بناتی رہتی ہیں تاکہ ہر غریب کی زندگی تھوڑی سی آسان ہو جائے۔

اس سال دسمبر میں کڑاکے کی سردی پڑی۔ ٹھنڈ کی وجہ سے غریب لوگ جاں بحق ہونے لگے۔ لوگوں کے دلوں میں خوف سما گیا۔ زندگی مشکلوں سے دوچار ہونے لگی۔ ٹی وی، اخبارات اور سوشل میڈیا کے ذریعہ غریبوں کے لیے سرکار سے کمبل کی مانگ تیز ہونے لگی۔ الیکشن جیت کر دو مہینوں قبل نئی حکومت بنی تھی۔ مطالبے کے نتیجے میں حکومت نے اعلان کیا کہ ضرورت مند لوگ اپنا نام درج کرائیں تو انھیں راحت ملے گی۔

اس کارروائی میں اپریل کا مہینہ شروع ہو گیا۔ ضرورت مند لوگ تیز دھوپ میں قطار لگا کر انتظار کرنے لگے۔ سرکار کی جانب سے انھیں کمبل کی تقسیم کی گئی۔ لیکن المناک واقعہ یہ ہوا کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے کچھ لوگ جان بحق ہو گئے تھے۔

☆☆☆

ڈاکٹر یاسمین اختر
C/O:Md.FakhreAlam
TankLane.Bhiknpur(Hatla)
Bhagalpur-812001(Bihar)

لاجواب

لکشمی دیوی اپنی بیٹی برکھا اور نواسی کشوری سے ملنے اتنی دور کا سفر ٹرین سے طے کر کے آئی تھیں۔ نانی کو دیکھ کر کشوری بہت خوش ہوئی۔ وہ چھوٹی سی بچی تھی اور چوتھے درجے میں زیرِ تعلیم تھی۔ نانی اس کے لیے ڈھیر سارے کھلونے لائی تھیں۔ اس روز وہ اسکول نہیں گئی۔

لکشمی دیوی صبح صبح بھگوان کو پرشاد چڑھانے کے لیے مندر جایا کرتی تھیں۔ اس روز بھی بیٹی کے گھر آ کر انھوں نے غسل کیا اور مندر چلی گئیں۔ کشوری کو بھوک لگی تھی۔ برکھا نے اپنی ماں کے لیے انواع و اقسام کے کھانے بنوائے تھے۔ ان میں سے تھوڑا سا کھانا نکال کر کشوری کو دے دیا اور خود باتھ روم چلی گئی۔ غسل کر کے جب وہ باہر نکلی تو ماں کو ناشتہ کرتے ہوئے دیکھا۔ لکشمی دیوی کشوری کا جوٹھا کھانا کھا رہی تھیں۔ برکھا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے بیٹی کو اشارے سے باورچی خانے میں بلایا اور اس کے گال پر ایک طمانچہ لگا کر کہا:

"عقل کی ماری، شرم نہیں آئی تجھے۔ میں نے اتنی طرح کے کھانے ماں کے لیے بنا کر رکھے تھے اور تو نے ان کو اپنا جوٹھا کھانے کے لیے دے دیا"۔

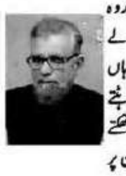
کشوری کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے خوف زدہ ہو کر ماں کی طرف دیکھا اور بڑی مشکل سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "ماں! تم ہمیشہ میرا جھوٹا کھانا دادی کو کھلا دیتی ہو.... آج دادی گھر میں نہیں ہیں، اس لیے میں نے اپنا جھوٹا کھانا نانی کو کھلا دیا"۔

دنگائی

وہ رات بہت خوف ناک تھی۔ خون کی ہولی کھیلنے والی رات۔ آدھی رات کو ہر ہر مہادیو کا نعرہ زبیدہ خاتون کے گھر کے قریب لگا تو اس کا کلیجہ دہل گیا۔

فسادی دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ وہ چار لوگ تھے، یہ وہی لوگ تھے جو اس کو چاچی کہتے تھے اور اس کی بیٹی کو بہن کا درجہ دیتے تھے، ان سب کی نظریں اس کی بیٹی پر تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ لوگ بیٹی کے قریب آتے ماں نے چاقو اٹھا لیا۔ ان میں سے گوپال نام کے ایک نوجوان نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ماں بیٹی کو اپنے قابو میں کرلیا اور وہ



لوگ ان دونوں کا منہ بند کر کے وہاں سے اٹھالے گئے۔ کچھ ہی دور پر گوپال کا پرانا مکان تھا۔ وہاں پہنچ کر ماں بیٹی کے منہ سے پٹی ہٹادی۔ پٹی کے ہٹتے ہی ماں چلائی۔ "چاچی چاچی کہتے تھکتے نہیں تھے اور آج" کہتے ہوئے ماں نے زمین پر تھوک دیا۔

گوپال بو: "آپ آج بھی ہماری چاچی ہیں، آپ اپنے گھر میں محفوظ نہیں تھیں۔ ہمیں پتہ چلا کہ دوسرے محلے کے دنگائی آکر یہاں ہنگامہ کرنے والے ہیں اور........."

ابھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ دونوں ماں بیٹی کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ ☆☆☆

نذیر فتح پوری
Editor:Asbaq
SairaManzil
230|B,VimanDarshan
SanjayParkPune-411032

تکمیلِ تخلیق

اس نے اپنی محبوبہ کی تصویر بنانے کے لیے اپنی ساری تخلیقی توانائی کو صرف کر دیا تھا۔ ایک سے ایک رنگ کی آمیزش سے اس نے تصویر کے خدوخال میں زندگی بھرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ وہ اس تصویر کو حقیقی روپ میں پیش کر کے اپنے فن کی تکمیل کرنا چاہتا تھا، اس لیے اپنی تمام فنکارانہ چابک دستی اور تخلیقانہ ہنرمندی کو بروئے کار لا کر وہ تصویر کو مکمل کرنے میں جٹا ہوا تھا۔

جب اسے اس بات کا احساس ہوا کہ تصویر اس کی مرضی اور پسند کے مطابق تیار ہو چکی ہے تو وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس کا رواں رواں نشاط و کیف سے مغلوب ہو کر رقص کرنے لگا۔ جھومتے جھومتے اچانک اس کی ناگاہ تصویر کے لبوں پر رکی تو وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔ ایک ہلکے سے دکھ کی لکیر اس کے احساس کو چیرتی ہوئی گزر گئی۔

"وہ تصویر کے لبوں میں سرخ رنگ بھرن بھول گیا تھا"۔ اس نے بے تاب ہو کر رنگوں کی پیالیاں تلاشنا شروع کر دیں لیکن سرخ رنگ کی پیالی اسے نہیں ملی۔ اس کی بے صبری اور وحشت قابلِ دید تھی۔ اچانک ایک روح فرسا خیال اس کے ذہن میں کوندا لپکا گیا اور دوسرے ہی پل اس نے بائیں ہاتھ کی رگ پر خنجر چلا دیا۔ اور پھر برش اٹھا کر اپنی محبوبہ کے لبوں کو سرخ کرنے لگ گیا۔ جب تصویر کے لب سرخ ہو گئے تو ایک بے پناہ طمانیت کے احساس نے اسے آگھیرا اور دسرے ہی پل اس کا وجود رنگوں کی پیالی میں بکھر گیا۔ رنگ اور خون کی آمیزش نے کمرے کے فرش پر ایک ایسی تصویر بنادی جس کی کوئی شکل نہیں تھی۔

پارٹنرشپ

وہ دو نمبر کی دنیا کا ایک نمبر امیر تھا۔ کروڑوں کی جائیداد بنانے کے لیے اس نے بے شمار لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ہر کام جو قانون کی نظروں میں ممنوع تھا وہ اسے چٹکی بجا کر کر دیا کرتا تھا۔ قانون، حکومت اور سماج اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا کیونکہ شہر کے ایک بڑے لیڈر کا ہاتھ اس کے سر پر تھا۔ بلکہ وہ لیڈر بھی اس کے دھندے میں برابر کا شریک ہوتا تھا۔ ایک ہی چابی سے دونوں کی قسمت کے دروازے کھلا کرتے تھے۔ پھر ایک دن اچانک کسی بات پر دونوں میں شدید اختلاف ہو گیا۔ لیڈر نے اپنی کرسی کے زعم میں اسے الٹی سیدھی دھمکیاں دے ڈالیں اور اسی شام بے چارہ لیڈر اپنی کار کے ناگہانی حادثے شکار ہو گیا۔ اس کے پارٹنر نے رات بھر کمرے میں تنہا جشن منایا۔ صرف اس کی پرائیویٹ سکریٹری اس کے ساتھ تھی۔

لیکن صبح وہ مردہ پایا گیا۔ جب اس کی لاش کا پوسٹ مارٹم ہوا تو یہ انکشاف ہوا کہ اس کی موت زہر سے ہوئی ہے۔

دونوں کی لاشیں شمشان گھاٹ کی طرف جا رہی تھیں اور اس کی پرائیوٹ سکریٹری لیڈر کے گھر والوں کے غم میں برابر کی شریک تھی۔

☆☆☆

اظہر نیّر
At/Post: Barhulia
Via:Kansi Simri
Dist:Darbhanga-847106
Bihar

افسانچے

کام چور نوکر

عیدو جی کا نام عید محمد تھا۔ محلے کے مشہور و معروف تاجر رشید میاں کے یہاں بچپن سے نوکر کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ لوگ اس کو کام چور بھی کہتے تھے مگر وہ بہت ہی چالاک تھا۔

رشید میاں کی دوستی ایک مستان بابا سے تھی۔ مستان بابا پورے محلے میں مشہور تھے، جب کسی کو کوئی بیماری ہوتی، کسی کو شیطانی حرکت ہوتی، شادی بیاہ کا معاملہ ہو سبھی لوگ مستان بابا سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ رشید میاں اور مستان بابا کی جوڑی بھی مشہور تھی محلہ کے لوگ کسی بھی وقت دونوں کا مشورہ ضرور لیتے تھے۔

عیدو اب جوان ہو گیا تھا لوگ شادی کا مشورہ دیتے مگر رشید میاں اس کی شادی کے حق میں نہیں تھے، کیونکہ شادی کے بعد عیدو رشید میاں کے یہاں نہیں رہے گا

ایک روز عیدو غائب ہو گیا اور تین چار روز کے بعد آیا۔ رشید میاں نے غیر حاضری کا سبب پوچھا تو پہلے وہ کچھ نہیں بولا، جب رشید میاں نے سختی سے پوچھا تو اس نے کہا "مستان بابا نے اس پہاڑی کے مزار پر بھیج دیا تھا، کہا تھا وہاں جاؤ اور دو تین روز مزار کے قریب رہنا اور دعا کرنا کہ تمہاری شادی ہو جائے اس لیے میں تین روز تک غائب رہا تھا"۔ رشید میاں کو غصہ آیا، عیدو کو مارا اور کہا کہ تم میرے گھر سے نکل جاؤ۔ مستان بابا جو کہتے ہیں وہ کرو تمہارے جیسے کام چور نوکر کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر عیدو بھی مستان بابا کے یہاں رہنے لگا۔

☆

آوارہ تھی پکڑی گئی

اسلم بھیا!! اسلم بھیا دروازہ کھولیے

اچھا آتا ہوں، کیسے ہو راجو (ریاض الدین) بولو کیسے آنا ہوا ؟

تم ادھر ادھر کیا دیکھ رہے ہو؟

ارے بھابھی جان کو نہیں دیکھ رہا ہوں، بچے بھی نہیں، کہیں گئے ہیں کیا؟

یار راجو! تمہاری بھابھی بہت دنوں سے آوارہ تھی اور کل پکڑی گئی ہیں۔

کیا کہہ رہے ہو اسلم بھائی تعجب ہو رہا ہے، حیرت کی بات ہے۔

بھائی ریاض میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔

نہیں اسلم بھائی آپ مذاق کر رہے ہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔

میں مذاق نہیں کر رہا ہوں کئی روز سے اپنے میکے آوارہ نگر گاؤں میں تھی اور کل صبح وہ اپنی خالہ کے گاؤں " پکڑی " گئی ہے۔

☆

جہیز

مدن لال نے اپنی لڑکی کی شادی کی پوری تیاری کر رکھی تھی۔ تاریخ مقررہ پر بارات لے کر لڑکے والے پہنچ گئے۔ مدن لال پریشان تھے کہ وعدہ کے مطابق شادی سے پہلے انہیں دلہا کے والد کو ۴۰ ہزار روپیہ کرنا تھا مگر ۴۰ ہزار روپیوں کا انتظام نہیں ہو پایا

مدن لال نے دلہا کے باپ سے بار بار کہا کہ شادی ہو جانے دیجیے ایک دو مہینے بعد پورا روپیہ مل جائے گ۔ لیکن لڑکے کے باپ نے ایک نہ سنی اور بولے "تمہارے جیسے لوگ میں نے بہت دیکھے ہیں۔ جب تک روپیہ نہیں ملتا لڑکا منڈپ پر نہیں جائے گا۔

پھر کیا تھا، مدن لال بھی باراتیوں کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ لڑکی سے یہ سب برداشت نہ ہو سکا، اس نے اپنے کلاس فیلو ساتھی جو اسی شہر میں ڈی ایس پی تھا فون کر دیا اور پوری باتیں کہہ دیں۔ ڈی ایس پی سے کہا کہ آپ آ جائیں مگر لڑکے اور اس کے والد کو گرفتار نہیں کریں گے۔ صرف آپ کا آنا ہی کافی ہے۔

لڑکے کے والد سے لڑکی نے کہا کہ آپ بے شک بارات واپس لے جائیں مجھے شادی نہیں کرنی ہے۔ اسی درمیاں ڈی ایس پی پہنچ گئے لڑکا اور اس کے باپ ان کو دیکھ کر ڈر گئے اور مدن لال سے معافی مانگنے لگے۔ ڈی ایس پی لڑکے کے باپ کو ایک طرف لے گئے اور اپنے پاس سے ۴۰ ہزار روپیہ دیا اور کہا کہ یہ میری بہن ہے جہیز کے ۴۰ ہزار روپیہ لے لیجیے اور شادی کر کے جائیے۔ مگر لڑکے اور اس کے باپ روپیہ لینے سے انکار کرتے رہے اور مدن لال سے معافی مانگ رہے تھے۔

آخر لڑکے اور اس کے باپ بغیر جہیز لئے شادی کرنے کو تیار ہو گئے۔ شادی دھوم دھام سے ہو گئی۔ ڈی ایس پی نے اپنی منہ بولی بہن کو ڈولی میں بٹھا کر روانہ کر دیا، لڑکے کے باپ کی گردن ندامت سے جھکی ہوئی تھی اور لڑکا بھی پشیمان تھا۔

☆☆☆

کتابوں کے شہر میں

(تبصرے کے لئے دوکاپیوں کا آنا ضروری ہے)

اگر اپنی کتابوں کا اشتہار بھی دیں تو تبصرہ ترجیحی بنیاد پر جلد شائع کیا جائے گا۔ایک صفحے کے اشتہار کی شرح ایک ہزار روپے ہے۔تبصرے کے لیے کافی کتابیں جمع ہو چکی ہیں۔ان پر تبصرہ ترتیب وار شائع ہوتا رہے گا۔(ادارہ)

کتاب کا نام: نئے مزاج کا ساون (شعری مجموعہ)

شاعر: ارشادمظہری مبصر: سعید رحمانی

ارشادمظہری صاحب کا تعلق مغربی بنگال کے مردم خیز خطہ شہر کولکاتا سے ہے جسے عرفِ عام میں شہرِ نشاط کہتے ہیں۔اس خطے سے ان گنت شاعروں اور ادیبوں کا ظہور ہو چکا ہے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔انھیں شاعروں میں ایک ابھرتا ہوا نام ارشادمظہری کا بھی شامل ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ ان کی اولین پیش کش ہے۔اس کی ابتدا حسبِ معمول حمدِ باری نعتِ پاک اور منقبت سے ہوئی ہے۔ان تقدیسی اصناف میں ارشادمظہری کے جذبِ دروں اور عقیدت مندانہ جذبات مترشح ہیں۔بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

تری قادری تری ماجدی تری اکبری ترا مظہری
اے مرے خدا اے مرے خدا مرا فن بھی تیرا کمال ہے
وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا جس میں صدیاں جذب ہوئیں
اس لمحے کی عظمت کیا ہے پا کر ہم کھو جائیں گے
سینچا ہے اپنے خون سے گلزارِ مصطفےٰ۔اسلام کی بنا ہے شہادت حسین کی
منقبت ارشاد لکھنا اس قدر آساں نہ تھا
دے گئی پرنور لمحہ ذات غوثِ پاک کی

ان کی غزلیہ شاعری کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ وہ اپنی آنکھوں کھلی رکھتے ہیں اور اردگرد رونما ہونے والے واقعات وسانحات کو شعری پیکر عطا کر کے اپنی عصری حسیت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ان کی غزلوں میں جمالیات کی جاذبیت بھی ہے تو سماجیات کی وسعت بھی ہے۔اہم بات یہ ہے کہ ان غزلوں میں دل کو ٹھنڈک پہنچانے والی کیفیت کے ساتھ ساتھ دماغ کو حرارت دینے والی تمازت کا احساس بھی ہوتا ہے۔انھوں نے سیاحتِ فکر کے دوران منظروں کے جو بیش قیمت موتی جمع کیے ہیں انھیں خوبصورت لفظوں کا پیکر عطا کر کے عمرِ دوام بخشا ہے۔اس ضمن میں نمونے کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

میں جس کی جستجو میں بھٹکتا ہوں در بہ در
میرے بدن میں مجھ سے ہی چھپ کر رہی ہے کیا
ابھی تو یے ہو جانے کی بات کرتے ہو۔ذرا سا ٹھہرو ذرا دل بہلنے والا ہے

تمہارے ساکت ہونے سے سب چراغ بجھے
اندھیرا بن کے ڈراتی ہے زندگی مجھ کو
میں بھی تنہائیوں سے لڑتا ہوں۔وہ بھی میری طرح اکیلی ہے
اک تری تصویر میری ڈاک سے کیا ملی
ساری دنیا سے ہوئی پھر دشمنی تیرے لیے
نئے مزاج کا ساون ہے آگ برسے گی
تمہاری یاد کا جنگل بھی جلنے والا ہے

جب وہ جمالیات کی ٹھنڈی فضا کے ماحول سے باہر نکلتے ہیں تو عصری حالات کی تمازت کا احساس ہوتا ہے اور ان کی نوکِ قلم سے اس طرح کے اشعار ڈھلنے لگتے ہیں:

مجروح دل ہے اور نظر اشک بار ہے۔انسانیت کے خوں کا رواں آبشار ہے
الزام اس پہ کون لگائے مرے عزیز۔بستی جلانے والا بہت پروقار ہے
دھوپ ڈر جاتی ہے آنگن میں اترتی ہی نہیں
کون رکھ جاتا ہے چھپر میں نئی اک الجھن
پھول کیوں کر کھلیں سچ کی شاخوں میں اب
کام راون کا جب رام کرنے لگے
میری قسمت بوڑھے مزدوروں سی ہے۔تھک چکی تھی بیٹھتے ہی سو گئی

غزلوں کے بعد چند قطعات اور منظومات بھی شامل ہیں جن میں میرے خدا ماں اور خریدار جیسی نظمیں شاعر کی فکری جہت سے روشناس کراتی ہیں۔

مذکورہ اشعار کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ ارشادمظہری کی شاعری عصری زندگی کا ایک ایسا آئینہ خانہ ہے جس میں زندگی اور اس کے بطن سے پھوٹنے والے مسائل عکس ریز ہیں۔مختصر کہنا چاہوں گا کہ ان کی اولین پیش کش ان کے درخشاں مستقبل کی ضامن ہے اور ہمیں امید ہے ان کی اگلی پیش کش اور بھی شاندار ہوگی۔

۱۳۶ صفحات کو محیط اس مجموعے کی قیمت ہے ۹۸ روپے اور شاعر کا پتہ ہے:

25/1/2Topsia Road.Kolkata-700039(W,B)
Mob:9902214//8240099069

کتاب کا نام: ذائقتہ الموت (منظومات)

شاعر: منیر سیفی مبصر: سعید رحمانی

قطعہ ایک ایسی مختصر نظم ہے، جس میں اشعار کی تعداد متعین نہیں ہوتی۔ عموماً چار مصرعوں پر مشتمل نظم کو قطعہ کہا جاتا ہے۔ اس کی کوئی متعین بحر بھی نہیں ہوتی ہے۔ اس میں عام طور سے کسی خاص خیال یا تجربے کو پوری شدت اور وحدت تاثر کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

کلاسیکی شاعروں نے جو قطعات کہے ہیں ان میں غزل رنگ اشعار پائے جاتے ہیں۔ اس طرح کے قطعات میں دو یا اس سے زیادہ اشعار میں کسی مضمون کو تسلسل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ بعد میں شعرا نے قطعہ کو مزید وسعت دی اور اسے ایک علاحدہ مقام عطا کیا۔

قطعہ چونکہ غزل سے برآمد ہوا ہے اس لیے اسے غزل کی ہیئت میں ہی کہا جاتا ہے۔ اس کے ہر شعر کے دوسرے مصرع میں قافیہ ضرور ہوتا ہے۔ مگر غزل کی طرح اس میں مطلع کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس صنف کو جن شعرا نے استحکام بخشا ان میں وحید الدین سلیم اور نریش کمار شاد کا نام پیش پیش ہے۔ انھوں نے اس صنف کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

ماضی اور حال میں جن شعرا نے اس فن کو مزید جلا بخشی ان کے نام ہیں: میر تقی میرؔ، دردؔ، غالبؔ، برقؔ، رشکؔ، امیر مینائی، جلال لکھنوی، جلیل مانک پوری، محسن کاکوروی، سلیم لکھنوی، پنڈت برج نرائن چکبست، عزیز لکھنوی، شبلی، اکبر الہ آبادی، شاد عظیم آبادی، فانی بدایونی، تلوک چند محروم، علامہ اقبال، اختر شیرانی، جوش ملیح آبادی، فراق گورکھ پوری، روش صدیقی، احمد ندیم قاسمی، مومن، آرزو لکھنوی، یاس لکھنوی، ذاکر حسین، آنند نرائن ملا وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ بالا کوائف کی روشنی میں منیر سیفی صاحب کی کتاب "ذائقتہ الموت" میں شامل قطعات قطعہ گوئی کے معیار میں پورے اترے ہیں اور یہ بھی قطعات در اصل تعزیت نامے ہیں۔ جن حضرت نے شعر و ادب اور معاشرتی میدان میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں یہ قطعات ان کے سانحہ ارتحال کی تاریخ پر مبنی ہیں۔ پروفیسر انیس امام کی وفات پر یہ قطعہ ملاحظہ فرمائیں:

ہیں ابھی تک تازہ زخموں کے گلاب۔ لب پہ سب کے ہے وہی "حرفِ خودی"
"وہ تھے "کوزے میں سمندر" علم کا۔ بانٹتے تھے علم کو جو روشنی
آگ تھی دل میں تو آنکھوں میں دھواں۔ ہم نے جو تاریخ رحلت یہ کہی
2013

ایک اور قطعہ ملاحظہ فرمائیں جو کریم نگر کے معروف شاعر حفیظ انجم کریم نگری کی وفات پر مبنی ہے۔

تو اپنے اشعار میں ہے زندہ، غزل تری گنگنا رہے ہیں
ہوا ئیں اہلِ چمن یہ کہہ کر نے حفیظ انجم کریم نگری
ندا دی ہاتف نے غیب سے یہ منیر تاریخ رحلتش کہہ
"مقیم باغِ بہشت میں ہے" حفیظ انجم کریم نگری
2015

قطعہ کی صورت میں تاریخ گوئی کا ارتقا مغلیہ دور میں ہوا تھا۔ اس زمانے میں تاریخ گوئی پر مبنی قطعات فارسی زبان میں کہے جاتے تھے۔ اس کے بعد اردو میں بھی قطعہ گوئی کا آغاز ہوا۔ آج کل یہ فن روبہ زوال ہے کیونکہ تاریخ پر مبنی قطعہ کہنے میں دماغ پاشی کرنا پڑتی ہے اور ساتھ ہی ایک ہی قطعہ کہنے میں بہت غور و فکر کرنا پڑتا ہے اور وقت بھی زیادہ لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غالبؔ جیسے جید اور استاد شاعر بھی قطعہ کہنے سے گریز کرتے تھے۔

بہرحال یہ کہنے میں باک نہیں کہ منیر سیفی صاحب نے ان تعزیتی قطعات کو کہنے میں یقیناً عرق ریزی کی ہوگی۔ اس کتاب میں ۱۱۹ قطعات کے علاوہ آخر میں چند مشاہیرِ ادب پر مبنی منظومات شامل ہیں۔ ان قطعات کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ اس فن پر موصوف کو دسترس حاصل ہے۔ رواں دواں اور سلیس زبان میں کہے گئے یہ بھی قطعات نہ صرف لائق تعریف ہیں بلکہ اردو شعر و ادب کے ذخیرے میں بیش قیمت اضافے کا باعث بھی ہیں۔ ۱۶۸ صفحات کو محیط اس کتاب کی قیمت ہے ۴۰۰ روپے، جسے مصنف کے درج ذیل پتے سے حاصل کیا جاسکتا ہے:

Muneer Saifi.At Malik Lane.Samanpura
B.V.C.Patna-800014(Bihar)

☆☆☆

کتاب کا نام: شاعرِ وقت (دیوان)

شاعر: عمران راقم مبصر: سعید رحمانی

عمران راقم صاحب کا تعلق شہرِ نشاط کولکاتا سے ہے، جسے اردو کا ایک زرخیز علاقہ بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہاں اردو کے انگنت شعراء و ادبا موجود ہیں، اردو کے ذخیرے کو مالا مال کرنے میں دن رات مصروف رہتے ہیں۔ متعدد اردو اخبارات و رسائل بھی یہاں شائع ہو رہے ہیں۔ احمد سعید ملیح آبادی، اعزاز افضل، احمد رئیس، احمد کمال حشمی، انجم عظیم آبادی، اختر بارکپوری جیسے قدیم شعراء کے علاوہ نئی نسل کے بہت سارے شعراء و ادباء اور صحافی زبان و ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ انہیں شخصیتوں میں ایک معروف نام عمران راقم کا بھی ہے جو شعر و ادب، نقد و تحقیق اور صحافت کے میدان میں فعال ہیں۔ ایک ادبی رسالہ بنام "صورت" ان کی ادارت میں شائع ہو رہا ہے۔ ان کی گرانقدر خدمات کے اعتراف میں بہار اردو اکاڈمی، اڈیشا اردو اکاڈمی اور متعدد ثقافتی ادارے انہیں انعام و اکرام

سے سرفراز کر چکے ہیں۔ان کا ادبی سفر ۲۰۰۰ء سے جاری ہے۔اس دوران ان کے جو مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں ان کے نام ہیں "نئی آواز" "نئی زمین" اور غزل زار۔

زیر نظر مجموعہ "شاعرِ وقت" دیوان کی صورت میں ان کی تازہ ترین تخلیق ہے جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے تین سو سے بھی زائد غزلیں شامل ہیں۔اس میں شک نہیں کہ عمران راقم ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں اور اس کا اعتراف کرنے والوں میں ڈاکٹر انور سنجر بلال بھارتی' ڈاکٹر رؤف خیر، ڈاکٹر محمد کلیم رضا، سید نسرین نقاش، ایم نصر اللہ نصر، ڈاکٹر اکرم نقاش اور رہبر گیاوی جیسی معروف شخصیتیں شامل ہیں۔

اس کتب میں شامل غزلیں عصری حالات کا ایک ایسا آئینہ خانہ ہیں جس میں جمالیات' معاشرتی ناہمواریوں اور اخلاقی گراوٹ کے ساتھ ساتھ شاعر کے اپنے مشاہدات و تجربات بھی عکس ریز ہیں۔متفرق موضوعات پر مبنی ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

سمجھا تھا جسے ناخدا امید کا ساحل۔ کشتی کو اسی نے مری غرقاب کیا ہے

وہ میرا دوست ہے قاصر ہے اپنی فطرت سے
مرے خلاف وہ شامل عدو میں رہتا ہے

منزل انھیں مراد کی ملتی نہیں کبھی۔ ہمت جو ہار جاتے ہیں مشکل کے روبرو

لباس جن کے بدن پر بہت ہی اجلے تھے۔ انھیں کے دل تو مگر کوئلے سے کالا تھا

اچھا ہے وہ سماج جہاں اچھے لوگ ہیں۔ انسان ہی بناتا ہے اچھے برے سماج

ہر سمت ہے چلا ہوا قاتل کا یہ نظام۔ اب ایک ہی مقام پہ مقتل نہیں رہا

فرصت نہیں ہے آج کسی آدمی کے پاس
کچھ دیر رک کے سانس لے جو زندگی کے پاس

ہر اک شعر میں راقم کے ہے وہی شامل
جو تذکرے میں سدا گفتگو میں رہتا ہے

اسلوب ترا' طرز سخن سب سے ہے جدا
ہے ذہن پہ راقم یہ ترے اس کی عطا خاص

مذکورہ بالا اشعار سے ظاہر ہے کہ عمران راقم اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں اور اردگرد رونما ہونے والے واقعات و سانحات کو شعری پیکر عطا کر کے اپنی عصری حسیت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

ڈاکٹر سنجر بلال بھارتی صاحب نے بجا فرمایا ہے کہ "عمران راقم کے پاس ان گنت ساعتوں کا نچوڑ اور تجربات و مشاہدات ہیں کہ خیالات عمومی ہو کر بھی خصوصی ہو جاتے ہیں۔وہ معمولی سی معمولی بات کو غیر معمولی بنانے کا ہنر جانتے ہیں۔اس لیے ان کے اشعار بسا اوقات ہمیں فکری بلندی کی طرف لے جاتے ہیں"۔

آج کے اس تیز رفتار دور میں دیوان جیسی صنف کی تخلیق کے لیے وقت ملنا دشوار طلب بات ہے۔اس لیے آج کل دیوان کی تصنیف نفی کے برابر ہو چکی ہے۔عمران راقم صاحب نے اس کا احیا کر کے دیوان گوئی کو ایک نئی زندگی دینے کی کامیاب کوشش کی ہے اور یہ دیوان دیگر شعرا کے لیے تحریک کا باعث ہو سکتا ہے۔آخر میں اتنا کہنا چاہوں گا کہ عمران راقم صاحب نے دیوان کے لوازم کا پورا پورا خیال رکھ کر پیش کیا ہے جس کے لیے وہ لائق مبارکباد ہیں۔۳۱۶ رصفحات کو محیط اس ضخیم کتاب کی قیمت ہے 450 روپے اور شاعر کا پتہ ہے:

Imran Raaqim.
SooratPublications.3.Grant
Street.Kolkata-13(West Bengal)

کتاب کا نام: الف کے بعد (حمد نعت و منقبت)
شاعر: مدہوش بلگرامی مبصر: سعید رحمانی

اردو شعر و ادب کے منظر نامہ میں مدہوش بلگرامی منفرد شناخت کے حامل ہیں۔ان کا تعلق بلگرام سے ہے جو اتر پردیش کا ایک مردم خیز خطہ کہلاتا ہے اور جس کی سرزمین سے متعدد معروف شعرا و ادبا کا ظہور ہو چکا ہے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔جن شعرا و ادبا نے شعر و ادب کے ذخیرے کو مالا مال کیا ہے ان میں سے چند نام ہیں مرتضٰی علی بلگرامی' مولانا حمد بلگرامی' وصل بلگرامی' ہوش بلگرامی' شاداں بلگرامی جیسے اساتذہ پیش پیش رہے ہیں۔یہاں کے شاعروں نے غزل کے مقابلے میں حمد و نعت اور منقبت کے علاوہ رباعی، قطعات، نوحہ و مرثیہ جیسی اصناف کو بام عروج تک پہنچایا۔ یہاں میلے ٹھیلے، نورانی مجلسیں اور تعزیہ داری کا اہتمام بھی بڑے جوش و خروش سے کیا جاتا ہے۔

اسی مردم خیز خطے میں مدہوش بلگرامی نے آنکھیں کھولیں۔وہاں کے ادبی ماحول نے انھیں شاعری کی تحریک دی اور وہ طالب علمی کے زمانے سے ہی شاعری کرنے لگے۔اگر چہ وہاں کے شعراء کلاسیکی اور رومانی شاعری کے رسیا تھے' مگر مدہوش بلگرامی صاحب نے جدید شاعری کو ترجیح دی اور جدید لب و لہجہ کے شاعر اختر شاہجہانپوری صاحب سے اصلاح لینے لگے۔وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اختر شاہجہان پوری صاحب سے وابستگی کے نتیجے میں ان کی شاعری برگ و بار لانے لگی اور وہ ترقی کی راہوں پر گامزن ہو گئے۔۳۵ رسالہ ادبی سفر کے دوران ان کی سات عدد کتابیں منظر عام پر آ کر اہل ادب سے خراج حاصل کر چکی ہیں۔ان کتابوں کے نام ہیں تلاش و تعبیر'

ترسیل، حرف آگہی، مہرباں کیسے کیسے، بزم چراغاں اور حرف بحرف وغیرہ۔
زیر نظر تصنیف "الف کے بعد" نعتوں اور منقبتوں کا مجموعہ ہے۔
نعتیہ شاعری کے لیے شریعت پر گہری نظر اور قرآنی علم سے آشنا ہونا ضروری ہے۔ یہ ایک مشکل صنف ہے، ذرا سی چوک پر قدم لڑکھڑانے کا خطرہ رہتا ہے۔ اسی لیے عرفی نے نعت کہنے کو تلوار کی دھار پر قدم رکھنے کے مماثل قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

مدہوش بلگرامی صاحب اس حقیقت سے آشنا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے رہ سنبھل کر نعتیں کہی ہیں۔ اس کے باوجود وہ اعتراف کرتے ہیں کہ "میں اردو زبان کا ایک ادنیٰ سا طالب علم ہوں، ایک خادم ہوں۔ رہی بات نعتیہ شاعری کی جو میں مٹی کا پتلا ہوں، انسان ہوں کوئی فرشتہ نہیں ہوں لغزش، خامی وکوتاہی ممکن ہے، میں نے اس گلدستہ میں صرف اپنے دل کے جذبات وخیالات' حضور اکرم سے عشق ومحبت اور صفات وکرم کا اظہار کیا ہے"۔ بطور نمونہ ان کے چند نعتیہ اشعار پیش ہیں۔

رحمت تمام کردی ہے میرے نبیؐ کے نام
خالق بھی اپنے پیارے پہ کتنا فدا ہوا

دکھا کر اپنے کردار و عمل کا آئینہ مدہوش
عطا کی ہے مرے آقا نے نادانوں کو دانائی

قدم جب آئے طیبہ میں حبیب کبریا کے
فضائیں گونج اٹھیں خیر مقدم کی صدا سے

طیبہ کی زمیں کو جب آقا نے شرف بخشا
ہر گام پہ صحرا میں گلزار نظر آئے

عشق آقا میں مدہوش رہتا ہے جو
زندگی صرف اس کی قرینے میں ہے

بدلا دعا سے دیتے تھے ظالم کے ظلم کا
تھی کیسی بے مثال یہ فطرت رسول کی

بلا تفریق سب پر لطف ہے شرق سے مغرب تک
انہیں رحمت کا اک ابرِ رواں کہنا ہی پڑتا ہے

مشتے نمونہ از خروارے یہ اشعار پیش کیے گئے ہیں ورنہ اس قدر بہت سارے اشعار اس مجموعے میں ہیں جو مرکزِ توجہ بنتے ہیں۔ اس مختصر سے تبصرہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ مزید اشعار کا حوالہ دوں۔ بہر حال آخر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ مدہوش بلگرامی صاحب ایک خوش فکر اور باصلاحیت نعت گو کی حیثیت سے ہمارے سامنے آئے ہیں اور نعتوں کا گلدستہ پیش کیا ہے جو بہر طور لائق ستائش ہے۔ مجموعہ کے آخر میں نعتیہ رباعیات، قطعات، منقبت، سلام اور متفرق اشعار بھی شامل ہیں جو مدہوش بلگرامی صاحب کے جذبۂ دروں کے آئینہ دار ہیں۔ امید واثق ہے کہ نعتیہ شاعری کے گنجینہ میں یہ مجموعہ ایک بیش قیمت اضافہ ہوگا۔ ۱۴۴ رصفحات کو محیط اس کتاب کی قیمت ہے ۱۵۰ر روپے اور شاعر کا پتہ ہے۔

Madhosh Bilgrami,224-Behera Saudagar
East-Hardoi (UP)

☆☆☆

پروفیسر مشہود حسن رضوی
53/Model town.Acbn No:498
Bhawalpur.Pakistan

ایک غزل

دریچہ گھروں کا تو کب سے کھلا ہے
ذرا دیر میں آنے والی ہوا ہے

سمجھ میں نہ آئے اسے کیسے دیکھوں
کہ دربار اس کا جو بند ہوگیا ہے

اسے لوگ پہچان پائیں گے کیسے
نقابوں میں چہرہ جو اس کا چھپا ہے

کیا اس نے کرتوت ایسا جہاں میں
وہ سب کی نگاہوں سے اب گر گیا ہے

کیا تھا جو احسان مجھ پر بہت ہی
مرا دل اسے یاد کرتا رہا ہے

مری مشکلوں کو تو آسان کردے
خدا سے اے مشہود یہ التجا ہے

طرحی مشاعرہ

مصرع طرح "ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا" پر غزلیں پیش ہیں۔ اگلے شمارے کے لیے طرح نوٹ فرمائیں: "میں ایک شخص کو اپنے پہ مہرباں دیکھوں" (شاعر۔ صہبا وحید۔ قوافی: مہرباں، امکاں قدرداں وغیرہ۔ ردیف: دیکھوں۔ پانچ اشعار پر مشتمل آپ کی طرحی غزل ۱۵ رجون ۲۰۲۵ء کے اندر ہمیں مل جانی چاہیے۔ رسالہ اگر تاخیر سے ملے تو وصول یابی کے ایک ہفتے کے اندر ارسال کر سکتے ہیں۔ ادارہ

افضل مظفر پوری۔ بہار
Mob-9955029167

بدگمانی اپنے دل میں بدگماں لے جائے گا
دو اور تحسین لیکن حق بیاں لے جائے گا

موت آئے گی کہانی ختم ہو جائے گی بس
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

اہلِ فن اہلِ قلم سب دیکھتے رہ جائیں گے
لوٹ کر محفل کوئی شیریں زباں لے جائے گا

دل ہی لے کر جاؤں گا میں بھی دیارِ یار میں
چاند پر جائے گا کوئی کہکشاں لے جائے گا

بات متوالی ہے افضل تو زباں شیریں کرو
لوگ تیرے ساتھ جائیں گے جہاں لے جائے گا

عظمت علی عظمت (کرنول)
Mob-9866792509

کیا خبر یہ راستہ ہم کو کہاں لے جائے گا
کون سی منزل کی جانب کارواں لے جائے گا

لمحہ میری عمر کا پل پل گزرتا ہے جواب
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

رہبری پر تیری ہے مجھ کو بھروسا اس قدر
میں چلوں گا ساتھ تیرے تو جہاں لے جائے گا

فکر میں ڈوبا ہوا ہے جو پرندہ آجکل
شاخ نازک سے کہاں وہ آشیاں لے جائے گا

جان نہ پائے گا کوئی حال دل عظمت یہاں
میرا ہر اک رز میرا رازداں لے جائے گا

فرحت صابری۔ مظفر پور، بہار
Mob-9199092786

جو جبینِ دل پہ سجدوں کا نشاں لے جائے گا
گویا وہ اپنا مقدر ضو فشاں لے جائے گا

یاد رکھ شہر خموشاں کے اندھیروں کی گھٹن
کیا اجالوں کا وہاں بھی کارواں لے جائے گا

سب کریں گے رشک اس کی سرفرازی دیکھ کر
جو عمل اپنا وہاں تب و تواں لے جائے گا

چھوڑ کر نقشِ وفا اہل جہاں کے درمیاں
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

رنگ لائے گا ہمارا عشق فرحت صابری
فاصلے جو ہیں ہمارے درمیاں لے جائے گا

سمیع احمد ثمر۔ سارن (بہار)
Mob-7488820892

میری یادوں کا حسیں وہ گلستاں لے جائے گا
ساتھ اپنے پیار کی اک داستاں لے جائے گا

ایسا اک طوفان برپا ہونے والا ہے یہاں
جو اڑا کر ساتھ اپنے آشیاں لے جائے گا

رہنما کی شکل میں آئے گا پیغام اجل
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

جو تحفظ دے رہا ہے زندگانی میں مجھے
منزل مقصود تک وہ پاسباں لے جائے گا

رونقیں ہونے لگیں ہیں ختم دنیا سے ثمر
آسمان فکر سے وہ کہکشاں لے جائے گا

نظیر راہی۔۔۔ کولکاتا
Mob-9831951871

ساتھ میں میری نشانی وہ جہاں لے جائے گا
یہ سمجھ لیجے کہ وہ آہ و فغاں لے جائے گا

کیا خبر تھی دے کے تاریکی مجھے وہ ایک دن
وہ چھپا کر ساتھ اپنے کہکشاں لے جائے گا

موسم گل کی تمنا دل میں رکھتا ہے مگر
ساتھ تجھ کو دیکھنا دور خزاں لے جائے گا

ایک لمحہ آئے گا پیغام لے کر موت کا
ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا

وہ مجھے گر بھولنے کی ضد میں ہے راہی نذیر
چھوڑ کر تنہا مجھے دردِ نہاں لے جائے گا

شمیم القادری، مظفر پور بہار
Mob-9507632100

صرف چھپر ہی نہیں سارا مکاں لے جائے گا
درد دل دے جائے گا آہ و فغاں لے جائے گا

وقت ایسی لے رہا ہے کروٹوں پر کروٹیں
ہر زباں رہ جائے گی اردو زباں لے جائے گا

ٹھوکروں پر ٹھوکریں دیتا رہا جو روز و شب
باندھ کر زنجیر جانے اب کہاں لے جائے گا

جانے والا جائے گا جب آنکھ اپنی موند کر
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

یہ کلام عمدہ سے عمدہ ہے شمیم القادری
یہ تجھے اہل سخن کے درمیاں لے جائے گا

نظام پھولیاوی۔ مظفر پور بہار
Mob-9973047938

جو یہاں گزری ہے اس پر عمل لے جائے گا
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

چل پڑا ہوں میں اکیلا راستہ دشوار ہے
ساتھ مجھ کو کیا امیر کارواں لے جائے گا

چاروں جانب ہی اندھیروں کا ہے پہرا جان من
اب مجھے اس سے بچا کر تو کہاں لے جائے گا

پوچھتا رہتا بھی ہے سب کے دلوں کا حال جو
دل سبھوں کا جیت کر وہ مہرباں لے جائے گا

رکھتا رغبت ہے بھلائی سے نظام الدین جو
دامنِ دل میں وہ ناصح کا بیاں لے جائے گا

سید خادم رسول عینی، کرنول
Mob-9527865833

جو مقدر میں تھا اس کو بے گماں لے جائے گا
دے کے صحرا کوئی ہم کو گلستاں لے جائے گا

نیکیاں کر لے یہی پونجی ہے تیرے واسطے
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

جائے گا اک روز خالی ہاتھ تو سوئے عدم
مال اور دولت بچا کر تو کہاں لے جائے گا

بیٹھ جاتے ہیں سفینے پر خدا کے نام سے
جانے ہم کو کس طرف آبِ رواں لے جائے گا

فرض ہے اپنا یہی چلتے رہیں گے بے جھجک
جس طرف بھی عینی میر کارواں لے جائے گا

تنویر پھول۔ امریکہ
Mob-0015182217060

یار اپنا آئے گا کوئے بتاں لے جائے گا
جانتا ہوں گمرہی ہے وہ جہاں لے جائے گا

موت کا ہرکارہ آئے گا خدا کے حکم سے
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

نت نئی تبدیلیوں پر عقل بھی حیراں ہوئی
آنے والا دور دنیا کو کہاں لے جائے گا

نسل نو کی تربیت ہے لازمی رکھو خیال
ناخلف جو ہے وقار خانداں لے جائے گا

باغباں کے بھیس میں آیا ہے گلشن لوٹنے
پھول کلیاں اور سارا گلستاں لے جائے گا

عارف محمد عارف۔ بھدرک اڈیشا
Mob-7504136004

تم جہاں سے آ نہ پاؤ گے وہاں لے جائے گا
ایسی بربادی کی جانب مہرباں لے جائے گا

تم بھی ترسو گے ستاروں کے لیے میری طرح
جب تمہارے سر سے کوئی آسماں لے جائے گا

جو نہ مل پائے اسی کی جستجو میں دوستو
میرا یہ دیوانہ پن جانے کہاں لے جائے گا

دن بدن بڑھتی چلی جاتی ہے ساقی کی ہوس
لگ رہا ہے مجھ سے وہ سارا جہاں لے جائے گا

جانتے ہیں اتنا عارف دور ہے منزل کہیں
ہم کو جانا ہے جدھر یہ مہرباں لے جائے گا

ڈاکٹر ممتاز منور۔ پونے (انڈیا) Mob-9881469520

وقت کا طوفان ماضی کے نشاں لے جائے گا
تھے سنبھالے عمر بھر جو نا گہاں لے جائے گا

ہے تلاطم خیز دریا پھر بھی دل کو ہے یقیں
ڈال دی کشتی بھنور میں پاسباں لے جائے گا

آزمائش زندگی میں ہر قدم پڑ ہر گھڑی
کیا خبر ہم کو کہاں یہ امتحاں لے جائے گا

چل دیے تقلید میں اس کی نہیں سوچا کبھی
راہ بر پہ ہے بھروسا وہ جہاں لے جائے گا

جس کے دم سے ہر خوشی ہے وہ بچھڑ جائے اگر
"ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا"

سبطین پروانہ، کٹیہار۔ بہار Mob-9472217246

عزم محکم رہبر منزل نشاں لے جائے گا
مرحلہ بھی خوبصورت درمیاں ہو جائے گا

اس کی ہمت کو کرے گی ساری دنیا پھر سلام
جب وہ اپنے ہر قدم پر کہکشاں لے جائے گا

اشک پی کر مسکرانے کا ہنر رکھتا ہے جو
ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا

درد کا قصہ سنا کر میرا ہمدم ایک دن
زندگی سے ہر خوشی کی داستاں لے جائے گا

بات یہ پروانہ میں تو کبھی سوچی نہ تھی
شاخ گل سے توڑ کر گل باغباں لے جائے گا

سعید قادری، مظفر پور۔ بہار Mob-9262934249

آئے گا شیریں سخن شیریں زباں لے جائے گا
فکر کی دہلیز سے لفظ و بیاں لے جائے گا

کل گزشتہ سرخیاں تھیں سب ہی اخبار میں
شاخ گل رہ جائے گی گل باغباں لے جائے گا

بعد میں احساس ہوگا دیکھ لینا آخرش
جیب خالی کر کے جب پیر مغاں لے جائے گا

ہوگا رخصت اس جگہ سے کاروانِ شوق جب
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

خوب لکھی ہے غزل تو نے سعید قادری
مانگ کر تجھ سے کوئی شیریں زباں لے جائے گا

یونس عاصم۔ کٹک Mob-9090156995

چھین کر جب وہ مری شیریں زباں لے جائے گا
غیر ممکن ہے مرا حسن بیاں لے جائے گا

زرد موسم کا گزر صحن چمن سے ہوگا جب
پھول کی نکہت کلی کی شوخیاں لے جائے گا

رات دن کرتا ہوں میں جس آستاں کی جستجو
یہ جنون دل مرا مجھ کو وہاں لے جائے گا

منتظر ہیں ہم تو اس سورج کے یاد آج بھی
جو ہمارے عہد کی تاریکیاں لے جائے گا

اپنی یادوں کے تحائف دے کے عاصم ایک دن
ساتھ اپنے زندگی کی داستاں لے جائے گا

بدر محمدی، ویشالی، بہار Mob-9939311612

آگ سے جھونکا ہوا کا یوں دھواں لے جائے گا
چھوڑ کر جیسے یقیں کوئی گماں لے جائے گا

گو پسند اس کو نہیں سر پر ہمارے کہکشاں
دور اب کتنی مگر وہ آسماں لے جائے گا

با مکاں تھا تو یہاں رہنے دیا اس نے مجھے
دوسری دنیا میں کر کے بے مکاں لے جائے گا

ہر سر منزل پہنچنا طے ہے میرا ایک دن
جانہ پاؤں میں جو تنہا کارواں لے جائے گا

آخرت کو جنت و دوزخ میں ہے بانٹے ہوئے
سنتے ہیں وہ دو جگہ یہ اک جہاں لے جائے گا

رضا الباری اظہر۔ کٹیہار (بہار) Mob-9931164932

تجھ کو قرب رب ترا عشق نہاں لے جائے گا
اور دوزخ کی طرف تیرا گماں لے جائے گا

گر برے کاموں سے تو بھی واسطہ رکھتا نہیں
ساتھ اپنے نیکیاں ہی نیکیاں لے جائے گا

اور کچھ نہ لے سکے گا اس زمانے سے مگر
ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا

قوت باطل کے آگے حق بیانی یوں نہ کر
تجھ کو تختِ دار تک تیرا بیاں لے جائے گا

جس کو اظہر مہرباں اپنا سمجھتا تھا وہی
لوٹ کر تیری خوشی کا وہ جہاں لے جائے گا

منور علی تاج۔ اجین (ایم۔ پی) Mob-7000447654

ہر بشر اپنے عمل کی داستاں لے جائے گا
جب جہاں سے جائے گا نام و نشاں لے جائے گا

کس نے سوچا تھا کہ اک دن آئے گا ایسا کبھی
ہر کنول اس ویش کا امن و اماں لے جائے گا

آئے گا جب عزرائیل روح لینے کے لیے
"ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا"

یہ نہیں ممکن کبھی کوئی کہے یہ آپ سے
اپنے احساں مہربانی مہرباں لے جائے گا

کہہ رہا ہے تاج سبھوں سے تاج سانسوں کا سکوں
درد جب بھی جائے گا آہ و فغاں لے جائے گا

احمد ندیم مور سنڈ وی۔ کٹیہار (بہار) Mob-7488538928

ایسا لگتا ہے کہ سر سے آسمان لے جائے گا
دیکھیے کیسا ہے میرا مہرباں لے جائے گا

درد دل اپنا سناؤں گا اسے میں جب کبھی
میرے دل کے درد کی وہ داستاں لے جائے گا

اس نے جو تعریف کی ہے اس قدر میری یہاں
اس کے بدلے میرا تحفہ قدرداں لے جائے گا

جانتا ہوں ایک دن آئے گا وہ میرا رقیب
چھین کر میری خوشی جو نا گہاں لے جائے گا

یوں تو تنہا ہی رہا دنیا میں اب تک وہ ندیم
ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا

عدیل منصوری بارہ بنکی Mob-9415189119

جو بھی ماتھے پر عبادت کا نشاں لے جائے گا
بندگی و عشق کی وہ داستاں لے جائے گا

ظلم کی جو ساتھ اپنے داستاں لے جائے گا
پھر یہ طے سمجھو کہ وہ ناکامیاں لے جائے گا

کیوں حصول زر میں تو مشغول رہتا ہے سدا
آخرش یہ مال و دولت تو کہاں لے جائے گا

فکر کی پرواز اس کی اور بلند ہو جائے گی
عزم دل جو بھی برائے امتحاں لے جائے گا

تیرے اوصاف حمیدہ سے یہ لگتا ہے عدیل
ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا

اشفاق علی خیر آبادی، سیتا پور Mob-9807307077

پوچھتے ہو فکر کا طائر کہاں لے جائے گا
ہوگی جب پرواز سوئے آسماں لے جائے گا

تجھ کو اس دنیا سے جانا ہے یقیناً ایک دن
اس حقیقت کو چھپا کر تو کہاں لے جائے گا

چن لیا ہے میں نے اس کو آگہی کے واسطے
دیکھنا ہے کس طرف یہ کارواں لے جائے گا

کتنی ملت تھی ہمارے ملک کے اقوام کی
آج کا ماحول تو امن و اماں لے جائے گا

جب بہار آئے گی گلشن دیکھتے رہ جاؤ گے
موسم گل آئے گا دور خزاں لے جائے گا

رفیع احمد آفتاب، موتیہاری بہار
Mob-9934166376

ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا — عمر رفتہ کی طرح عمر رواں لے جائے گا
ہم نے بچوں کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے یار — کون ہے جو ساتھ اپنے آشیاں لے جائے گا
چال کوئی روشنی سے تیز تر ہوتی ہے کیا — گردشِ دوراں کو اک دن سائباں لے جائے گا
کیا بتائے گا کوئی کیسے بدلتا ہے مزاج — رات دن کو ساتھ اپنے گل نشاں لے جائے گا
مختلف راہیں لیکن ہم چلے ہیں ساتھ ساتھ — اپنے ہی ہمراہ ہمیں وہ مہرباں لے جائے گا

رمیش کنول، پٹنہ۔ بہار
Mob-8789761287

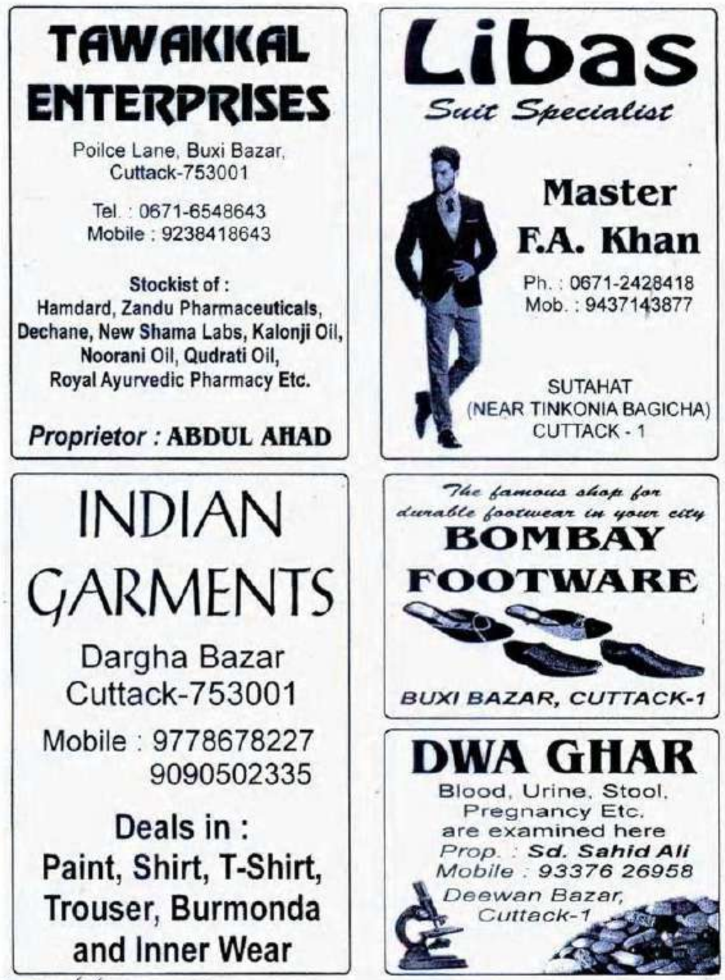
دل کے تہہ خانے سے سکھ کا آسماں لے جائے گا — دے کے اپنا غم خوشی کا کارواں لے جائے گا
میری آنکھوں میں بسے گا من کے دلکش خواب جو — دل کے دھڑکے سے جذبوں کا نشاں لے جائے گا
کیا خبر تھی کاسۂ دل سے لہو پی کر مرے — غم لکھے گا اپنا، میری داستاں لے جائے گا
آشنا کر دے گا ہم کو چاند تاروں سے مگر — وہ زمینِ عشق کی لذت کہاں لے جائے گا
رہنمائی میں چلو جو راہبر کے تم کنولؔ — رفتہ رفتہ سوئے منزل مہرباں لے جائے گا

ہمکر شیام، رانچی۔ جھارکھنڈ
Mob-9430358234

چل پڑوں گا ساتھ اس کے وہ جہاں لے جائے گا — دیکھتا ہوں کس طرف یہ کارواں لے جائے گا
دوست کہتے ہیں نہ بولوں دورِ حاضر کے خلاف — کھینچ کر میری زباں بھی حکمراں لے جائے گا
دم ہمارا گھٹ رہا ہے نفرتی ماحول میں — دیکھیے اس کا جنوں ہم کو کہاں لے جائے گا
ایک دن کوئی فرشتہ آئے گا بے شک حضور — مسکراہٹ بانٹ کر آہ و فغاں لے جائے گا
وہ چلا جائے گا دنیا دیکھتی رہ جائے گی — ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا

اکرم حسین، کولکاتا
Mob-9836682396

ڈوبتا سورج پرندوں کو کہاں لے جائے گا — عافیت جس آشیاں میں ہے وہاں لے جائے گا
روزِ فردا پہلے میرے لب سیئے گا اور پھر — خونچکاں آنکھوں سے میری داستاں لے جائے گا
رات کا منظر کرے گا مجھ پہ دیرینہ ستم — میری کھڑکی سے روپہلا آسماں لے جائے گا
چھوڑ جائے گا نشاں وہ یہاں ممکن نہیں — "ساتھ اپنے زندگی کا کارواں لے جائے گا"
قافلے کا میر صادق ہے اگر تو خوف کیا — ہم چلیں گے ساتھ اس کے وہ جہاں لے جائے گا


TAWAKKAL
ENTERPRISES
Poilce Lane, Buxi Bazar,
Cuttack-753001
Tel. : 0671-6548643
Mobile : 9238418643
Stockist of :
Hamdard, Zandu Pharmaceuticals,
Dechane, New Shama Labs, Kalonji Oil,
Noorani Oil, Qudrati Oil,
Royal Ayurvedic Pharmacy Etc.
Proprietor : ABDUL AHAD
Libas
Suit Specialist
Master
F.A. Khan
Ph. : 0671-2428418
Mob. : 9437143877
SUTAHAT
(NEAR TINKONIA BAGICHA)
CUTTACK - 1
INDIAN
GARMENTS
Dargha Bazar
Cuttack-753001
Mobile : 9778678227
9090502335
Deals in :
Paint, Shirt, T-Shirt,
Trouser, Burmonda
and Inner Wear
The famous shop for
durable footwear in your city
BOMBAY
FOOTWARE
BUXI BAZAR, CUTTACK-1
DWA GHAR
Blood, Urine, Stool,
Pregnancy Etc.
are examined here
Prop. : Sd. Sahid Ali
Mobile : 93376 26958
Deewan Bazar,
Cuttack-1